توحید اور
محبوبانِ خدا کے کمالات
مصنفہ
مفکرِ اسلام پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی حسینی
سرپرستِ اعلیٰ مجلۃ الحقیقہ، شیرانِ اسلام پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

نام کتاب .... توحید اور محبوبان خدا کے کمالات

نام مصنف .... مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی حسینی

تخریج .... ابوالحقائق غلام مرتضیٰ ساقی

صفحات ....

قیمت ....

کمپوزنگ .... محمد اکرام/ لاثانی بک سنٹر شکر گڑھ

ناشر .... لاثانی بک سنٹر ریلوے روڈ شکر گڑھ

﴿ملنے کے پتے﴾

1: **مسلم کتابوی** داتا گنج بخش روڈ لاہور

2: **ضیاء القرآن** داتا گنج بخش روڈ لاہور

3: **المدینہ پبلیکیشنز** یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

4: **مکتبہ نبویہ** لاہور

5: **قادری رضوی کتب خانہ** داتا گنج بخش روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

نذرِ انتساب

میں کیا اور میری حیثیت کیا؟ میری زبان کیا؟ اور میرا بیان کیا؟

میں اس شیخ کریم کا شکریہ کیونکر ادا کروں جس نے

دورِ یتیمی میں میری تعلیم کا بندوبست کیا

دورِ شباب میں مجھے فکری فتنوں سے محفوظ رکھا

دورِ کہولت میں سفر و حضر کی معیت سے مجھے نوازا

ایمان کا نور، توحید کا جوش، عشق رسول کی چاشنی، قرآن پاک کی محبت، اللہ والوں کا پیار، اہل دل سے رابطہ، تبلیغ کا شوق، منافقوں سے بغض

غرض جو دولت بھی ملی

اس کے طفیل ملی، اس کے وسیلے سے ملی اور اس کے در سے ملی

سوسرتاپا مرہونِ منت ہوں اس کی نظر عطا کا، اس کے دست سخا کا، اس کے طرزِ وفا کا،

اس نے مجھے تقریر کا حکم دیا تو زبان و بیان کی نگہبانی فرمائی

اور تحریر کا حکم دیا تو حرف حرف میں تاثیر بھر دی

ہاں ہاں یہ شیخ کریم کون؟ مہبط تجلیات توحید، شارح اسرار تفرید، وارث حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، جلوۂ خلق عظیم، آئینہ کرامات و کمالات، پیکر وسعت تصرفات

یعنی

سیدی و سندی، مرشدی و مولائی، محسنی و مشفقی

پیکر مطلع انوار لاثانی اعلیحضرت عظیم البرکت حضور قبلہ عالم پیر سید علی حسین شاہ صاحب

نقش لاثانی قدس سرہ النورانی

ہاں ہاں اسی شیخ کریم کی بارگاہ میں بصد عجز و نیاز، اپنے چمن عقیدت کی چند کلیاں

توحیداور محبوبانِ خدا کے کمالات

کے نام سے پیش کرتا ہوں

امید ہے کہ میرا کریم قدس سرہ الکریم میرے ہاتھ کو نہیں جھٹکے گا اور پھر اپنے جد امجد، رحمتِ بے حد، سید الثقلین، شاہد الکونین، صاحب قاب قوسین، عروس الخافقین، مالک الملوین، نبی الحرمین امام القبلتین، جد الحسن والحسین علیہ وعلیہما افضل الصلوات واجل التسلیمات واکمل التحیات کی بارگاہ عرش پناہ میں بھی فرزندانہ ومودبانہ وفقیرانہ وغلامانہ انداز میں پیش کردے گا اور حسن قبول کی مہر لگ جائے گی، اور یہ ظاہر ہے حبیب کا مقبول محبّ کا مقبول اور رسول ﷺ کا مقبول خدا کا مقبول ہوتا ہے۔

یہ تصورات باطل۔ تیرے آگے کیا ہیں مشکل
تری قدرتیں ہیں کامل۔ انھیں راست کر خدایا　　　میں انھیں شفیع ﷺ لایا

سگ بارگاہ حضور نقش لاثانی
آسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

ہدیۂ تشکر

خدا نے بخشے کمالات اپنے بندوں کو — کہ منکروں کو بھی ہو ہل دین کی تصدیق
کروڑوں اربوں پہ اِن سے کھلی نجات کی راہ — پر ایسے لوگ بھی ہیں آج صاحب تدقیق
جو اِن عطائی کمالات کو بھی شرک کہیں — جو مانیں ان کو، وہ ان کی نظر میں ہیں زندیق
خدا کا فضل ہے اس کے حبیب ﷺ کا صدقہ — ملی ہے کچھ مجھے تحریر کی اگر توفیق
کیا ہے میں نے مبرہن اسی حقیقت کو — نہیں ہیں ایسے کمالات شرک بالتحقیق
نہ فرق سمجھیں اگر ذاتی و عطائی کا — تو ہو سکے گی نہ آیات میں کہیں تطبیق

مگر حقیقت میں مجھ ایسے کی حقیقت کیا
یہ سب ہے شیخ کی تحریر، شیخ کی تحقیق

اب آگے سنئے اس کا اثر ہوا کیا کیا — خدا کے فضل سے، میرے نبی ﷺ کی رحمت سے
چھپیں جو اس کی کچھ اقساط 'الحقیقہ' میں — تو پردہ اٹھ گیا گویا رخ حقیقت سے
خدا کے بندوں سے جن کو کبھی عقیدت تھی — دل ان کے ہو گئے معمور اب مسرت سے
جو اضطراب و تذبذب میں تھے کبھی غلطاں — وہ ہمکنار ہوئے اب سکون و راحت سے
جو ظلمتوں میں تھے آبِ حیات تک پہنچے — نجات ان کو ملی تشنگی کی شدت سے
جو دشمنوں میں تھے محصور، آ گئے باہر — انھیں نہ کھٹکا رہا مکرِ اہل بدعت سے
منافقین سے جن کو جہاد تھا مقصود! — وہ یہیں ہو کے رہے اسلحۂ حجت سے
وہ بندگانِ خدا جن پہ تیر چلتے تھے! — تھا بدنصیبوں کا انکار جن کی عظمت سے
سعید جیسے شقی ژاژخائی کرتے تھے — یہ ان کا سلسلہ جاری تھا ایک مدت سے
خدا کے فضل سے ان کا دفاع ہم نے کیا — نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم کو مشرف کیا سعادت سے
لگا پھر ایسے کہ گویا خدا کے یہ بندے — ہمیں ہیں دے رہے شاباش اپنی تربت سے
قبول عام ملا الغرض بفضل خدا — پسند اس کو کیا قارئین نے کثرت سے

تقاضا تو یہی سب دوستوں کا، سب قسطیں کہ ہوں کتاب میں آراستہ طباعت سے
یہی تو حکم مرے نور مصطفیٰ کا مجھے یہی ملی مجھے تلقین حاجی شوکت سے
رہا یہ مسئلہ کیونکر یہ بیل منڈھے چڑھے کہ کیسے عہدہ برآ ہوں بھلا اشاعت سے
بھلا ہو میرے محمد سلیم رانا کا اٹھایا بار جنھوں نے بڑی محبت سے
میرا عزیز کہ ہے پیارے مصطفیٰ کا غلام کہ کتاب نما کی نے کس عقیدے سے
جزائے خیر عطا ہو جناب ساقی کو! کہ مرویات کی تخریج کی ہے بڑی محنت سے
تمام کام کا نگران فخر احمد خدا کرے اسے ممنون اپنی رحمت سے
تمام یاروں پہ اللہ کی عنایت ہو حضور ﷺ نوازیں کمالِ برکت سے

مرا کریم ، مرا خدا قریشی دعائی
کرے نہ آسی کو محروم اپنی نسبت سے

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیے

فہرست

کتاب نُما

﴿غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے﴾

سرافگندیم بسم اللہ مجریھا ومرسھا

اس جہان رنگ و بو میں دو ہی راستے ہیں .... ایک باطل کا راستہ .... اور ایک حق کا راستہ ...... ایک راستے کی آخری منزل دوزخ ہے .... اور .... ایک راستے کی آخری منزل جنت ہے .... اللہ کریم نے اپنے کلام عظیم میں ارشاد فرمایا!

سورج اور اس کی روشنی کی قسم ○ اور چاند کی جب اس کے پیچھے آئے ○ اور دن کی جب اسے چمکائے ○ اور رات کی جب اسے چھپائے ○ اور آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم ○ اور زمین اور اس کے پھیلانے والے کی قسم ○ اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا ○ پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی ○ بے شک مراد کو پہنچا جس نے اس کو ستھرا کیا ○ اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا ○

(سورۃ الشمس)۔

اللہ اللہ، کیا حسنِ ابلاغ ہے .... کیا شانِ اعجاز ہے .... ہر عقل والے پر روشن ہو گیا کہ کون نامراد ہے .... اور .... کون بامراد ہے .... ایک اور مقام کا مطالعہ کیجئے۔

کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اسے کسی نے نہ دیکھا ○ کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں ○ اور زبان اور دو ہونٹ ○ اور اسے دو ابھری چیزوں کی راہ بتائی ○ پھر بے تامل گھاٹی میں نہ کودا ○ (سورۃ البلد)

یہاں بھی دو 'اُبھری چیزوں' کا ذکر ہوا ...... کفر بھی سامنے ہے ایمان بھی

سامنے ہے............اب جو چاہے کفر اختیار کرے...........اور........... جو چاہے ایمان دار بن جائے .... حضرت انسان کو کسی ایک راستے کے اکتساب کا مکمل اختیار ہے.......... اور ....اسی اکتساب پر اسکی سزا و جزا کا دارومدار ہے..........ایک راستے پر شیطان چلا اوراس کے ورغلانے سے نمرود و فرعون جیسے انسان چلے..........ایک راستے کو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنایا اوران کے فیضان نظر سے ان کے وارث اس پر گامزن ہوئے۔

موسیٰ و فرعون ، شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

اب ایک سوال ابھرتا ہے..........کیا یہ دو راستے برابر ہیں..........نہیں ہرگز نہیں...... ......اگر یہ راستے برابر نہیں تو ان پر چلنے والے کیسے برابر ہو گئے..........ارشادِ باری ہے

☆...... بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھاo بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ وہ اسے جانچیں، تو ہم نے اسے سنتا دیکھتا کر دیاo بے شک ہم نے اسے راہ بتائی، یا حق مانتا یا ناشکری کرتاo بے شک ہم نے کافروں کیلئے تیار کر رکھی ہے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی آگo بے شک نیک پئیں گے اس جام سے جس کی ملونی کافور ہے، وہ کافور کیا ایک چشمہ ہےo (سورۃ الدھر)

☆...... کچھ منہ اس دن تر و تازہ ہوں گےo اپنے رب کو دیکھتےo اور کچھ منہ اس دن بگڑے ہوں گےo سمجھتے ہوں کہ ان کے ساتھ وہ کی جائے گی، جو کمر توڑ دےo (سورۃ القیامہ)

☆...... دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں، جنت والے ہی مراد کو پہنچےo (سورۃ الحشر)

☆......نہ دیکھنے والا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔

☆......کیا جاننے والا اور نہ جاننے والا برابر ہو سکتے ہیں۔

یہ تو کلام معجز نظام کے تابناک نشان ہیں، انسان کے پاس تھوڑی سی عقل ہو تو پھر بھی فیصلہ کر سکتا ہے کہ مغضوبانِ خدا اور محبوبانِ خدا کے درمیان لامتناہی فرق قائم ہے...... اگر خدا کے مغضوب اور محبوب کے درمیان کوئی فرق نہیں تو خدا سے محبت کرنے کا کیا فائدہ...... اس کی بارگاہ میں سر نیاز خم کرنے کا کیا حاصل...... ساری دنیا کو چھوڑ کر اس کے ساتھ دل لگانے کی کیا وقعت...... کاش کوئی سوچے...... کاش کوئی دیکھے...... اس کے دشمنوں کے پاس کچھ نہیں اور...... اس کے دوستوں کے پاس سب کچھ ہے...... دشمن کسی کا کچھ نہیں سنوار سکتے...... دشمن کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے...... دشمن ایسے تہی دامن ہیں، کہ ان کے پاس کھجور کی گٹھلی جتنا بھی اختیار نہیں...... دشمن ایسے بے دست و پا ہیں کہ وہ سب مل کر بھی مکھی کا پر نہیں بنا سکتے...... آہ بیچارے کہیں کے...... جانوروں سے بھی بدتر ہیں...... زندہ ہیں تو بھی مردوں سے گئے گزرے ہیں...... روح زندگی سے محروم ہیں...... چلتے پھرتے دوزخی ہیں...... کتنے مونہوں پر اس دن گرد پڑی ہوگی...... ان پر سیاہی چڑھ رہی ہے...... یہ وہی ہیں کافر بدکار...... ہاں ہاں خدا کے دشمنوں سے ایسا ہی ہونا چاہئے...... جو اپنے مہربان خدا کا نافرمان ہے وہ کسی انعام کا حقدار نہیں ہو سکتا۔

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
دربدر یونہی خوار پھرتے ہیں

اب آیئے محبوبانِ خدا کی شان و عظمت کی ایک جھلک ملاحظہ فرمایئے۔

☆...... محبوب، صورت آدم میں ہو تو مسجود ملائک تک...... نائب کبریا ہے...... کائنات کا مالک و مختار ہے...... دستِ قدرت کا شہکار ہے...... صفات حق کا آئینہ دار ہے۔

☆......محبوب، صورتِ نوح میں ہوتو عالمگیر طوفانوں سے محفوظ ہے

☆......محبوب، صورتِ خلیل میں ہوتو نارِ نمرود سے مامون ہے......معبودانِ باطلہ کیلئے قہرِ خدا ہے ......ملتِ حنیف کا امامِ مطلق ہے۔

☆......محبوب، صورتِ ذبیح میں ہوتو سراپا ایثار ہے......ایڑیاں رگڑے تو آبِ زم زم نکال دے ......دشت ویران میں ٹھہرے تو رشکِ ارم بنادے۔

☆......محبوب، صورتِ کلیم میں ہوتو پتھر سے پانی کے چشمے بہادے، اس کا عصا، سحر طرازوں پر غالب ہے اور اس کے ہاتھ کی جلالی قوتوں سے موت بھی لرزہ براندام ہے۔

☆......محبوب، صورتِ خضر میں ہوتو علمِ لدنی کا وارث ہے،

☆......محبوب، صورتِ ذوالقرنین میں ہوتو شرق و غرب کا سیاح ہے

☆......محبوب، صورتِ سلیمان میں ہوتو ہواؤں، گھٹاؤں، فرشتوں، انسانوں، جنوں، حیوانوں، کا نگہبان ہے، حکومتوں کا پاسبان اور خزانوں کا مالک ہے۔

☆......محبوب، صورتِ مریم میں ہوتو پاکباز ہے......پاک نگاہ ہے......سوکھی کھجوروں کو چھیڑے تو تر و تازہ کردے۔

☆......محبوب، صورتِ ہاجرہ میں ہوتو اپنی نورانی نسبت سے صفا و مروہ جیسی سنگلاخ پہاڑیوں کو 'شعار اللہ' بنادے۔

☆......محبوب، صورتِ مسیح میں ہوتو مٹی کا پرندہ بنا کر پھونک مارتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے محوِ پرواز ہو جاتا ہے......اس کے حکم سے کوڑھیوں کو شفا دیتا ہے......اندھوں کو آنکھیں بانٹتا ہے......مردوں کو زندگی کی حرارت عطا کرتا ہے......اور گھروں کے راز سے پردے ہٹاتا ہے......آسمانوں سے دسترخوان منگواتا ہے......اور حصولِ فضل پر خوشیاں مناتا ہے۔

☆ محبوب، صورتِ آصف بن برخیا میں ہوتو آنکھ جھپکنے سے پہلے......سینکڑوں میل کے

فاصلے سے ملکۂ بلقیس کا تخت بارگاہِ پیغمبر میں حاضر کرتا ہے۔

محبوبانِ خدا کی کیا بات ہے...... خداتعالیٰ کا فرمان ہے

اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ اس زمین کے
وارث میرے نیک بندے ہیں o بے شک یہ قرآن کافی ہے عبادت والوں
کو o اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کیلئے o

(سورۃ الانبیاء)

اللہ اللہ، جب تمام محبوبانِ خدا کی یہ شان وعظمت ہے کہ وہ کائنات ارضی کے وارث ہیں تو جس محبوب اعظم ﷺ کے صدقے ان کو محبت و وجاہت نصیب ہوئی اس کا کیا مقام ہوگا، اس سوال کا جواب بھی مذکورہ فرمان میں پایا جاتا ہے............ وہ محبوب اعظم ﷺ تمام جہانوں کیلئے رحمت ہے۔......... چونکہ وہ توحید کا سب سے بڑا علمبردار ہے، اس لئے اوصافِ خدا کا سب سے بڑا اشہکار ہے۔

خامۂ قدرت کا حسن دستکاری واہ وا
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ وا
صدقے اس اکرام کے، قربان اس انعام کے
ہو رہی ہے دونوں عالم میں تمہاری واہ وا

وہ رحمۃ للعالمین ہے...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

''حضور کا رحمت ہونا عام ہے، ایمان والے کیلئے بھی اور اس کیلئے بھی جو ایمان نہیں لایا، مومن کیلئے تو آپ دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہیں، اور جو ایمان نہ لایا، اس کیلئے آپ دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ کی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور خسف مسخ اور استیصال کے عذاب اٹھا دیئے گئے۔ (خزائن العرفان ص ۵۹۵)

اللہ اکبر! جو محبوب اعظم ﷺ سب جہانوں کیلئے رحمت ہے، لازم ہے کہ وہ تمام جہانوں سے افضل ہے۔............وہ سب جہانوں کا ذریعہ حیات اور وسیلۂ نجات ہے............وہ سب جہانوں کا وارث و مختار ہے............وہ سب جہانوں میں جلوہ فرما ہے............وہ سب جہانوں کے قریب ہے............وہ سب جہانوں کا حاجت روا ہے............وہ سب جہانوں میں زندہ وجاوید ہے............شاید کسی کی عقلِ عیار اس کو شرک سمجھے............یہ شرک نہیں، عشق ہے............یہ اسے رحمۃ للعالمین ماننے کا تقاضا ہے............

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث مبارک ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

''بے شک میں تمہارا میر سامان ہوں، اور تم پر گواہ ہوں، اللہ کی قسم میں ضرور اپنا حوض یہاں سے دیکھتا ہوں، مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں، یا زمین کی کنجیاں، اللہ کی قسم مجھے کوئی خوف نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، ہاں خوف ہے کہ تم دنیادار بن جاؤ گے''

اس حدیث مبارک پر ذرا غور کیجئے، حضور پرنور ﷺ نے کتنی وضاحت وصراحت کے ساتھ وہ عقائد بیان فرمائے، جن کو آج شرک تصور کیا جاتا ہے، پھر ان عقائد کے بعد اعلان فرمایا کہ تم مشرک نہیں ہو گے، اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اس محبوب اعظم ﷺ کو میر سامان محشر کہا جائے............شاہد کائنات سمجھا جائے............خزائن ارض کا سلطان مانا جائے............کوثر کا حکمران تسلیم کیا جائے تو شرک نہیں ہوتا............اللہ تعالیٰ کی عطاؤں اور محبوب والا کی اداؤں کا اعتراف ہوتا ہے۔

اللہ کی عطا کا تو انکار مت کرو

سرکار کی جو شان ہے بے شک عطائی ہے

دیکھی! آپ نے محبوبانِ خدا کی شان وعظمت کی ایک جھلک ...... وہ ہر لفظ سے بالاتر نظر آئے ...... وہ اظہارِ خیال کی تنگ دامانیوں سے ماوراء دکھائی دیئے ...... ان کی شان و عظمت کو ان کا معبودِ برحق ہی جانتا ہے۔

وہی نازآفریں ہے جلوہ پیرا نازنینوں میں

اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ محبوبانِ خدا کی تعظیم کرتے رہے ...... اور کرتے رہیں گے، انہوں نے کبھی کسی نمرود وفرعون کو نہیں مانا ...... کبھی کسی ''من دون اللہ'' کے سامنے نہیں جھکے ...... وہ مانتے ہیں تو صفی اللہ کو مانتے ہیں ...... نجی اللہ کو مانتے ہیں ...... خلیل اللہ کو مانتے ہیں ...... ذبیح اللہ کو مانتے ہیں ...... کلیم اللہ کو مانتے ہیں ...... خلیفۃ اللہ کو مانتے ہیں ...... روح اللہ کو مانتے ہیں ...... بیت اللہ کو مانتے ہیں ...... شعاراللہ کو مانتے ہیں ...... ناقۃ اللہ کو مانتے ہیں ...... کتاب اللہ کو مانتے ہیں ...... حبیب اللہ کو مانتے ہیں ...... رسول اللہ کو مانتے ہیں ...... نبی اللہ کو مانتے ہیں ...... ولی اللہ کو مانتے ہیں ...... جو بھی خدا کا باغی ہے، اس سے عداوت رکھتے ہیں ...... جو بھی خدا سے راضی ہے، اس سے محبت کرتے ہیں ...... وہ ان دونوں راستوں اور دونوں جماعتوں میں فرق کرتے ہیں ...... ان کے نزدیک دشمنوں کے رد میں نازل ہونے والی آیتوں کو دوستوں پر چسپاں کرنا کلام اللہ کی تحریف ہے ...... اسلام کی توہین ہے ...... توحید کی بےادبی ہے ...... امت مرحومہ کو الحاد کے راستے پر ڈالنے کی ابلیسی سازش ہے ...... ابلیس لعین سے زیادہ اس لعنت سے کون واقف ہوگا ...... وہ تو چاہتا ہے کہ جس طرح اس نے محبوبانِ خدا کی توہین کی، انہیں اپنے ناقص وجود پر قیاس کیا اور بارگاہ خدا سے دور ہوگیا، اسی طرح انسان کو بھی بارگاہ خدا سے دور کر

دے .... جبکہ خدا، انسان کو محبوبانِ خدا کے قریب ہونے کا حکم دیتا ہے .... اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ .... اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اسکی طرف وسیلہ تلاش کرو .... لوگو! جان لو، اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے .... اللہ کی رحمت محسنوں کے قریب ہے .... اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف نہیں اور کوئی ملال نہیں، .... عزت تو بس اللہ کیلئے ہے، اس کے رسول کیلئے اور ایمان والوں کیلئے ہے .... بے شک تمہارا مددگار اللہ ہے، اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں،

کاش کوئی قرآن حکیم کے اس اندازِ محبوبی پر غور کرے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں، کیا ہم ان کے قریب جا کر اس کے قریب نہیں ہو جائیں گے۔

کیمیا پیدا کن از مشت گِلے
بوسہ زن بر آستانے کا مِلے

ذرا دیکھو! ایک سگ بے مایہ ہے .... ذات اور اوقات میں پلید ہے .... بس محبوبانِ خدا کے ساتھ چل پڑا ہے .... اب یہ ساتھ اتنا لافانی ہو گیا ہے کہ وہ جنت میں چلے گئے ہیں .... ساتھ ہی یہ بھی جنت میں چلا گیا ہے .... ان کی دوستی کا یہ صلہ ہے کہ جب سب لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، یہ دوست ہوں گے .... من دون اللہ اپنے ساتھیوں سے بیزار ہو جائیں گے .... اولیا اللہ اپنے ساتھیوں کے غمخوار ہو جائیں گے .... کیا یہ کوئی فرق نہیں؟

عقل غلط بیں کا کیا کیا جائے .... وہ تو انسانوں میں فرق نہیں کرتی .... اسلام پتھروں میں بھی فرق بتا رہا ہے .... جب اسلام غالب آیا تو حرم کعبہ سے دشمنانِ خدا بھی نکل گئے .... اور ان کے معبودانِ جفا بھی نکل گئے .... اگر عزیٰ، لات، منات، ہبل کے پتھروں اور حجر اسود اور مقام ابراہیم میں کوئی امتیاز نہیں تو ان کو کیوں چوما جاتا ہے .... کیوں مصلیٰ بنایا جاتا

ہے ...... یہ پتھر محبوبانِ خدا سے منسوب ہیں، اس لئے خدا کے محبوب ہیں ...... ارے دشمنان خدا کے کُرتے میں شفا کہاں ...... محبوبانِ خدا کے قمیض نے پیرانہ سال باپ کو بینا کر دیا تھا ...... گویا انہی کے قدموں میں برکات کا ذخیرہ ہے

گر تو سنگ خارہ مر مر شوی
تا بہ صاحب دل رسی، گو ہر شوی
یاد حق ، اے دوست تو کن اختیار
تا شوی در ہر دو عالم بختیار

انہی کے تبرکات نے صدیوں تک ایک جفاشعار قوم کو کامیابیوں سے ہمکنار کیا

اے عقل غلط بیں! ہمارے ساتھ دشمنان خدا کی بات نہ کر...... محبوبانِ خدا کی بات کر، جو دیکھنے میں تو قاری نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں قرآن ہوتے ہیں، کسی کا دروازہ، بابِ بہشت ہے، ...... کسی کی گلی، کوچہ جنت ہے...... کسی کا مدرسہ، مرکز رحمت ہے...... کوئی داتا ہے، کوئی خواجہ ہے، کوئی مجدد ہے، کوئی لاثانی ہے، کوئی شیر ربانی ہے، کوئی غوثِ جلی ہے، کوئی مہر علی ہے، کوئی گنج شکر ہے، کوئی مرد قلندر ہے، خدا ان سے راضی ہو گیا، یہ خدا سے راضی ہو گئے، یہ اللہ کی جماعت ہے اور خبردار اللہ کی جماعت کامران وسرفراز ہے۔

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

توحیداور محبوبان خدا کے کمالات:

اللہ اللہ ...... اس وقت میری نگاہوں کے سامنے ایک صحیفۂ محبت کھلا ہوا ہے، جس کا عنوان جلی ہے" توحیداور محبوبان خدا کے کمالات"۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اسلام کو خارجیوں جیسی متشدد قوم کا سامنا کرنا پڑا، خارجیوں نے سب سے بڑا ہتھیار اسلام کے

سب سے بڑے عقیدے کو بنایا، ان کی زبانوں پر کلمہ توحید جاری تھا، اور دل محبوبانِ خدا کے بغض و عناد سے سیاہ تھے۔ ان کی فطرت میں اس قدر بغاوت آشنا تھی کہ صحابہ کرام جیسے پاک دامن لوگ بھی انہیں 'مشرک' دکھائی دیتے تھے۔ کافروں کا سر قلم کرنے والا شیرِ خدا بھی 'توحید' کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا، یہ لوگ بلا کے سرکش تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ساری مخلوق سے زیادہ شرارتی قرار دیا، کیونکہ یہ دشمنانِ خدا کے رد میں اترنے والی آیتوں کو محبوبانِ خدا پر چسپاں کرتے تھے۔ خارجیوں کی 'توحید' یقیناً وہ توحید نہیں تھی جس کا اعلان کلام اللہ اور رسول اللہ نے فرمایا تھا۔ ہاں یہ وہ 'توحید' تھی جس کے بل بوتے پر عزازیل جیسا عبادت گزار بھی شیطنت کا علمبردار بن گیا تھا۔ پھر تاریخ شاہد ہے کہ اس 'شیطانی توحید' کے حملے سے کوئی مردِ خدا محفوظ نہ رہا۔ جب پورے عالمِ اسلام پر انگریزوں کی حکومت و ہیبت مسلط ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں کو پارہ پارہ کرنے اور ان کے مسلمہ عقیدوں اور عقیدتوں کو مشکوک بنانے کیلئے اسی 'توحید' کا سہارا لیا، ان کے اس مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ابن عبدالوہاب نجدی اور مولوی اسماعیل دہلوی جیسے ایمان فروش سامنے آئے، یہ 'توحید' ایسی شرمناک ہے کہ اس کے مبلغین بھی شرم سے بیگانہ ہوگئے۔

ان کے نزدیک اہل اسلام سے دشمنی رکھنا اور اہل اصنام سے دوستی کرنا زندگی کا قابل فخر سرمایہ تھا، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کو 'غدر' قرار دیا جبکہ ترکی کی خلافت اور سرحد کے مسلمانوں کی حکومت کے خلاف جنگ کو جہاد کا نام دیا۔ اور اپنے اس موقف کو پھیلانے کیلئے ہر حربہ استعمال کیا .... آج ان کے نام لیواؤں کا بھی یہی طریقہ واردات ہے، یہ بھی اسی 'توحید' کی آڑ لے کر اہل ایمان کو مشرک کہتے ہیں اور اسی 'جہاد' کے پردے میں اہل اسلام میں فساد برپا کرتے ہیں، ان کی توحید کیسی عجیب ہے کہ حضور گنج بخش علیہ الرحمہ جیسے بزرگوں پر طعنہ زنی کرتی ہے اور ان کا 'جہاد' کتنا انوکھا ہے کہ کشمیر کی مقدس درگاہوں کو مٹا دینا چاہتا ہے ۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

یہ لوگ بیرونی امداد اور جہاد کے نام پر اکٹھا ہونے والا چندہ اسلام کے سوادِ اعظم کے خلاف استعمال کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مجلۃ الدعوہ اور غزوہ، جیسی صحافتی سرگرمیاں اہل ایمان کیلئے نہایت خطرناک ہیں۔آج وقت کی اہم پکار یہی ہے کہ ان ''توحید پرستوں'' سے حقیقی توحید کے روشن آبگینے بچالئے جائیں، اس عظیم مقصد کیلئے مفکر اسلام حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی صاحب نے نعرہ مستانہ بلند کیا اور پاکستان کے انتہائی دور افتادہ علاقہ شکر گڑھ سے تحریک شیران اسلام کا آغاز فرمایا........ یہ درست ہے کہ تحریک کے غیور نوجوان نہ بیرونی امداد پر چلتے ہیں اور نہ ہی انہیں کشمیر و افغانستان کے مظلوم مسلمانوں کے نام پر چندہ اکٹھا کر کے اپنے پیٹ کا دوزخ بھرنا آتا ہے........ ہاں انہیں حضور محبوب اعظم ﷺ کی امداد پر بھروسا ہے، محبوبانِ خدا کی عنایتوں پر ایمان ہے۔ اس لئے ان کا اٹھنے والا ہر قدم حاصل منزل بنتا جا رہا ہے۔تحریک کے ترجمان 'مجلۃ الحقیقہ' نے بھی مختصر عرصے میں کامیابیوں کے نمایاں اہداف حاصل کئے ہیں۔اہل نظر اور اہل خبر حضرات کے نزدیک اس کی حق گوئی اور جرأت آموزی نے صحافت کے وہ انداز متعارف کروائے ہیں، جن کی اس مصلحت کوش زمانے میں کوئی مثال نہیں ملتی۔اس تحریک اور اس کے ترجمان 'مجلۃ الحقیقہ' کا بنیادی مطمح نظر ہی یہ ہے کہ رحمانی توحید اور اس کی روشنی میں محبوبانِ خدا کے کمالات و احسانات سے اپنی قوم و ملت کو آشنا کیا جائے، گویا شیران اسلام کا یہ منشورِ حیات ہے ۔

اخلاص عمل مانگ نیا گان کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

چونکہ ہماری صحافتی سرگرمیوں کا نکتہ ارتکاز یہی ہے، اس لئے تحریک کے بانی مبانی اور سرپرست اعلیٰ مفکر اسلام حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی صاحب نے ''توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات'' کو ضابطۂ تحریر میں لانا شروع کر دیا، تحقیق و جستجو کا یہ پر نور سفر تین سال سے جاری و ساری ہے، اور مجلۃ الحقیقہ کے نورانی صفحات کی سدا بہار زینت ہے، تحریر نہایت پر تاثیر ہے، کیوں نہ ہو، یہ

ملت اسلامیہ کے غم میں تڑپتے ہوئے دل کی ایک آہِ شب گیر ہے۔ یہ تو ایک رونا ہے، جو ہر صاحب دردکورلا دیتا ہے، یہ تو ایک فریاد ہے جو ہر صاحب روح کر تڑپا دیتی ہے ...... ہاں ہاں یہ ایک للکار بھی ہے، جس سے باطل کے ایوان لرز اٹھے ہیں، یہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے جلال کا تازیانہ ہے......... یہ حضرت احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے جذبات کا شاخسانہ ہے .... یہ حضرت شاہ لا ثانی علیہ الرحمہ.........اور.........حضرت نقش لا ثانی علیہ الرحمہ کے حسن تربیت کا سرچشمہ ہے......... سب سے بڑھ کر کتاب وسنت کا ترجمان ہے، اب قارئین مجلۃ الحقیقہ کا پرزور تقاضا تھا کہ اس مضمون کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے تا کہ اس افادیت میں اور اضافہ ہو جائے۔ اس کارِ خیر کیلئے تحریک کے ایک برق رفتار کارکن جناب افتخار احمد ممنون صاحب میدان عمل میں کود پڑے اور انہوں نے نہایت تن دہی سے اس کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کا معاملہ سنبھال لیا۔ جناب الحاج شوکت علی صاحب، جناب مولانا محمد سعید حسینی صاحب اور اس عاجز کو بھی ان کی معاونت کا شرف حاصل ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ کی عطا اور محبوبانِ خدا کی دعا سے وہ دن بھی آ گیا، کہ ایمان افروز تحقیق اور ایقان انگیز تحریر کتابی صورت میں شائع ہوگئی۔

قارئین کرام کا فریضہ:

اس عاجز راقم الحروف کا ذاتی تجربہ ہے کہ کتاب لکھنا بھی آسان ہے، تھوڑی بہت ہمت کر کے چھپوانا بھی آسان ہے لیکن قلم وقرطاس سے ناآشنا قوم میں پھیلانا بہت مشکل کام ہے۔

ہمارے پاس وسائل کی کمی نہیں۔ ہاں وسائل کو صرف کرنے کیلئے عقل کی ضرور قلت ہے۔ ہماری دولت میناروں، مزاروں، محرابوں، ختموں، قوالوں اور نعت خوانوں پر تو قربان ہوسکتی ہے، مدرسوں، لائبریریوں اور کتابوں پر نہیں۔ ہماری قوم کی اکثریت ان علمی گہواروں سے بیگانہ ہونے کی بدولت دین و دانش سے بیگانہ ہے۔ یہاں اسباب ہیں وہاں کوئی صاحب شعور نہیں اور یہاں کوئی صاحب شعور ہے وہاں اسباب نہیں، اب قارئین کرام کا اہم فریضہ ہے کہ خواص وعوام میں

اس کتاب مستطاب کو ترجیحی بنیادوں پر عام کیا جائے۔ اپنے دوستوں، بھائیوں، بہنوں، طالب علموں، اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے اس کا تعارف کرایا جائے، بچیوں کو جہیز میں عطا کی جائے، دینی اور ملی پروگراموں میں بطور انعام منتخب کی جائے۔ ہم کتنا پیسہ ہر روز فضولیات پر خرچ کرتے ہیں، اس قسم کی مفید کتابیں خرید کر عام کرنا بہترین صدقہ جاریہ ہے کسی ایک مسلمان کا ایمان بچ گیا تو زندگی کی معراج نصیب ہو جائے گی، یا کوئی ایک گمراہ انسان، راہ راست پر گامزن ہو گیا تو ''سرخ اونٹ'' سے بہتر انعام مل جائے گا۔

یہ دامن ہے، یہ ہے گریباں آؤ کوئی کام کریں
موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

مفکر اسلام کی تابناک شخصیت:

کتاب تو پیش نظر ہے، اب اس صاحب کمال کی بات ہو جائے، جس کے فکر رسا سے اس شہکار نور نے جنم لیا ہے۔

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے
چندیں سخنِ نغز کہ گفتے و شنودے

زاہد شب زندہ دار، عابد خدامست، مجسمہ غیرت وحمیت، پیکرِ جمال محبت، سراپا علم و آگہی، وارث علوم قدیم، حامل افکار جدید، مقدام العلماء، فخر الجہابذہ، استاذ الاساتذہ، شاعرِ حمد ونعت، ادیب انشاء طراز، مفکر اسلام، حضرت العلام، علامہ پروفیسر محمد حسین آسی صاحب نقشبندی قادری حسینی ادام اللہ ظلہ، جیسی شخصیت کو ایک زمانہ جانتا ہے۔

دیر و حرم کی راہ سے دل بچ گیا مگر
تیری گلی کے موڑ پہ سودائی بن گیا

بزمِ وفا میں آپ سے ایک پل کا سامنا
یاد آگیا تو عہدِ شناسائی بن گیا

پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی علیہ الرحمہ کی زبانی سنئے!

''آپ عاشق رسول اور ایک سچے عاشق رسول ہیں، ان کی زندگی کا مطالعہ قریب سے کرنے سے انسان عام لوگوں کی طرح ان سے دور نہیں ہوتا، بلکہ اور قریب تر ہوتا ہے، وہ ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے اپنا ایک مسلک رکھتے ہیں۔ لیکن وہ جو کچھ بھی ہیں، اپنے دل اور دماغ کی گہرائیوں سے وہی کچھ ہیں'' (اوجِ نعت نمبر جلد ا ص ۶۰۶)

تاریخی پس منظر:

مفکر اسلام حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی ادام اللہ ظلہ نے جس پُر آشوب دور میں آنکھ کھولی، اسلامیان ہند زوال کے کربناک ماحول میں سانس لے رہے تھے۔ انگریزوں اور ہندوؤں نے ہر میدان میں اہل اسلام کا گلہ گھونٹ رکھا تھا، البتہ یہ خوش آئند بات تھی کہ مسلمانوں کا سیاسی شعور ایک تاریخ ساز انگڑائی لے کر بیدار ہو چکا تھا، حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے بتائے ہوئے دو قومی نظریے کی گونج سے دشت وجبل کانپ رہے تھے۔ ایک طرف حضرت اقبال علیہ الرحمہ کی شاعری صورِ اسرافیل کا فریضہ سرانجام دے رہی تھی تو دوسری طرف حضرتِ قائد علیہ الرحمہ کی ولولہ انگیز قیادت نے سماں باندھ رکھا تھا۔ مشائخ اہل سنت اور علمائے اہل سنت اپنی فلک بوس شخصیتوں سے ایک مملکت خداداد کے حصول کیلئے سرگرم عمل تھے، وہ زمانہ شخصیات کے اعتبار سے نہایت پروقار اور پرانوار نظر آتا ہے،

ولادت باسعادت:

دنیا کا حسین ترین ملک پاکستان ابھی معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔ آپ ضلع گورداسپور کے ایک تصوف گھرانے میں ۱۹۳۹ء کو پیدا ہوئے، والد گرامی نے حضور شہنشاہِ لاثانی قدس سرہٗ کا

خدمت میں نومولود بچے کا نام رکھنے کیلئے عرض کی تو انہوں نے فرمایا" محمد حسین، محمد حسن "، حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہٗ اس قدر سیف اللسان تھے کہ ہمیشہ دیکھنے میں آیا کہ آپ نے جتنے نام بتائے، اللہ تعالی نے اُتنے ہی بیٹے عطا فرمائے، یہاں بھی بعد میں ایک اور بچہ پیدا ہوا جس کا نام محمد حسن رکھا گیا ، جو شیر خوارگی میں ہی وصال فرما گیا۔ آپ کے والد گرامی کا تعارف آپ کی زبانی سنئے۔

" میرے والد مکرم چوہدری محمد مقبول مرحوم جو میرے استاد بھی تھے، تاجدار فقر و رضا، اعلیٰحضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی قدس سرہٗ کے مرید صادق اور آپ کے اولین سجادہ نشین قیوم زمانی حضور پیر سید علی حسین شاہ نقش لاثانی قدس سرہٗ کے پروردہ فیض تھے، پیر خانے سے انہیں جو سب سے بڑی دولت ملی تھی ، وہ محبت رسول پاک علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی متاع لازوال تھی۔ فرائض منصبی کے علاوہ سکول اور گھر میں اکثر ان کی محفل احباب گرم رہتی تھی۔ فارسی اور اردو پر خاصا عبور تھا۔ حضرت مولانا روم، شیخ سعدی نظامی گنجوی، خواجہ حافظ ،حضرت علامہ اقبال علیہم الرحمہ کا اکثر نعتیہ کلام انہیں ازبر تھا، پڑھتے وقت ان پر وجد بھی طاری ہو جاتا تھا اور سننے والے بھی (جن میں بعض ان پڑھ بھی ہوتے تھے) جھومتے تھے۔ یوں تو ان کے چھوٹے بڑے بیسیوں شاگرد ہیں مگر لخت جگر ہونے کی وجہ سے مجھے ان کی صحبت میں رہنے کا زیادہ شرف ملا، اگرچہ اپنی قلت استعداد سے ان کے علم وفضل ، زہد و ورع ، جود وسخا اور سادگی و بے نفسی کا وارث تو نہ بن سکا، تاہم ان کے ذوق نعت کی چند جھلکیاں ضرور طبیعت کا جزو بن گئیں، (اوج نعت نمبر ص ۶۰۷)

حضور مفکر اسلام کے خاندان میں تاجدار علی پور شریف کا لاثانی فیضان موجزن تھا۔ حضور

شاہ لاثانی قدس سرہٗ ہر سال آپ کے گاؤں بکنور میں تشریف لاتے تو آپ کے گھر میں قیام فرما ہوتے، گھر میں فقرِ محمدی کی کیفیت تھی۔ مکان بالکل خستہ حال تھے، ایک دفعہ انہوں نے فرمایا کہ ''اب مکان نیا بنانا چاہئے'' یہ حکم مبارک کا اثر تھا کہ اسباب بھی بن گئے، حالات بھی سدھر گئے، بس جلد ہی اچھا خاصا مکان تعمیر ہو گیا، حضرت مفکر اسلام کی ایک یہ بھی خوش نصیبی ہے کہ ان کا نام مبارک حضور شاہ لاثانی قدس سرہٗ نے رکھا، اور خصوصی دعاؤں سے سرفراز فرمایا ۔

تو ہزار انداز داری در کمیں
من بہ ہر انداز قربانت شوم

تعلیم وتربیت:

حضرت مفکر اسلام کی اپنی تحریر کی روشنی سے معلوم ہوا کہ آپ نے ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والدِ گرامی علیہ الرحمہ سے حاصل فرمائی۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت شب زندہ دار، پاکباز اور سخاوت شعار خاتون تھیں، ان کے فیضِ تربیت نے بھی آپ کی شخصیت میں نکھار پیدا کیا ہے۔

تحریک پاکستان نے زور پکڑا تو ہندو اور انگریز مسلمانوں کے اصولی مؤقف کے سامنے زیروزبر ہو گئے، ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے عظیم دن پاکستان کے نام سے ایک عظیم مملکت صفحۂ ہستی پہ نمودار ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر مستعار آٹھ سال کے لگ بھگ تھی، آپ کی معصوم نگاہوں نے ہجرت کے خونیں واقعات کا بخوبی مشاہدہ کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ پاکستان کے لئے ہمہ وقت دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ گویا ۔

میرا سانس امانت ہے تیری یادوں کا
ٹوٹ کر اس سے زیادہ تجھے [illegible] ہوں کیسے

آپ نے ہجرت فرمائی اور اپنے والدین کریمین کے ہمراہ موضع پھگواڑی تحصیل شکر گڑھ میں قیام فرما ہوئے۔ موضع پھگواڑی، شہر شکر گڑھ سے جانب مشرق تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر

ہے، پھر آپ نے مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے ڈی۔بی ہائی سکول شکر گڑھ میں داخلہ لیا تو علاقے کے نامور بدیہہ گو شاعر مولانا نور عالم خالد مرحوم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا اتفاق ہوا، ان کی شاعری کے وسیع میدان میں نعت کی گونج زیادہ تھی، سکول کے ہیڈ ماسٹر چوہدری غلام حسن طور بھی بلند پایہ شاعر تھے۔ان دو حضرات نے آپ پر خصوصی نظر لطف رکھی اور ہونہار شاگرد کی استعداد کو چار چاند لگائے۔

پیرِ کامل صورت ظِلِ الہٰ:

یوں تو حضرت مفکر اسلام کے گھر کی روحانی فضا میں سب اولیاء کرام کی عظمتیں بیان ہوتی تھیں، لیکن دِل حضور شاہ لاثانی قدس سرہٗ اور ان کے نائب اول حضور نقش لاثانی قدس سرہٗ کے نام مبارک سے ازحد مانوس تھے اور آنکھیں ان کے جمال جہاں آرا سے ازبس لبریز تھیں۔

ناموں کا اک ہجوم سہی میرے آس پاس
دل سن کے ایک نام دھڑکتا ضرور ہے

آپ نے ۱۹۵۶ء میں میٹرک کا امتحان دیا تو نتیجہ نکلنے سے قبل ہی والد ماجد واصل بحق ہوگئے، ان کی وصیت کے مطابق ان کو سرزمین علی پور شریف میں حضور شاہ لاثانی قدس سرہٗ کے قدموں کی طرف سپرد خاک کیا گیا، اس کم سنی کے عالم میں شفیق سرپرست کا وصال فرمانا آپ کیلئے ایک جانکاہ سانحہ تھا، لیکن شکر صد شکر کہ زخموں پر مرہم جاں فزاء رکھنے والے طبیب جاں موجود تھے۔ حضور نقش لاثانی قدس سرہٗ نے آپ کو اپنے سایہ عاطفت میں چھپا لیا۔

بچشم خلق عزیز جہاں شود حافظ
کہ بر در تو نہد ، روئے مسکنت بر خاک

اللہ ، اللہ ، حضور نقش لاثانی قدس سرہٗ بھی کیا دلنواز شخصیت کے مالک تھے، آپ کی ذات مقدس علم و عرفان کا بحر رواں اور فکر وایقاں کی بہار جاوداں تھی، آپ کا سخن بلند تھا، جاں پرسوز تھی، بحو

کلام ہوتے تو معانی کا چشمہ ابلتا، خاموش رہتے تو افکار کا سمندر لگتے، چلتے تو سروخراماں کا گماں گزرتا، مسکراتے تو صبح نور کے اجالے بکھرتے ہوئے محسوس ہوتے، آپ باغ تطہیر کے گل خندہ تھے، جس کے خمیر جاں میں طہارتوں، نزاکتوں اور خوشبوؤں کے جہان آباد تھے۔ میں نے عرض کیا ہے،

نگاہیں سرمگیں، قد دلربا، چہرہ کتاب ان کا
ادائیں بے مثال ان کی، سراپا لا جواب ان کا
بلائیں لیں گل و لالہ نے انداز تبسم کی
اڑایا جب نسیم شوخ نے رخ سے نقاب ان کا
وہ لاثانی ہیں، لاثانی نما ہیں، نقش لاثانی
ہے نانا سرور عالم تو دادا بو تراب ان کا

حضور نقش لاثانی قدس سرہٗ ''صورت ظل اللہ'' بن کر رہے تو حضرت مفکر اسلام نے علم و عرفان کی رو پہلی منزلوں پر قدم رکھا۔ پھر کیا تھا، مرحلے کٹتے گئے، فاصلے سمٹتے گئے۔آپ کا عالم شباب بہت پاکیزہ تھا، میرے خال محترم ڈاکٹر محمد اقبال سلیم مرزا صاحب آپ کے کلاس فیلو ہیں، ان کا بیان ہے کہ تمام سکول میں حضرت مفکر اسلام ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے، اساتذہ کی آنکھوں کا تارا اور طلباء کی نگاہوں کا سہارا تھے، ایک مرتبہ سکول میں ایک تقریب ہوئی۔ سب نے بڑے شوق سے تصویریں اتروائیں لیکن آپ نے اپنا چہرہ کپڑے سے ڈھانپ لیا، یہ شیخ کریم کی نظر رحمت کا اثر تھا کہ خلاق ازل نے اس گوہر شب دار کو زمانے کی تند و تیز آندھیوں سے محفوظ فرمایا۔آپ بچپن سے ہی عشق مصطفےٰ کے جذبوں سے سرشار تھے، خود رقمطراز ہیں

''یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اپنا پہلا اردو شعر جو اس عاجز کی زبان سے نکلا، وہ بھی نعت شریف ہی کا تھا، یعنی ۔

توقیر جس نے کی ہے خدا کے حبیب کی
مولا نے اس کو جنت اعلیٰ نصیب کی

میں اس وقت چھٹی جماعت میں تھا۔ دوسرے مصرعے کی زبان ہی سے یہ بات ظاہر ہے، میرے والد صاحب اکثر درج ذیل شعر پڑھا کرتے تھے ۔

تعظیم جس نے کی ہے محمد کے نام کی
مولا نے اس پہ آتش دوزخ حرام کی

میرا شعر اس کی تبدیل شدہ صورت تھی'' (اوج نعت نمبر ص ۶۰۸)

حضرت مفکرِ اسلام، حضور نقش لاثانی قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے یہ اہتمام بھی آپ کے والد گرامی علیہ الرحمہ نے کیا تھا، میٹرک کے بعد آپ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں داخل ہوئے تو شیخ کریم کی نسبت سے رہائشی مسائل نے ستایا نہ تعلیمی مشکلات نے دبایا۔ آپ نے خوب محنت فرمائی، ۱۹۵۸ء میں ایف۔اے کا نتیجہ آیا تو پورے لاہور بورڈ میں جو اس وقت کراچی کے سوا تقریباً سارے مغربی پاکستان پر محیط تھا، ایک نمبر سے سیکنڈ آئے۔ کالج کی آزاد فضا میں بہت سے فکری و عملی طوفان سامنے نمودار ہوئے مگر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت یہ تھی کہ جذبۂ عشق کے صدقے آپ کی شمع ایمان روشن رہی۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

ہجوم غم میں بھی آسی کو ہم نے مطمئن پایا
کہ اس کو شیخ کامل کی دعاؤں پر بھروسا ہے

پیر کامل کے ساتھ آپ کی لازوال محبت کا یہ ثبوت ہے کہ آپ اپنے تمام منظوم کلام کے مقطع میں ان کی عنایت وحمایت کا ضرور ذکر فرماتے ہیں، اس کی چند مثالیں دیکھیے۔

☆ کیا شکر آسی کر سکے شیخ کریم کا
جس نے سکھائی بھیک تیرے پاک نام کی

☆...... مرشد کے در کا کتا بھی ہونا نہیں ہے سہل
آسی یہ تیرا دعویٰ فقط خود ستائی ہے

☆...... نقش لاثانی کے صدقے ہم فقیر
آسی متوسل ہیں یار غار کے

☆...... شیخ کامل نے لے کے سائے میں
آسی کیا کر دیا خدا جانے

☆...... آسی یہ سمجھو نظر عنائت ہے شیخ کی
لکھے جو نعت ایسا "ظلوم و جہول" بھی

☆...... آسی ابلنے لگا ، راز اگلنے لگا
جب سے ہوا اس کا شیخ خانہ دل میں مقیم

حضرت مفکر اسلام پروان چڑھتے رہے۔ شیخ کریم کا سایہ ہمہ پایہ اور دراز ہوتا رہا، شفقتوں کے ہزاروں انداز دکھائی دیے، محبتوں کے ہزاروں جہان میسر ہوئے، انہوں نے کیا اپنا بنایا کہ ساری دنیا سے بیگانہ کر دیا، بقول اصغر

نمود جلوۂ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

آپ نے اردو اور اسلامیات میں ماسٹر ڈگریاں حاصل کیں، لاہور ایجوکیشن کالج سے بی۔ایڈ کیا۔ پھر شعبہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ سیالکوٹ اور لاہور کے قیام کے دوران حضرت امام علی الحق علیہ الرحمۃ اور حضرت داتا صاحب علی ہجویری علیہ الرحمۃ کے مزارات سے فیوضات حاصل کرتے رہے۔ شکر گڑھ کے دور افتادہ علاقے میں تبلیغی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں، پہلے پہل آپ مختلف ہائی سکولوں میں پڑھاتے رہے۔ اس سلسلے میں بہاولپور کے ایک ہائی سکول نور پور نورنگا میں بھی دو سال پڑھانے کا موقع میسر آیا۔ وہاں فیض الملۃ حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی ادام اللہ ظلہ

،آپ کے خصوصی رفیق تھے۔اس دوران امام اہلسنت حضرت امام سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ سے بھی استفادے کا شرف حاصل ہوا،آپ نے ان کی موجودگی میں حضور پرنور ﷺ کے اسم گرامی ''محمد'' کے معارف بیان کیے تو انہوں نے خوب داد دی،اور فرمایا ''جی چاہتا ہے یہ بیان کرتے جائیں اور میں سنتا جاؤں'' پھر خود بھی اس موضوع پر اپنے مخصوص علمی اور فکری انداز میں اظہار خیال فرمایا۔حضور نقش لاثانی قدس سرہ ہمیشہ آپ پر سایہ گستر رہے

یہ کون ہے جو میرے ساتھ ساتھ چلتا ہے
اندھیری رات ہے سایہ تو ہو نہیں سکتا

۲۷ جولائی ۱۹۸۷ء کا دن آپ کی زندگی میں قیامت خیز دن تھا،جس کے غمناک لمحوں میں وہ غمخوار حیات داغ مفارقت دے گئے،یعنی مرشد کریم وصال فرما گئے۔پھر کیا ہوا

کبھی روئے ، کبھی تجھ کو پکارا
شب فرقت بڑی مشکل سے گزری

حضرت مفکر اسلام جہاں جہاں بھی گئے،اپنے شاگردوں اور دوستوں میں عشق مصطفیٰ کا سرمایہ چھوڑ آئے ،ڈاکٹر ظفر اقبال نوری ہوں یا علامہ نور المصطفےٰ رضوی،مولانا صدیق احمد ضیاء، ہوں یا شفقات احمد مجددی، جناب شجاعت علی مجاہد ، کتنے ہی ایسے قد آور لوگ ہیں ، جو آپ کے چھوڑے ہوئے نقش تمام ہیں،

زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیم
بجھ تو جاؤں گا مگر صبح بھی کر جاؤں گا

آپ نے مختلف علاقوں میں رہ کر کتنے ہی ادارے قائم کئے ،سیالکوٹ میں ایک عرصہ قیام فرمایا۔آپ جناح اسلامیہ کالج میں پروفیسر رہے۔ جہاں سینکڑوں افراد آپ سے مستفیض ہوئے ،وہاں نقش لاثانی سکول اور مکتبہ نقش لاثانی جیسے فعال ادارے بھی آپ کی تحریک کے اہم سنگ میل ہیں ۱۹۹۰ء میں آپ گورنمنٹ کالج شکرگڑھ تشریف لائے تو علاقے کے علمی حلقوں میں

خوشی کی لہر دوڑ گئی،

پھول کھلتے ہیں تو ہم سوچتے ہیں
تیرے آنے کے زمانے آئے

اس عاجز راقم الحروف نے ۱۹۹۱ء کی ایک شام اپنے خال محترم کے ہمراہ آپ کی زیارت کی اور پھر آپ کے دم قدم وابستہ ہوگیا، آپ نے اس ناچیز کو خصوصی نوازشات سے نوازا۔ اور بھی ہزاروں انسان آپ کے دامن کرم سے پیوستہ ہوگئے، اور اپنی زندگی میں ایک انقلاب محسوس کیا، شکرگڑھ قیام کے دوران آپ نے کالج میگزین ''عزم نو'' کا چارج سنبھالا اور اسے واقعی ''عزم نو'' بنادیا، غزلوں، آزاد نظموں، بے باک لطیفوں کا یہ رسالہ دیکھتے ہی دیکھتے سیرت النبی نمبر، قرآن نمبر اور اسلام نمبر کی صورت میں ڈھل گیا، ملک کے عظیم سیاسی، معاشرتی اور مذہبی افراد نے خوب داد تحسین دی۔ بالخصوص حضور نقش لاثانی قدس سرہٗ کے فرزند اکبر اور نائب اکمل حضور نقشۂ نقش لاثانی پیر سید عابد حسین شاہ صاحب قدس سرہٗ نے خصوصی دعاؤں سے نوازا۔ حضرت مفکر اسلام، حضور نقشۂ نقش لاثانی قدس سرہٗ کے بھی ازحد قریب رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی موجودگی میں کئی افراد کو حضرت مفکر اسلام کی بیعت کروایا۔

بر کریماں کار ہا دشوار نیست

شیخ کی عنایات:

حضور نقش لاثانی قدس سرہٗ نے اپنی حیات ظاہری کے آخری دورانیے میں بزم لاثانی پاکستان اور اس کے تحت ماہنامہ انوار لاثانی اور دارالعلوم انوار لاثانی کا اجراء فرمایا اور ان اداروں کی نظامت اعلیٰ حضرت مفکر اسلام کے سپرد فرمائی، یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا، جو شیخ کریم کی بارگاہ کرم سے حاصل ہوا تھا۔ آج بھی آپ بزم لاثانی کے ناظم اعلیٰ ہیں اور انوار لاثانی کے مدیر معاون ہیں، دربار شریف سے ایک اور اعزاز یہ بھی نصیب ہوا کہ شیخ کریم نے آپ سے حضور شاہ لاثانی قدس سرہٗ کی سوانح حیات ''انوار لاثانی'' کے نام سے قلمبند کروائی۔ یہ کتاب علم وعرفان کا بیش بہا

خزانہ ہے، پھر یہ بھی شیخ کریم کی عطا ہے کہ آپ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ لاثانیہ میں اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا اور اشاعت سلسلہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس دن سے لے کر آج تک شیخ کریم کے بخشے ہوئے خطوط پر خود بھی چل رہے ہیں اور اوروں کو بھی چلا رہے ہیں۔

نقش لاثانی نگر میں قیام:

جب آپ ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو محلہ فیصل ٹاؤن کو نقش لاثانی نگر بنا کر وہاں رہائش اختیار فرمائی۔ ساتھ ساتھ تحریک شیران اسلام اور مجلۃ الحقیقہ کا اجراء فرمایا جو کہ تاریخ اہل سنت میں ایک اہم اقدام ہے، الحمدللہ تحریک اور مجلۃ الحقیقہ نے دور دور تک جو اثرات مرتب کئے ہیں ان پر پھر کبھی قلم اٹھایا جائے گا ۔

کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اوصاف و کمالات:

اللہ کریم اپنے محبوب کریم ﷺ کے عشاق کرام کو بے شمار صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ فرماتا ہے، یہ درد دل بھی اسی قسام ازل کی عنایت ہے اور اس کے ہوش ربا انداز بھی اسی فعال حقیقی کا عطیہ ہیں، یہ اس محبوب کی محبت کا اثر ہے کہ جسے دیکھا جائے، وہ زمانے سے بے مثال نظر آتا ہے،

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اسی محبت کے نور عالم افروز نے حضرت مفکر اسلام کے کردار و افکار کو بھی تابناک بنا دیا ہے، آپ علم و فضل کے اعتبار سے خواص و عوام کا مرجع آبرو ہیں، فکر و عرفان کے حوالے سے اہل نظر کا قبلہ آرزو ہیں، شعر و سخن کے میدان میں مانے ہوئے شہسوار ہیں، آپ کے اشعار بلند فکری، نازک خیالی، صحت لفظی اور محاسن شعری کا حسین امتزاج ہوتے ہیں تو مقالات میں تحقیق و تہذیب کے اعلیٰ نمونے دیدہ و دل کو دعوت نظارہ فراہم کرتے ہیں، آپ کے زہد و تقویٰ میں اسلاف کا رنگ جھلکتا

ہے، سخاوت میں بہتا ہوا جھرنا ہیں، کسی بزرگ دین کا قول ہے کہ'' مومن کو سورج کی طرح شفیق، دریا کی طرح رفیق اور سمندر کی طرح عمیق ہونا چاہئے'' یہ قول آپ کی سیرت میں بدرجہ اتم جلوہ ریز ہے، آپ اعتقادی و عملی صورت میں اہل سنت و جماعت کا قابل فخر سرمایہ ہیں ۔آپ غیرت عشق مصطفےٰ کے عظیم تقاضوں پر عمل پیرا ہیں ۔آپ زمرۂ لا یحزنون میں داخل ہے، اعلائے کلمۃ الحق کیلئے کسی کی پروانہیں کرتے ، اس کی دلیل مجلۃ الحقیقہ کے اداریوں میں دیکھی جاسکتی ہے، آپ کی حیات کا ایک ایک لمحہ استقامت کی تصویر ہے، ایک دیرینہ ساتھی نے بتایا کہ'' آج سے تیس سال پہلے بھی آپ کی زندگی بالکل ایسی تھی، جیسی آج ہے ۔ ذرہ بھر تبدیلی نہیں آئی'' آپ عقیدۂ توحید کے احسانات اور عشق رسول کے اثرات سے مالا مال ہیں، فرماتے ہیں ۔

نور جہاں فروز ہے توحید بالیقیں
عشق رسول قلب و نظر کی صفائی ہے

حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صورت سے بھی خوب مزین ہیں، میانہ قد ، روشن آنکھیں، پرنور چہرہ، سفید ریش، سفید لباس، لاثانی ٹوپی، نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو ۔

تیرے بدن کا ہر جز ، اک شعر خوبصورت
لیکن یہ تیری آنکھیں پورا کلام جیسے

جی تو چاہتا ہے کہ آپ کے ذوق شعر اور وفور عشق پر کھل کر لکھا جائے ۔آپ کے سفر حرمین کی وارفتگیوں کو قلم بند کیا جائے ۔آپ کے سفر بارگاہِ مجدد کی محبتوں کا تذکرہ چھیڑا جائے ، آپ کی تصانیف و مقالات پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے ۔لیکن کیا کیا جائے ، اس کتاب نما کا دامن بہت تنگ ہے، محبتوں کے یہ بیش بہا خزانے چند لفظوں میں نہیں سما سکتے ویسے ۔

حسنِ کامل بے نیاز از منت مشاطگاں
کاملاں را احتیاجِ جبہ و دستار نیست

بس خدائے بزرگ و برتر کے حضور یہی التجا ہے کہ اپنے محبوب اعظم و آخر ﷺ کے طفیل

حضرت مفکر اسلام کی مساعی جمیلہ کو مشکور فرمائے، اور ہم جیسے کم مایہ انسانوں کو بھی آپ کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خامہ بشکستیم ولب بستیم از تعریف دوست
کیں نہ در تحریر ما گنجد نہ در تقریر ما

غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے
شکرگڑھ

۱۴ جنوری بروز بدھ ۲۰۰۴ء

حرفِ عقیدت

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری

﴿ڈائریکٹر اسلامک فاؤنڈیشن امریکہ﴾

توحیدِ باری تعالیٰ کا مسئلہ اسلام کا اساسی مسئلہ ہے۔اس پر امتِ مسلمہ میں کبھی بھی اختلاف نہیں ہوا۔اور ہو بھی کیسے سکتا تھا کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضاحت فرمادی تھی کہ یہ امت شرک میں مبتلا نہیں ہوگی، ہمارے عہد کا المیہ یہ ہے کہ بعض گمراہ فرقے اتحاد کے نام پر انتشار پھیلاتے ہیں۔قرآن کی دعوت کے پردے میں سنت صاحبِ قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گریز سکھاتے ہیں۔عظمت صحابہ کے تذکرے میں اہل بیت کی تردید کو لازم جانتے ہیں اور اہل بیت کی محبت میں عظمت صحابہ کا انکار کرتے ہیں، سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ توحید خدا کی آڑ میں محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی توہین جیسے ایمان سوز گناہ کا شکار ہوتے ہیں۔قاعدہ تو یہ ہے کہ محبوب خود بھی محبوب ہوتا ہے اور اس سے منسوب ہر شے ہر ذات بھی محبوب ٹھہرتی ہے، لیکن ہمارے عہد میں عقل وشعور اور ایمان وادب سے عاری ایسے محبانِ خدا پیدا ہو گئے ہیں جنہیں خدا کے ہر محبوب سے عداوت ہے۔

حالانکہ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ خود شاہِ محبوباں سرورِ رسولاں فخر خوباں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے۔

﴿قل ان کنتم تحبون الله فا تبعونی یحببکم الله﴾

یعنی کسی بھی محبِ خدا کا دعویٰ محبت خدا، رب کی بارگاہ میں قبول ہی نہیں ہوتا جب تک اس کے گلے میں غلامی مصطفیٰ ﷺ کا پٹہ نظر نہیں آتا، اگر محبِ خدا غلامی مصطفیٰ ﷺ اختیار کر لے تو نہ صرف اس کا دعویٰ محبتِ خدا قبول ہو جاتا ہے بلکہ خدائے بزرگ و برتر اپنے محبوب کریم ﷺ کی برکت سے اسے بھی اپنا محبوب بنالیتا ہے۔

اسلام کی پوری تاریخ نسبتوں کے احترام اور محبوبانِ خدا سے محبت وعقیدت کی تاریخ ہے۔صحابہ کرام علیہم الرضوان نے محبوبِ خدا ﷺ سے عشق وعقیدت اور عزت وتوقیر کا جو عدیم المثال اظہار کیا انسانی تاریخ میں رہنماؤں اور پیشواؤں سے ان کے پیروکاروں کی محبت اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔اصحاب رسول سے بعد کے بزرگانِ دین نے جس طرح محبت فرمائی وہ کسی رہنما کے نام لیواؤں کو میسر نہ آسکی۔اسلام کی ترویج واشاعت میں بلاشبہ اسلام کی حقانیت کو بھی دخل ہے۔لیکن اس حقانیت اور صداقت کی دلیل اول اور برھان کامل ذات رسول ﷺ ہی ہے۔ان کے بعد ہر دور میں علماءِ ربانیین اور صوفیاء کاملین کی روشن کردار شخصیات تھیں جو اسلام کی حقانیت کی دلیل بن کرانسانوں کے اذہان وقلوب مسخر کرتی رہیں۔اگر کوئی دانستہ یا نادانستہ اسلام کی ان عظیم شخصیات کی عظمت کو دھندلانے کی ناپاک کوشش کرتا ہے تو اس کا ہدف صرف وہ ستودہ صفات شخصیات ہی نہیں ہوتیں بلکہ خود اسلام کی حقانیت پرحرف آتا ہے۔لہذا ہمارے عہد کے وہ سب ادارے، تنظیمیں، جماعتیں اور نام نہاد علماءِ سو جو اسلام کی مسلمہ شخصیات اور ائمہ دین سے مسلمانوں کا رشتہ توڑنا چاہتے ہیں وہ اسلام سے ان کا تعلق کمزور کرنا چاہتے ہیں، گویا مسلمانوں کے دماغوں میں شک کے کانٹے بوکر خود اسلام ہی کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔عصر حاضر کے اس فتنہ کی سرکوبی اور ضلالت کی بیخ کنی کیلئے ضرورت تھی اہل حق کی صفوں سے ایسے رجال کار نکلیں جو گمراہی کی بزدل سپاہ کیخلاف برسرپیکار ہوں۔ان کو شکست دے کر ظلمتوں کو دیس نکالا بھی دیں اور فتنوں کا شکار کم ہمت مسلمانوں کے شکوک وشبہات دور کر کے انہیں عزم ویقین کی دولت سے مالا مال کریں۔بطل حریت، فخر عزیمت، کشتۂ عشقِ رسول پروردۂ نگاہ لاثانی، مفکر اسلام حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی دامت برکاتہم القدسیہ ایسے ہی رجل عظیم ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے فتنوں کی سرکوبی کیلئے منتخب فرمالیا ہے۔آپ کی پوری زندگی اشاعت اسلام اور دفاع محبوبانِ خدا کے لئے وقف ہے۔اپنے شیخ کریم حضور نقش لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ فیض سے آپ نے بیشمار بھٹکے ہوؤں کو حق کی راہ دکھائی ہے

حضرت آسی کی صحبت میں رہنے والے عشق محبوب خدا ﷺ اور عقیدت اولیاء سے محروم نہیں رہ سکتے۔آپ نے فتنوں کے سدباب کیلئے ایک نہایت سنجیدہ اور وقیع جریدہ 'الحقیقہ' جاری فرمایا ہے۔ جوفی الحقیقت فروغ عشق رسول اور دفاع محبوبان خدا کی موثر تحریک ہے۔

آپ کا برق بار قلم شاتمانِ رسول اور گستاخانِ اولیاء پر بجلیاں گراتا اور اہل محبت کے حوصلے بڑھاتا ہے۔آپ کے دلائل کے سامنے مخالفین کا دیا نہیں جل سکتا،آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا مخالفین کو خاموش کرادیا،'ماہنامہ الحقیقہ' میں ''توحیداور محبوبانِ خدا کے کمالات'' کے عنوان سے آپ قسط وار ایک مضمون رقم فرمارہے تھے، یہ امر باعث صد مسرت ہے کہ اب ان تمام اقساط کو کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔اس تحریر کی رفعت شان اور تاثیر تسخیر کے بارے میں کچھ عرض کرنے کا مجھے یارا نہیں۔محض حصول برکت اور اظہار عقیدت کیلئے یہ چند حروف لکھ رہا ہوں، دعا ہے کہ اللہ کریم بطفیل مصطفیٰ ﷺ اس جلیل القدر کتاب کی برکت سے ملت کو عہد حاضر کے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری

ڈائریکٹر اسلامک فاؤنڈیشن امریکہ

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
1
صفحہ نمبر 39
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہوتو کیا کہیے

توحید کا مختصر مفہوم:

توحید اسلام کا اولین عقیدہ ہے۔اس کی رو سے ساری کائنات کا خالق اور مالکِ حقیقی ایک اللہ (تبارک وتعالیٰ) ہے۔نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے نہ صفات میں، نہ اسماء میں اور نہ افعال واوامر میں۔سب مخلوق ہر حال میں ہر وقت اسی کے لطف وکرم کی محتاج ہے۔وہ سب پر غالب ہے اور جو چاہے جب چاہے کرے، کوئی اس کے ارادے کو ٹال نہیں سکتا۔اس کے مقابلے کی کسی میں تاب نہیں اور جس کے پاس بھی جو تھوڑی یا بہت طاقت ہے، اسی کی دی ہوئی ہے۔رازق وہی ہے جسے جتنا رزق چاہے بخشے۔عزت وذلت اسی کے قبضہ واختیار میں ہے۔ کوئی اس کے آگے دم نہیں مار سکتا۔موت وحیات کا خالق بھی وہی ہے۔اگر وہ مارنا چاہے تو کوئی بچا نہیں سکتا اور اگر بچانا چاہے تو کوئی مار نہیں سکتا۔بڑا دراصل وہی ہے جس کو اس نے بڑائی دی۔اپنے ان غیر محدود کمالاتِ قدرت کی بنا پر وہی معبود برحق ہے۔اس کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔وہی ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے، حادث ہے یعنی پہلے نہ تھا، اس کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا۔

وہ رحمٰن ورحیم ہے یعنی عام مخلوق پر اس کے عام احسانات ہیں اور خواص پر خاص۔غرض کوئی فرد بھی ایسا نہیں جو اس کی رحمت کا محتاج نہ ہو۔وہ سب کی حاجات جانتا ہے بلکہ انہیں پیدا کرنے والا ہے اور انہیں پورا فرماتا ہے۔وہ حکیم ہے اور اس کے ہر کام میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں خواہ ہم سمجھ سکیں یا نہیں۔اسی

نے اپنی حکمت سے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کا سبب ٹھہرایا۔ آگ کو گرمی پہنچانے اور پانی کو سردی پہنچانے کا سبب بنایا۔ آنکھ کو دیکھنے کیلئے اور کان کو سننے کیلئے [illegible]ے بنایا۔ اگر وہ چاہے تو آگ سردی اور پانی گرمی دے، آنکھ سنے اور کان دیکھے۔

وہ قدیم ہے، باقی سب حادث! وہ واجب الوجود ہے باقی سب ممکن الوجود، وہ غنی ہے، باقی سب محتاج۔ اس کی لامحدود قدرت کے لامحدود پہلو ہیں اور ہر پہلو لامحدود۔ وہ جسم و تجسم اور صورت و تصور سے بالاتر ہے۔ اس لئے اٹھنا بیٹھنا، رہنا سہنا، چلنا پھرنا، مکان و مکانیت، جہت وغیرہ اس کیلئے محال ہے۔ اس جیسا کوئی اور ہو نہیں سکتا اور وہ ہر اعتبار سے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ 'یعنی' اس جیسی کوئی شے نہیں' کا مصداق ہے۔ اسے عقل محدود، علم ناقص اور فکر سے کیوں کر جانا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے خالق کی تلاش کے فطری جذبے کے باوجود انسان نے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائیں اور جب اسے سچے خدا کی پہچان نہ ہو سکی تو کبھی اس نے چاند سورج اور ستاروں کو خدا قرار دے لیا اور کبھی پہاڑوں کی بلندی، دریاؤں کی روانی اور درختوں کے قد و قامت سے مرعوب ہو کر انہیں معبود سمجھ لیا۔ کبھی وہ گائے کا پجاری بن گیا اور کبھی کسی اژدھا سے ڈر کر اُسے اللہ ماننے لگا۔ تاریخ گواہ ہے کہ پہلے کبھی 'انسان' نے جب دیکھا کہ حیوانات، نباتات اور جمادات کو بھی خدا مانا گیا، تو اشرف المخلوق ہوتے ہوئے وہ کسی سے کیوں پیچھے رہتا اس نے بھی خدائی کا دعویٰ کر دیا اور پھر اپنے لاؤ لشکر کے ذریعے خود کو منوایا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ وہ ان میں سے کسی کی خدائی سے مطمئن نہ ہوا تو پھر خدا کے عقیدے سے ہی باغی ہو گیا اور اعلان کر دیا کہ خدا تو کوئی نہیں البتہ دہر ہے جو سب کچھ کرتا ہے۔ گویا انکار

کے باوجود اس نے دہر کو خدائی کے مرتبے پر فائز کر دیا۔ بقول حالی

دہری نے کیا دہر سے تجھ کو تعبیر
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

توحید اور نبوت:

دیکھئے توحید کیا ہے اور عقل نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ حق یہی ہے کہ عقل اس منزل کا سراغ لگا سکی نہ لگا سکتی ہے۔ عقل کی یہ نارسائی اس کے خالق رحیم و کریم سے پوشیدہ نہیں تھی، چنانچہ اس کی رہنمائی کیلئے اس نے پہلے ہی دن سے سلسلہ نبوت بھی شروع کر دیا تھا۔ عقل بھٹکتی رہی اور انبیاء کرام تشریف لا کر دنیا کو سمجھاتے رہے۔ سنورنے والے سنورتے رہے اور بگڑنے والے بگڑتے رہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام بنی آدم سے تعلق رکھتے تھے اور ظاہر ہے انسان تھے، اگرچہ نورانی۔ اور انسانوں کی اصلاح کیلئے بھی انہیں انسانی شکل میں آنا ضروری تھا۔ ان کی صورت و سیرت کے دلکش جلووں نے سعید روحوں اور سلیم دلوں کو فوراً موہ لیا اور وہ کسی مزید دلیل کے بغیر ہی ان کی نبوت کے قائل ہو گئے۔ البتہ کج نظر، کج فہم اور کج ادا لوگ انہیں اپنے آپ پر قیاس کر کے اپنے جیسا سمجھتے رہے اور سرکشی پر اترتے رہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات اس بات پر شاہد ہیں کہ کافروں نے انبیاء علیہم السلام کا انکار انہیں اپنے جیسا بشر کہہ کر ہی کیا۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کافروں نے کہا

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ

مِّثْلُكُمْ (المومنون۔۲۴)

ترجمہ: تو اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا، بولے، یہ
تو نہیں مگر تم جیسا آدمی۔ (کنزالایمان)

معجزہ: ظاہر ہے اپنے جیسی شکل وصورت دیکھ کر انہیں یہی دھوکا ہونا تھا۔ رب اکرم واکبر نے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنے کیلئے انہیں مخصوص قوتوں سے نوازا۔ انہیں مخصوص قوتوں کا نام 'معجزہ' رکھا گیا اس کا معنی ہے (دوسروں کو) عاجز کردینے والی قوت۔ قرآن نے اسے 'آیۃ' سے تعبیر کیا یعنی نشانی۔ معجزہ گویا نبوت کی صداقت کا نشان تھا جس سے پوری طرح واضح ہوجاتا تھا اور انصاف پسند لوگ جان لیتے تھے کہ شکل وصورت میں دوسرے انسانوں سے مشابہ ہونے کے باوجود نبی دوسروں کی طرح نہیں بلکہ ان سے بہت اونچے مرتبے پر فائز ہے۔ چنانچہ وہ ایمان لے آتے اور نبی کے وسیلے سے وہ خدا تک بھی پہنچ جاتے۔ نبی کو اپنے جیسا ماننے والے جب منہ مانگا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے تو عذاب الٰہی آتا اور ان کے وجود سے صفحۂ ہستی کو پاک کردیا جاتا۔ گویا نبی کے معجزے نے حق واضح کردیا تھا کہ نبی اوروں جیسا نہیں، اب ان کا نہ ماننا غلط فہمی کی بنا پر نہیں بلکہ ضد و مکابرہ کی وجہ سے تھا لہٰذا اب یہ اس قابل نہیں کہ خدا کی زمین پر آرام وسکون سے رہ سکیں۔ ان کا مٹنا اور ذلت سے تباہ وبرباد ہونا ہی بہتر تھا۔ معجزات دیکھ کر بھی نہ ماننے کی وجہ سے تباہ وبرباد ہونے کا اجتماعی سلسلہ ہمارے نبی محترم نبی آخرالزماں ﷺ کے دورِ بعثت سے پہلے ہی ختم کردیا گیا اس لئے کہ حضور رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ تھے اور رحمت ہونے کا تقاضا تھا کہ کسی گروہ کو گذشتہ عذابوں سے دوچار نہ ہونے دیا جائے۔ اللہ کی آخری کتاب نے دوٹوک اعلان کردیا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط (الانفال۔۳۳)

ترجمہ: اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

حضور پرنور ﷺ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ معجزات عطا ہوئے، اس لئے کہ ایک تو آپ کا دائرہ رسالت عرش وفرش اور ان میں اور ان کے درمیان بسنے والی ساری مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے (یعنی آپ کسی ایک علاقے یا قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ خدا جس جس کا بھی رب ہے، حضور انور ﷺ اس کے لئے رسول ہیں) دوسرے اس لیے کہ آپ کی رسالت ہمیشہ تک کیلئے ہے۔ آپ کی کتاب اور شریعت منسوخ ہونے والی نہیں۔ معجزہ اپنے اپنے دور میں نبی کی مخصوص وممتاز قوت کی دلیل ہونے کی بنا پر نبی کی صداقت بلکہ اس کو بھیجنے والے سچے خدا کی صداقت کی دلیل بنتا رہا ہے تو سوچئے حضور پرنور ﷺ جو سراپا معجزہ بن کر آئے اپنی یکتا قوتوں اور وہ اپنے بھیجنے والے سچے خدا کے کمالاتِ قدرت کی کس حد تک دلیل و برہان ہوں گے۔ اسی لئے خدائے یکتا نے اپنے حبیب یکتا ﷺ کی شان میں دنیا بھر کے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ○ (النساء:۱۷۴)

ترجمہ: اے لوگو! بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا۔

(کنزالایمان)

معجزہ جیسا کہ اوپر تصریح ہوئی نبی کی مخصوص و بے مثال قوت کی دلیل اور یوں ان کے بھیجنے والے سچے خدا کی سچائی اور یکتائی کی دلیل بنتا رہا۔ تو گویا جو معجزہ جتنا بڑا اور محیر العقول ہوا اتنا ہی زیادہ خدا کی توحید کی دلیل بنا۔ مختصر یہ کہ خدا کا عرفان نبی کے عرفان پر منحصر ہے اور نبی کے عرفان کا اہم ذریعہ معجزہ ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے نبی کے معجزے کو تسلیم کیا، وہ نبی کو نبی مان کر سچے خدا کو خدا ماننے پر مجبور ہو گئے۔ گویا نبی کے کمالات نبی کے (معاذ اللہ) خدا ہونے کی دلیل نہیں ہوتے بلکہ نبی کی نبوت کی دلیل ہوتے ہیں۔ اب جو شخص انبیاء کے کمالات پر یقین رکھتا ہے اور انہیں بیان کرتا ہے، خدا کی بے پناہ قوتوں کو صدق دل سے مانتا ہے اور کمالاتِ نبوت اس کیلئے دلائل توحید بن جاتے ہیں۔ یاد رہے، سچے خدا کا عرفان نہ فلسفیانہ دلائل سے ہوتا ہے نہ سائنسی مشاہدات سے بلکہ اس کا سب سے بڑا ذریعہ نبوت اور اس کے کمالات ہیں۔

یہ ایک چمکتی ہوئی حقیقت ہے کہ حضور پرنور ﷺ کی ظاہری زندگی میں آپ کی زیارت سے مشرف ہونے والا مومن اس مقام پر فائز ہوتا ہے کہ بعد میں آنے والے تمام مومن مل کر بھی اس مرتبے تک نہیں پہنچتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضور ﷺ کی زیارت سے جو عرفان الٰہی میسر آ سکتا ہے اس کا کروڑواں حصہ بھی کسی عبادت و ریاضت سے میسر نہیں آ سکتا۔

آخری امت:

حضور پرنور ﷺ پر سلسلۂ نبوت ختم ہوا تو آپ کے وصال کے بعد تبلیغ و تذکیر کا کام آپ کی امت کے سپرد ہوا اور پھر جو جو شخص آپ ﷺ کی اطاعت میں جس جس حد تک سرگرم ہوا، خدا نے اسے بھی مخصوص طاقتوں سے نوازا۔ ان مخصوص

طاقتوں کا تعلق اولیاء اور دین حق کے مبلغین سے رہا، لہٰذا انہیں کرامات یا تصرفات کا نام دیا جاتا رہا۔ کرامات یا محبوبان خدا کے ان تصرفات کا آغاز اسی امت سے نہیں ہوا، یہ تو آخری امت ہے بلکہ ہر دور میں انبیائے کرام علیہم السلام کے نائبوں پر رحمتِ خداوندی کی یہ بارش ہوتی رہی اور وہ کرامات سے نوازے جاتے رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ پہلے ادوار میں یہ باکمال وباکرامت لوگ بہت کم تعداد میں تھے اور آخری وعظیم ترین امت میں اہل کمال کی تعداد پہلے کی نسبت بہت ہی زیادہ ہے کیونکہ اب آخری نبی ﷺ کے وصال کے بعد سارا نظام تبلیغ وتذکیر انہیں کے ذمے ہے۔

جس طرح نبی کا معجزہ اس کی اپنی نبوت اور خدا کی توحید کی دلیل بنتا رہا یونہی ولی کی کرامت اس کی اپنی ولایت کی دلیل اور اس کے نبی کی نبوت کی دلیل ہوتی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کرامات الاولیاء معجزات الانبیاء (کتب عقائد) اور جب یہ کراماتِ اولیا معجزات الانبیاء ہیں تو گویا یہ دلائل توحید ونبوت بن جاتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں جہاں معجزات انبیاء کا ذکر ہے وہاں کراماتِ اولیاء کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

چنانچہ قرآن پاک نے سورۃ النمل میں تختِ بلقیس کو ایک ملک سے دوسرے ملک لانے کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ملکہ بلقیس حاضر ہورہی ہیں۔ آپ کا منشا یہ ہے کہ ان کے آنے سے پہلے پہلے ان (ملکہ) کا تخت یہاں پہنچ جائے۔ آپ کے دربار میں جن بھی تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ آپ کے کچہری برخاست کرنے سے پہلے میں تخت لے آؤں گا۔ آپ نے منظور نہ فرمایا تو

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ۔ (النمل۔۴۰)

ترجمہ :اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کے حضور میں حاضر کروں گا آپ کے پلک جھپکانے سے پہلے۔

چنانچہ واقعی آنکھ جھپکنے سے پہلے وہ مردِ خدا جنھیں مفسرین نے آصف بن برخیا کہا ہے تخت لے آیا اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے جذبات تشکر ملاحظہ ہوں۔اسی آیت کے اگلے الفاظ..........

فَلَمَّا رَاٰہُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَہٗ قَالَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَ اَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ۔ وَمَنْ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ (سورۃ النمل ۴۰)

ترجمہ: پھر جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا، کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے۔ (کنزالایمان)

دیکھا اپنی امت کے ولی کی کرامت سے نبی علیہ السلام خوش ہوتے ہیں۔کیوں نہ ہوں یہ نبی کی صداقت کی دلیل اور نبی پر اترنے والی کتاب کی صداقت کی دلیل ہے۔اصل میں یہ اللہ کریم کا احسان بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندے کو کرامت سے نواز کر گویا اس کی مقبولیت اور معرفتِ خداوندی کا اعلان کرتا

ہے۔ اگر انصاف سے غور کریں تو قرآن حکیم میں انبیائے سابقین علیہم السلام کے معجزات وکمالات اس لئے بھی مذکور ہوئے ہیں کہ آخری امت کے لوگ سیدالانبیاء علیہم السلام کے معجزات وکمالات کو سمجھ سکیں اور جان لیں کہ ایک بستی، ایک علاقے، ایک قبیلے اور ایک قوم کے نبی کو ایسے معجزات وکمالات دیئے گئے ہیں تو وہ حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جن کا دائرہ نبوت ورسالت زمان ومکاں کی تمام وسعتوں کو محیط ہے، ان کے کمالات ومعجزات کا کیا حال ہونا چاہئے اور یہ بھی ان کے پیش نظر رہے کہ جب پہلے انبیاء ومرسلین کے معجزات کا انکار کرنے سے لوگ عذابِ خداوندی کا شکار ہوتے رہے تو سیدالانبیاء وامام المرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات ومعجزات کا انکار کرنے والے بھی لعنت کے مستحق ہو جائیں گے۔

یونہی قرآن پاک میں مختلف اولیائے سابقین کی کرامتوں کا ذکر اس لئے بھی کیا گیا تا کہ جاننے والے جان لیں کہ نبوت تو محض خداداد ہوتی ہے۔ اس میں کسب وجد وجہد کا دخل نہیں ہوتا، تاہم نبی نہ ہوکر بھی نبی کے وسیلے سے خدا کو راضی کر کے انسان کن بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اگر پہلی امتوں کے ولیوں کو ایسے کمالات مل سکتے ہیں تو آخری اور بہترین امت کے اولیاء کی کرامات کا اندازہ اور وسعت کیسی ہونی چاہئے۔

اولیاءاللہ کی کرامات کا عقیدہ:

یادر ہے کہ کرامات اور اولیاء کے تصرفات کا عقیدہ، جیسا کہ حافظ سعید امیر بے ضمیر مرکزی لشکر طیبہ کو وہم ہے، مشرکین مکہ اور ہندو مذہب سے نہیں لیا گیا۔ بلکہ قرآن پاک سے لیا گیا ہے قرآن کا اعلان سنئے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ط (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ کرامت (وعزت) والا ہے وہ جو تم میں زیادہ متقی ہے۔

قرآن پاک ہی کی رو سے اولیاء اللہ سب متقی ہیں۔

اِن اَوْلِیَاءُ ہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ...... (الانفال۔۳۴)

اس کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں...... (کنزالایمان)

اور دوسرے مقام پر ان کی شان میں فرمایا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ O

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَO (یونس۔۶۱،۶۲)

ترجمہ: سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔

(کنزالایمان)

تو جو ولی ہے، متقی ہے اور جو متقی ہے اپنے مرتبے کے مطابق صاحب کرامت ہے۔

خلافتِ الٰہیہ:

تصرف کی بنیاد انسان کے مقامِ خلافت پر ہے اور شاید یہ اسلام کا انسان کے حق میں عظیم ترین احسان ہے کہ وہ اسے اللہ کا نائب قرار دیتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے مالک اور اپنے منصب کو پہچانے۔ بقول اقبال علیہ الرحمۃ

اپنے مالک کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک

اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

گویا بندہ اپنے رب کا اطاعت گزار ہو تو وہ اس کی اطاعت کے درجے

کے مطابق اسے اپنی نیابت کا منصب عطا فرما دیتا ہے۔قرآن پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت سے نوازنے کا جو واقعہ مذکور ہے اس کے ثمرات انہیں کی ذات تک محدود نہیں بلکہ ان کی اولاد میں جو وفادار رہیں گے، اپنی اپنی شان کے لائق اس منصب پر فائز رہیں گے۔یعنی خدا کے خلیفہ ہوں گے۔(دیکھئے تفسیر عزیزی وغیرہ)

کرامت چونکہ دربار خدا میں مرد کامل کی مقبولیت کی دلیل ہوتی ہے، لہٰذا اس کا اس کے بس میں ہونا ضروری نہیں ۔ چنانچہ قرآن پاک میں مذکور ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے حجرے میں بے موسمی پھل آتے تھے۔ظاہر ہے پھلوں کے آنے میں ان کے اپنے ارادے کا کوئی عمل دخل نہیں تھا، بلکہ ان کی مقبولیت و عظمت کا اعلان ہی مقصود تھا اور وہ بھی اس لئے کہ انہیں عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر شوہر کے جننا تھا۔ ایسی کرامات سے عوام وخواص کے ذہن میں یہ تصور جما دیا گیا کہ مریم علیہا السلام کا کردار اتنا بلند ہے کہ وہ مقبول بارگاہ ہو چکی ہیں اور ان سے کسی نازیبا فعل کا کسی کو خدشہ نہیں ہونا چاہئے۔اللہ کے نبی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی ولادت با سعادت ہو چکی تو اب انہیں تصرفات سے نوازا گیا۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام دردِ زہ کے وقت بیٹھی تھیں، وہاں کھجور کے ایک گھنے درخت کا خشک ٹنڈ تھا۔حضرت مریم علیہا السلام کو حکم ہوا

وَهُزِّيْ اِلَيْكَ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ (مریم۔۲۵)

ترجمہ: اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا، تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی۔(کنزالایمان)

چونکہ جڑ ہلانا اپنے بس میں تھا، اس ہلانے میں یہ برکت دی گئی کہ تازہ پکی کھجوریں اس درخت سے گریں۔

جو محض ایک ٹنڈ تھا لہٰذا یہ تصرف ہوا۔ گویا یہ اختیار مل گیا کہ ٹنڈ ہلاؤ کھجوریں کھاؤ۔ معجزہ اور کرامت دیکھ کر عقیدۂ توحید ایسا مضبوط ہو جاتا ہے اور دل کو ایسا اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ باید و شاید۔ خود اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی۔

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط

ترجمہ: اے رب میرے، مجھے دکھا دے تو کیوں کر مردے جلائے گا۔

فرمایا!

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط

ترجمہ: کیا تجھے یقین نہیں۔

عرض کیا!

بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ط (البقرہ۔۲۶۰)

ترجمہ: کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔

چنانچہ رب قدیر و کریم نے اپنے خلیل کے عرض کرنے پر مردے زندہ کر کے دکھا دیئے اور انہیں اطمینانِ قلب مل گیا۔ جب خود نبی کو کامل ترین ایمان کے باوجود اطمینان قلب کیلئے معجزہ دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو دوسروں کو کیوں ضرورت نہ ہوگی۔

لہٰذا معجزات ہوں یا کرامات، ان سے ایمان و عرفان و اطمینان کی جو منزلیں طے ہوتی ہیں کسی اور ذریعے سے نہیں ہوتیں۔ اسی لئے منکرین اولیاء لاکھ

توحید توحید پکارتے رہیں، انہیں توحید پر وہ ایمان حاصل نہیں ہوسکتا جو اللہ والوں کے غلاموں کو ہوتا ہے کیونکہ اس دور میں بھی کرامات وتصرفات کا سلسلہ جاری ہے اور وہ اس لئے کہ قرآن وسنت پر عمل کرنے والے آج بھی موجود ہیں (اگر چہ کم ہی سہی) اور قرآن وسنت پر عمل کرنے والوں سے جو وعدے کئے گئے ہیں، ان کا آج بھی پورا ہونا ضروری ہے۔

اب بھی سب کچھ ہے محبت کے خریداروں کو
حسن یوسف بھی ہے اور مصر کا بازار بھی ہے

معجزات کے منکرین:

معجزات کا انکار پہلے ادوار میں جنھوں نے کیا وہ تو مرمٹ گئے۔ آج ان کا انکار کھلے کافروں کے علاوہ زیادہ تر اہل قرآن کرتے ہیں جو وہابیوں کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اور غور کریں تو ان کے انکار کی وجہ خدا کی ذات پر ان کے ایمان کا پختہ نہ ہونا ہے۔ قرآن پاک میں جو معجزات مذکور ہوئے ہیں یہ ان کی توجیہہ کرتے ہیں۔ یعنی کھلم کھلا قرآن پاک کا انکار تو کسی مصلحت سے نہیں کر سکتے، آخر اہل قرآن جو کہلاتے ہیں، البتہ لفظوں کے ہیر پھیر سے یہ واقعے کو کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں اور حقیقت یہی ہے کہ خدا کو قادر مطلق نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک جو قانون خدا نے مقرر کر دیئے ہیں اُن کو وہ خود بھی بدل نہیں سکتا۔ حالانکہ اپنے اسی طرز فکر پر غور کرتے تو انھیں سراغ منزل مل جاتا۔ یعنی اتنا مانتے ہیں کہ خدا نے قانون بنایا ہے، اگر واقعی خدا نے بنایا ہے، تو وہ اسے بدل کیوں نہیں سکتا۔ خدا کا بنانا ہی تو اس کے بدل سکنے کی دلیل ہے اور بدل سکنے ہی سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسی نے یہ قانون بنائے ہیں۔ غرض ان کا خدا کی قدرتِ کاملہ پر ایمان ہی نہیں مثلا

ان کے نزدیک آگ ابراہیم پر ٹھنڈی نہیں ہوئی (اس لئے کہ ان کے نزدیک خدا بھی آگ ٹھنڈی نہیں کرسکتا کیونکہ آگ کا پانی کے بغیر ٹھنڈا ہونا ان کے نزدیک اس کے قانون کے خلاف ہے اور قانون کے آگے معاذ اللہ ان کے نزدیک خدا بھی بے بس ہے) اور پھر قرآن پاک کے الفاظ۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ (الانبیاء :۶۹)

ترجمہ: ہم نے فرمایا اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر (کنزالایمان)

اس سے ان کے نزدیک مراد ہے بغض وحسد کی آگ کا ٹھنڈا ہونا۔

دیکھئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ذریعے اللہ اپنی قدرتِ مطلقہ کا جو جلوہ دکھانا چاہتا ہے، اہل قرآن نے قرآنی الفاظ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی کس بہانے سے اس کا انکار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث کا انکار کر کے بندہ نااہل قرآن تو ہوسکتا ہے، اہل قرآن نہیں۔ کوئی ان سے پوچھے اگر بغض وحسد کی آگ مراد ہے تو کیا اس واقعے کے بعد سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے محبّ ہوگئے تھے۔ کیا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو ہجرت اسی لئے کرنی پڑی تھی کہ ان کے خلاف بغض وحسد کی آگ ٹھنڈی ہوگئی تھی۔

اسی طرح جو لوگ کرامتِ اولیا کا انکار کرتے ہیں وہ بھی دراصل خدا کی قدرت ہی کے منکر ہوتے ہیں۔ اللہ اپنے نبیوں اور ولیوں کے ذریعے اپنی قدرتوں کا اظہار کرتا ہے اور عرفان کے دروازے کھولتا ہے۔ اب جن کو ان محبوبانِ خدا سے بغض ہو، وہ نہ تو خدا کی قدرت پر پورا ایمان رکھ سکتے ہیں اور نہ عرفان سے بہرہ ور ہوسکتے ہیں۔

کرامت، دلیل قدرت:

غیر مسلموں میں سے جو لوگ قوانین قدرت کو نا قابل تبدیل سمجھتے ہیں، وہ کھلم کھلا کہتے ہیں کہ معجزہ اس لئے رونما نہیں ہوسکتا کہ خدا بھی اپنے بنائے ہوئے قانون کو نہیں بدل سکتا تو ان کا جواب دینے والوں نے بھی اولیاء کرام کے تصرفات کی روشنی میں خدا کی قدرتِ کاملہ کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ 'ستیارتھ پرکاش' میں ہندو مناظر 'دیانند' نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے بارہ چشموں کے پھوٹنے کا انکار کرتے ہوئے لکھا۔ جو قدرتی اصول ہیں مثلاً آگ گرم، پانی ٹھنڈا، مٹی وغیرہ تمام ذی شعور ہیں۔ ان کی طبعی صفت کو پرمیشور بھی نہیں پلٹ سکتا۔

تو صدرالافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

> ''پنڈت جی کے نزدیک اس عقیدہ کے بموجب ناممکن ہے کہ بچھو کا طبعی خواص یعنی ڈنک مارنا اور کاٹنا بدل جائے۔ یہ بات پنڈت جی کے نزدیک ناممکن بھی ہے اور ایشور کے مقدور سے باہر بھی کہ اگر پنڈت جی کا ایشور چاہے بھی کہ بچھو کاٹنا چھوڑ دے تو اس بیچارے کے چاہے سے کچھ نہ ہو اور بچھو ڈنک مارنے سے باز نہ آئے۔ اپنے عقیدہ کے بموجب ایشور کے یہ اختیارات دیکھتے ہوئے اگر ایک پتھر سے بارہ چشموں کا برآمد ہونا ناممکن سمجھ گئے تو کوئی تعجب نہیں مگر واقعات ان کے اس اعتقاد کو باطل کردیں تو بیچارے کے بس کی بات نہیں۔ زمانہ پاک حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

بہت دور ہو چکا اور اسی بھروسہ پر پنڈت جی نے ان کے معجزہ کا انکار کر دیا کہ نہ اب وہ زمانہ لوٹ کر آئے گا نہ پنڈت جی کو کوئی ذلیل کر سکے گا۔ مگر اُس بیچارے کو یہ خیال نہ آیا کہ غلامان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی کرامتیں آج بھی دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہیں وہ پنڈت جی کے عقیدہ کا بطلان ظاہر کر دیں گی۔

امروہہ ضلع مراد آباد میں آستانہ حضرت شاہ ولایت صاحب قدس سرہ العزیز میں ہر زمانہ وہر موسم میں ہزار ہا بچھو ملتے ہیں اور احاطہ درگاہ کے اندر کوئی بچھو کسی طرح نہیں کاٹتا، ہاتھ پر رکھئے، خواہ گلے میں بچھوؤں کا ہار بنا کر ڈالئے یا بچھو کے ڈنک پر ہاتھ رکھئے، کسی طرح وہ نہیں کاٹتا اور اس کا وہ طبعی خاصہ پلٹ جاتا ہے جس کو پنڈت جی کا ایشور بھی نہیں پلٹ سکتا تھا۔ تو اب پنڈت جی بتائیں کہ ایسی ناممکن بات جو ان کے عقیدہ پر ایشور کے اختیار میں بھی نہ تھی کس طرح واقع ہوگئی اور اس کا استحالہ کہاں چلا گیا اور ایشور سے بڑھ کر کونسی قدرت ہے جس نے اپنا کرشمہ دکھایا۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا نہیں جس کو مکر جائے کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے لانا ممکن نہ ہو۔

یہ کرامت آج ظاہر ہے۔ لاکھوں کفار دیکھ چکے

ہیں۔ روزانہ خلق خدا اس کے تجربے اور مشاہدے کرتی ہے۔
جس آریہ کا دل چاہے، امروہہ جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ
لیں۔ جو قادر مطلق اپنے مقبولانِ بارگاہ کے ہاتھوں پر ایسے
عجائب کا اظہار فرماتا ہے۔ اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ
حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عصا سے بارہ چشمے ظاہر
فرمادے۔۔۔۔۔۔الخ'' (احقاق حق ص ۱۶۶۔۱۶۷)

مختصر یہ کہ معجزات اور کرامات و تصرفات کو ماننا صرف اس لئے ضروری نہیں کہ ان سے محبوبانِ خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی انسان کی عظیم سعادت ہے بلکہ جیسا کہ اوپر کی سطور سے واضح ہوتا ہے، اسلام کا سب سے پہلا عقیدہ توحید بھی ان سے مضبوط ہوتا ہے۔ کون نہیں جانتا مشرکین مکہ میں سے جنھیں ایمان ملنا تھا وہ تو مومن اور صحابی ہو گئے اور جو انکار پر ڈٹے رہے، انہوں نے جادو کہہ کر انکار کر دیا۔ مثلاً حضور پرنور ﷺ نے چاند کو دو ٹکڑے کیا اور ابوجہل اینڈ کمپنی نے اسے جادو کہہ کر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ خوش نصیب لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس سلسلے میں سب سے عجیب رویہ منافقین مدینہ کا تھا۔ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کمال کسی شکل میں بھی بالکل نظر ہی نہیں آتا تھا۔ یعنی منافقین وہ کچھ بھی نہ دیکھ پاتے تھے، جسے دیکھ کر مشرکین جادو یا نظر بندی کہتے تھے۔ پھر اس سلسلے میں سب سے زیادہ خطرناک اور افسوس ناک رویہ حافظ محمد سعید اینڈ کمپنی کا ہے۔ یہ مشرکین مکہ کی طرح جادو بھی نہیں کہتے، منافقین سابقین کی طرح کسی کمال کو کسی انداز میں صرف یہی نہیں کہ دیکھتے نہیں بلکہ ان سے بدتر حالت میں کود کر محبوبانِ خدا کے وہ

کمالات جو اسلام اور قرآن کی صداقت کے دلائل ہیں، ان کا ماخذ کتاب وسنت کو نہیں سمجھتے بلکہ مشرکین مکہ کے عقائد کو سمجھتے ہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

عجیب بات ہے کہ اولیاء وصوفیاء کے کمالات روحانی اور کرامات وتصرفات کو دیکھ کر لاکھوں غیر مسلموں کو خدا یاد آ گیا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، اور ایک یہ ہیں کہ ان کمالات کے ذکر سے انہیں مشرکین مکہ یاد آتے ہیں یا ہندوستان کے بت پرست، بلاشبہ

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

☆......☆......☆

تَوحِیدٗ اور مَحبُوبانِ خُدا کے کمالات
قسط نمبر
2
صفحہ نمبر 58
تَوحِیدٗ اور مَحبُوبانِ خُدا کے کمالات

قرآن حکیم کا اپنا انداز:

قرآن حکیم نے یقیناً توحید کو بڑی آب وتاب کے ساتھ پیش کیا ہے اور بار بار شرک سے روکا ہے۔ کہیں فرمایا

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ٥ (لقمان:۱۳)

ترجمہ: بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔

اور کہیں اعلان فرمایا!

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ط (النساء،۱۱۶)

ترجمہ: اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔

پھر بھی اُس نے محبوبانِ خدا کے کمالات بیان فرمائے اور پورے اہتمام سے بیان فرمائے بلکہ اگر قرآن بیان نہ فرماتا تو ہزاروں برس پہلے کے گزرے ہوئے انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات' انسانی فکر ونظر اور عقل وعلم سے اوجھل رہتے ۔موجودہ توریت وانجیل وغیرہ میں اس بارے میں جو کچھ مذکور ہے ۔قطعاً قابلِ اعتماد نہیں (اور ان کے بظاہر ماننے والے بھی ان سے مطمئن نہیں) سوچئے اگر ان کمالات سے کفروشرک کو ہی تقویت ملتی تھی تو ان کو کیوں بیان کیا جاتا بلکہ خدائے قادر وقیوم انھیں اپنے پاک بندوں کو عطا ہی نہ فرماتا ۔اللہ کا نبیوں رسولوں کو معجزات عطا فرمانا اور پھر اپنی آخری وابدی کتاب میں ان کا ذکر کرنا اسی لئے ممکن ومتصور ہے کہ ان کا شرک وکفر کی اشاعت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ ان

کے ذریعے خدائے بزرگ و برتر کی توحید کا تصور مضبوط، واضح اور بصیرت افروز و اطمینان بخش ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ قادر و مطلق کی قدرت و عظمت کی سب سے بڑی دلیل وہی ہے جو کسی نبی و رسول کے معجزے یا کسی ولیٔ کامل کی کرامت کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے (جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ثابت ہے)

اس سلسلے میں سب سے زیادہ غور طلب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں۔ عیسائی انھیں بن باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا ماننے لگے اور قرآنِ پاک کے نزول کے وقت عیسائیوں میں سب سے زیادہ شور ان کی خدائی کا ہی مچایا جا رہا تھا۔ 'سعیدی فکر' کے مطابق احتیاط کا یہی تقاضا تھا کہ ان کے کمالات پوری طرح سے چھپانے کی کوشش کی جاتی بلکہ جس طرح عیسائیوں نے یہودیوں کے طعنوں سے بچنے کیلئے حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کا منگیتر یوسف نجار کے نام سے گھڑ لیا تھا اسی طرح قرآن پاک بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو عام انسانوں کی پیدائش کی طرح بیان کرتا اور یوسف نجار یا اس جیسے کسی اور آدمی کو حضرت مریم علیہا السلام کا شوہر قرار دے دیتا (معاذ اللہ) مگر اللہ کی سچی کتاب نے جو سچی بات تھی وہی بیان کی۔ اور کسی یوسف نجار وغیرہ کا ذکر تک نہیں کیا اور جناب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو اللہ ذوالجلال کی قدرتِ کاملہ کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ ان کی ولادت سے پہلے حضرت مریم علیہا السلام کے سیرت و کردار کا نقشہ کھینچا اور ان کی کرامت کے طور پر بے موسمی پھلوں کا اُن کے حجرے میں لایا جانا اس معجزے کی تمہید بن گیا، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ گویا انھیں پھل ملتے تھے تو ظاہری اسباب کے برعکس اور پھر انھیں لختِ جگر ملا تو بھی ظاہری سبب کے بغیر۔ اس سے صاف پتا چل گیا کہ اللہ خالق و مسبب الاسباب ہے، اسباب کا محتاج یا پابند نہیں۔

اور اس کی یہ شان جس مخلوق سے ظاہر ہوگی، اسے بھی وہ اسباب کا محتاج نہ رہنے دے گا۔ دیکھئے قرآن پاک اس واقعے کو کس طرح بیان فرماتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو فرشتوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی تو

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ط قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ ط اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○ (آل عمران: ۴۷)

ترجمہ: بولی اے میرے رب میرے ہاں بچہ کہاں سے ہوگا، مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ نہ لگایا، فرمایا اللہ یوں ہی پیدا کرتا ہے جو چاہے، جب کسی کام کا حکم فرمائے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا، وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمالات علمی و عملی کا بیان شروع ہوا۔ یعنی جس بچے کی خوشخبری دی جا رہی ہے، وہ کس شان کا ہوگا۔

وَیُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَالتَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ○ وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۵ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ ج وَاُبْرِیُٔ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ ج وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ لا فِیْ بُیُوْتِکُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ ط (آل عمران ۴۸۔۴۹)

ترجمہ: اللہ اسے سکھائے گا کتاب اور حکمت اور توریت اور

انجیل۔اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف۔یہ فرماتا ہوا کہ
میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف
سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں
پھراس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے
حکم سے،اور میں شفادیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ
والےکواور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سےاور تمہیں
بتاتا ہوں جوتم کھاتے ہواور جوتم اپنے گھروں میں جمع رکھتے
ہو۔بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے۔
اگرتم مومن ہو۔''

ذرا ان الفاظ پر غور فرمایئے،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات و تصرفات میں کیا وسعت ہے،توریت وانجیل وغیرہ کےعلم کےعلاوہ فرماتے ہیں میں مٹی کی مورت بناکراس میں پھونک ماروں تو خدا کے فضل سے سچ مچ کا پرندہ بن جائے۔

میں مادرزاداندھے،پھلبہری والے مریض کوخدا کے حکم سےشفادیتا ہوں۔

میں باذن الٰہی مردے زندہ کرتا ہوں۔

میں تمہیں بتاتا ہوں جوتم گھروں میں کھاتے اور جوتم (نہیں کھاتے بلکہ) جمع رکھتے ہو۔

دیکھئے اللہ کے وہ نبی علیہ السلام جنھیں عیسائی خداسمجھتے ہیں،انھیں پرندہ بنانے کی طاقت عطافرما کر کس اہتمام سےاور کس کتاب میں اس کا اعلان کیا جارہا ہے۔بالخصوص اس وقت جب ہی قرآن مشرکوں سے ان کے معبودانِ باطلہ کے

بارے میں یوں مخاطب ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَنۡ يَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّلَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَهٗ ؕ (الحج ۷۳)

ترجمہ: وہ جنھیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو، ایک مکھی نہ بنا سکیں گے اگرچہ سب اس پر اکٹھے ہو جائیں۔

اُدھر مشرکوں کے تمام جھوٹے معبود مل کر بھی ایک مکھی نہیں بنا سکتے، اِدھر ایک پیغمبر علیہ السلام کو پورا پرندہ بنانے کی طاقت عطا فرما کر اس کا اعلان کیا جا رہا ہے اور وہ بھی آخری کتاب میں۔ تاکہ رہتی دنیا تک بتوں کی بے بسی اور نبی کی طاقت کا چرچا ہوتا رہے۔ عیسائی جنھیں عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہنے کا جنون تھا یہ کہہ کر چپ کرا دیا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے یہ کمالات ذاتی نہیں بلکہ 'باذن اللہ' یعنی عطائی ہیں۔ مگر افسوس دورِ حاضر کے زبان دراز مفسر بتوں اور پیغمبروں کو ایک جیسا بے بس سمجھتے ہیں۔

ان آیات میں دوبار ایۃ (نشانی) کا لفظ آیا ہے۔ ایک بار خطاب کے آغاز میں اور دوسری بار آخر میں۔ گویا یہ معجزات اول سے آخر تک عیسیٰ علیہ السلام کے رَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ (بنی اسرائیل کے رسول) ہونے کی دلیل ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کو رسول مان لیا گیا تو توحیدِ خداوندی خود بخود ثابت ہو گئی، ان معجزات میں سے پہلا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی شان خالقیت کا مظہر بتا رہا ہے، دوسرا انھیں لاعلاج بیماریوں کا 'شافی' ظاہر کر رہا ہے، تیسرا مردوں کو زندہ کرنے کی طاقت کا اعلان کر رہا ہے اور چوتھا ان کے علم غیب کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے، اب فرمایئے انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے منکروں کی 'توحید' کہاں گئی۔ کیا قرآن

پاک کی رو سے اللہ کے سوا کوئی شفا بخش، کوئی نفع ونقصان کا مالک، کوئی مردوں کو زندہ کرنے والا اور کوئی دانائے غیوب ہوسکتا ہے۔ ہاں اللہ کے سوا خود بخود ان صفات کا حامل کوئی نہیں ہوسکتا، مگر اللہ کے فضل واذن سے ہوسکتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ تمام صفات ان کی ذات کی طرح حادث، ممکن، مقدور، غیر مستقل، متناہی اور الہ کی صفات اس کی ذات کی طرح قدیم، واجب، غیر مقدور، مستقل اور غیر متناہی ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کی ان تمام صفات کو بیان کرنے
کے بعد پھر فرمایا
'بیشک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے،
بشرطیکہ تم مومن ہو'

موجودہ مذہبی تناظر میں ان الفاظ پر غور کیا جائے تو یوں لگتا ہے جیسے قرآن ان 'سعیدیوں' سے مخاطب ہوکر فرمارہا ہے کہ تمہیں ایمان میسر ہے تو اطمینان قلب کیلئے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے کمالات کی یہ روشن دلیل ہے جو یہاں بیان ہوئی ہے۔ اور اگر ایمان سے خالی ہو تو جو چاہے اناپ شناپ بکتے رہو۔

ان صنات کا تقاضا:

عیسیٰ علیہ السلام کی ان صفات کا تقاضا ظاہر ہے یعنی یہ کہ خدا کی مخلوق اگر خدا کی شان خالقیت کا جلوہ دیکھنا چاہے، لاعلاج بیماریوں سے نجات حاصل کرنا اور اپنے مردوں کو زندہ کرنا چاہے تو آپ کے دروازے پر آئے۔ دوسرے لفظوں میں جیسے توریت وانجیل کے علم کے حصول کیلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دروازے پر جانا ضروری تھا یونہی مادرزاد اندھے کو آنکھوں کا نور اور برص کے

مریض کو شفا حاصل کرنے کیلئے بھی پیغمبر (علیہ السلام) بنی اسرائیل کے دروازے پر حاضر ہونا عین منشاء خداوندی تھا۔ بلکہ جو بیکس اور حسرت زدہ لوگ اپنے کسی مردے کو زندہ کرانا چاہتے، ان کیلئے بھی یہاں کی حاضری حصول مقصد کا یقینی ذریعہ تھی۔ یعنی پیغمبر خدا علیہ السلام کا آستانہ وہ دار الشفاء ہے جہاں بیمار ہی صحت یاب نہیں ہوتے بلکہ موت بھی حیات بن جاتی ہے۔ تو جو بیمار اور محتاج نبی علیہ السلام کے دروازے پر دادرسی کیلئے آئے ہیں، خودنہیں آئے، انہیں خدا نے بھیجا ہے۔ یہ نفوس قدسی دنیا کے ڈاکٹروں اور طبیبوں کی طرح نہیں ہوتے کہ کبھی شفا ہو اور کبھی نہ ہو۔ چونکہ اللہ نے انھیں مشکل کشائی اور حاجت روائی کا منصب سونپا ہے لہٰذا یہاں بھی مشکل کا حل نہ ہونا اور حاجت کا پورا نہ ہونا اللہ کی قدرت و صداقت کے خلاف ہے ان آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کا اپنا اعلان ہے کہ میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھوں کو انکھیارا اور برص کے بیماروں کو شفا دیتا ہوں، اب اللہ کا اپنی طرف سے اعلان ملاحظہ ہو، وہ خود جناب عیسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرما رہا ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۱۱۰ کے درمیانی الفاظ

وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ ج وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ج وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ج (الخ)

ترجمہ: اور جب میں نے تجھے سکھائی کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل اور جب تو مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا، پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے

اڑنے لگتی اور تو مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم
سے شفا دیتا اور جب تو مُردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا
......(الخ)

مختصر یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں 'میں خدا کے اذن سے اس کی شانِ تخلیق کا ایک مظہر ہوں، 'میں اللہ کے حکم سے شفا دیتا ہوں'، 'میں اللہ کے حکم سے مردے زندہ کرتا ہوں' اور پھر اللہ خود فرمائے، اے عیسیٰ تو میرے حکم سے پرندے بناتا تھا، میرے حکم سے شفا دیتا تھا، میرے حکم سے اندھوں کو نظر دیتا تھا، میرے حکم سے مردے زندہ کرتا تھا، تو کیا (معاذ اللہ) شرک بیان ہو رہا ہے، یا عین توحید ہے۔ جس زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی، فلسفۂ یونان کا بڑا چرچا تھا۔ انھیں مقامِ نبوت سمجھانا آسان نہیں تھا۔ ضروری تھا کہ سمجھانے والا قدرتِ خداوندی کا ایسا مظہر ہو جو اپنی خداداد طاقتوں سے عقل کو حیرت زدہ اور ہیبت زدہ کردے۔ یہ مقصود حاصل ہو گیا، مگر آج کل کے کم فہم اور بے ادب لوگ ان سے کوئی فیض حاصل نہ کرسکے۔ ان کی سوچ کے مطابق تو معاذ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مشرک ہو گئے اور انھیں کمال دینے والا خدا بھی معاذ اللہ شرک سے ملوث ہو گیا۔ (اگرچہ زبان سے یہ نہ کہیں) کتنا برا مذہب ہے یہ۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

نبی کا منصب ہی وسیلہ ہے:

خداوندِ کریم شافیٔ مطلق ہے، بندوں کو شفا چاہئے تو اُس سے شفا حاصل

کرنے کیلئے اس کے نبی کے در پر جائیں۔ خدا ہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مردے زندہ کرانے ہوں تو اس کے نبی کی خدمت میں حاضر ہوں۔ یہ تصورِ نبوت وہ ہے جو خود قرآن حکیم نے دیا ہے۔ صرف ایک دو حاجتیں نہیں، ہر دینی و دنیوی حاجت و مشکل میں نبی امت کا وسیلہ ہوتا ہے۔ دیکھئے اس سے پہلے کا ایک واقعہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے، بنی اسرائیل کو پانی کی ضرورت ہے۔ خدائے قادر و قیوم موجود ہے۔ عالم الغیب ہے۔ سب کچھ اس کے سامنے ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے مگر بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام سے پانی مانگتے ہیں۔ یہ (معاذ اللہ) موسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھ کر نہیں تھا بلکہ نبی سمجھ کر ہی تھا۔ نبی کو خدا سمجھ کر پکارا جائے تو شرک ہے اور نبی کو نبی سمجھ کر (یعنی رب کے دربار میں اپنا وسیلہ بنا کر) مانگا جائے تو رب کی رحمتیں جوش میں آجاتی ہیں۔ کیونکہ یہ نبی پر ایمان رکھنے کی دلیل ہے۔ اور نبی پر ایمان اسی اللہ پر ایمان کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ دیکھئے یہی واقعہ قرآن پاک کے الفاظ میں

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِاسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ

(سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۶۰)

ترجمہ: اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کو جب اس سے اس کی قوم نے پانی مانگا کہ اس پتھر پر اپنا عصا مار دو تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

دیکھئے قوم موسیٰ علیہ السلام سے پانی مانگ رہی ہے۔ اگر نبی سے مانگنا

شرک ہوتا تو انہیں پانی مہیا کرنے کی بجائے سخت عذاب میں گرفتار کر دیا جاتا۔مگر یہاں تو صورت حال یہ ہے کہ قوم نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے پانی مانگا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے رب سے پانی مانگا قرآن فرماتا ہے۔

وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ط (البقرہ۔۶۰)

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنا عصا مارا تو وہی ہوا جو اوپر مذکور ہے۔رب کی رحمتیں جوش میں آگئیں اور انہیں بارہ قبیلوں کے لئے الگ الگ بارہ چشمے عطا کر دیئے گئے۔بنی اسرائیل کا یہ تصور کہ نبی خدا کا نائب، اس کی قدرت کا مظہر، اس کی رحمتوں کا نمائندہ اور امت کا وسیلہ اور حاجات روا ہوتا ہے، ان کی مشکل کشائی کا سبب بن گیا۔دراصل نبی کو نبی ماننے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسے دینی و دنیوی حاجت میں اپنا وسیلہ سمجھا اور بنایا جائے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت، وحی، تعلیمات ربانی ہی کا وسیلہ نہیں تھے بلکہ دنیوی حاجات مثلاً پانی، بادل، من وسلویٰ بھی انھیں کے صدقے پوری ہوئیں۔

ہاں ہاں سوچئے! جب اللہ تعالیٰ نبی کے وسیلے سے ایمان، توحید بلکہ اپنی کتاب عطا فرماتا ہے جو انسان کی روحانی وابدی حاجات ہیں تو نبی کے صدقے میں دنیوی و عارضی حاجات کی تکمیل کیونکر شرک ہوسکتی ہے۔حق یہ ہے کہ نبی دینی و ایمانی، روحانی و جسمانی، انفرادی واجتماعی تمام حاجات میں مخلوق کا خالق کی بارگاہ

میں وسیلہ ہیں۔ دیکھئے اسی قرآن پاک میں بنی اسرائیل نے کس بیچارگی سے
موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں فریاد کی

قَالُوْا اوذینا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِینا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جئتنا ط

(الاعراف:۱۲۹)

ترجمہ: بولے، ہم ستائے گئے آپ کے آنے سے پہلے اور
آپ کے تشریف لانے کے بعد بھی۔

مطلب یہ تھا کہ آپ کے تشریف لانے سے پہلے تو ہم ستائے ہی جاتے
تھے، آپ کی تشریف آوری کے بعد تو ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اس پر آپ نے جو
تسلی آمیز جواب دیا اسی آیت کے باقی الفاظ میں ہے۔

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ
فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۝ (الاعراف ۱۲۹)

ترجمہ: کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک
کرے اور اس کی جگہ زمین کا وارث تمہیں بنائے، پھر دیکھے
کیسے کام کرتے ہو۔

گویا اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے بنی اسرائیل کو آزادی
اور حکومت مل جائے گی۔

حقیقت یہی ہے کہ نبی کے بارے میں یہ تصور اتنا بنیادی، واضح اور
قریب الفہم ہے کہ فرعون جیسا جاہل، مغرور اور کمینہ بھی بوقتِ ضرورت اسے مان
لیتا تھا۔ چنانچہ جب اس کی قوم پر باری باری طوفان، ٹڈی، جوں، مینڈک اور خون

وغیرہ کے عذاب آتے تو کیا ہوتا۔ قرآن اس بارے میں فرماتا ہے۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيٓ اِسْرَآءِيلَ ○

(الاعراف ۱۳۴)

ترجمہ: اور جب ان پر عذاب پڑتا، کہتے اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے۔ بیشک اگر تم ہم سے عذاب اٹھا دو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے۔

دیکھئے فرعونی لوگ کتنی وضاحت سے عرض کر رہے ہیں کہ اے موسیٰ اللہ سے دعا کیجئے اور دعا کر کے ہمارا عذاب ٹال دیجئے۔ گویا موسیٰ علیہ السلام سے عذاب ٹالنے کی درخواست دراصل بالواسطہ رب تعالیٰ ہی سے (درخواست) ہے۔ رب اپنے نبی کی دعا ضرور مانتا ہے کیونکہ وہ امت کا یقینی وسیلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرعون کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی تو کیا ہوا؟ رب کا فرمان سنئے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ○ (الاعراف ۱۳۵)

ترجمہ: پھر جب اُن سے عذاب اٹھا لئے ایک مدت کیلئے جس تک انھیں پہنچنا ہے، جبھی وہ پھر جاتے ہیں۔

غرض سچے خدا سے رحمت حاصل کرنے کیلئے فرعون جیسا جاہل اور مشرک و مغرور بھی سمجھتا تھا کہ نبی کا وسیلہ ضروری ہے مگر افسوس دور حاضر کا 'حافظ سعید' اسے نہیں سمجھتا۔ یقیناً گستاخِ کلیم سے گستاخِ حبیب زیادہ جاہل ہونا چاہئے۔

فرمایئے، اہل ایمان بلکہ ہر انسان کو نبوت کی عظمت و اہمیت سمجھانے کیلئے اس سے بہتر کیا طریقہ ہوسکتا تھا مگر جنھیں بغض رسول ﷺ نے اندھا کردیا ہے وہ کیا سمجھیں، وہ کیا جانیں، وہ کیا مانیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں نبیوں، رسولوں کو عظمت و اختیار و اقتدار دینے والے سچے خدا نے فرمایا

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا

(البقرہ ۱۰)

ترجمہ: ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی میں نے عرض کیا ہے۔

سناتے کیا ہو آیات شفا پڑھ پڑھ کے نجدی کو
نبی ﷺ کے بغض کا بیمار اچھا ہو نہیں سکتا

بغض کے بیمار اور قرآن:

حقیقت یہ ہے کہ بغضِ رسول کے بیمار سچے دل سے قرآن کو مانتے ہی نہیں۔ ان کے اندھے دل جس قسم کے الٹے سیدھے باغیانہ و منافقانہ تصورات پر جم جاتے ہیں، وہی ان کے عقائد بن جاتے ہیں۔ انھیں اس سے غرض نہیں کہ قرآن کا ان کی بدگمانیوں کے بارے میں کیا فیصلہ ہے۔ ان کا قرآن سے تعلق ہے تو فقط یہ کہ اس کی کس آیت کو توڑ موڑ کر اپنے مفسدانہ اغراض و مقاصد کیلئے استعمال

کیا جائے۔ جب کوئی انھیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں پھوٹ مت ڈالو، تو اپنے انتشار اور افتراق کو' اصلاح' کا نام دے دیتے ہیں۔ دیکھئے قرآن پاک ان کا پردہ کس طرح چاک کرتا ہے۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ۝ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ۝ (البقرہ:۱۱-۱۲)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ زمین میں فساد نہ کرو، تو کہتے ہیں کہ ہم (فسادی نہیں بلکہ) مصلح ہیں۔ خبردار وہی فسادی ہیں مگر انھیں شعور نہیں۔

یہاں فرمایا	لا یشعرون	(۱۲) یعنی انھیں شعور نہیں
اگلی آیت، میں فرمایا	لا یعلمون	(۱۳) یعنی انھیں علم نہیں
پھر فرمایا	یعمھون	(۱۵) یعنی بھٹکتے (پھرتے) ہیں
پہلے فرمایا	لا یبصرون	(۱۷) یعنی دیکھتے نہیں

پھر فرمایا!

صم بکم عمی فھم لا یرجعون...... (البقرہ:۱۸)

ترجمہ: (یہ بدزبان منافق) بہرے، گونگے، اندھے تو پھر وہ (اسلام کی طرف) لوٹنے والے نہیں۔

خیال فرمایئے جب اُن کو حضور پرنور ﷺ سے بغض ہے تو اس کتاب کو کیوں مانیں جو آپ (ﷺ) پر نازل ہوئی اور آپ کی شان بیان کرتی ہے۔ جس

کی ہر آیت کو اسی لئے آیت (نشانی) کہا جاتا ہے کہ یہ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی صداقت وعظمت کی نشانی ہے۔لہذا گستاخانِ رسول نہ قرآن کو مانتے ہیں اور نہ قرآن کی مانتے ہیں۔سیدھے سادھے لوگوں کو ورغلانے اور جس نبی سے بغض ہے اس کی امت سے بدلا لینے اور جھگڑا پیدا کرنے کیلئے پڑھتے ہیں۔قرآن حکیم فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۝ (الحج ۸)

ترجمہ: اور کوئی آدمی وہ ہے جو اللہ کے بارے میں یوں جھگڑتا ہے کہ نہ تو علم نہ کوئی دلیل اور نہ کوئی روشن کتاب (اُس کے پاس ہے)

پھر سورۂ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور اس سلسلے میں جو منکر ناقدر شناس ہیں، ان کے جھگڑالو پن کی کیفیت انھیں ان الفاظ میں دکھائی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّ بَاطِنَۃً ط وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۝ (لقمن:۲۰)

ترجمہ: کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے فرمانبردار بنادیا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں

ہے اور تمام کر دی ہیں اس نے تم پر ہر قسم کی نعمتیں، ظاہری بھی
اور باطنی بھی۔ اور بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ
تعالیٰ کے بارے میں، نہ ان کے پاس علم ہے، نہ ہدایت اور نہ
کوئی روشن کتاب۔

فرمایئے انسانوں کیلئے اُن کے سچے پروردگار کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ آسمانوں اور زمین کی چیزیں ان کیلئے مسخر فرمادیں اور انھیں ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالامال کیا۔ اس پر انھیں اپنے خالق و مالک کا شکر گزار ہونا چاہئے تھا مگر انھوں نے اس کے برعکس کفرانِ نعمت کا راستہ اختیار کیا۔ حالانکہ ان کے پاس علم ہے نہ نورِ ہدایت اور نہ کتابِ روشن ہی (جس سے وہ اپنے دلائل اخذ کر سکیں)

جس تسخیر کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے، وہ سب کو برابر حاصل نہیں۔ دورِ حاضر کی سائنسی ترقی کے ذریعے جو تسخیر ہوئی ہے یا ہوتی رہتی ہے، یہ کم ترین ہے۔ اس میں مومن و کافر سب شامل ہیں۔ اعلیٰ تسخیر وہ ہے جو اللہ نے اپنے مقربین کو روحانی کمالات کے ضمن میں عطا فرمائی ہے۔ یہ اطاعتِ خداوندی کا نتیجہ ہے۔ جس کے بارے میں شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

یعنی اے انسان تو خدا کا فرمانبردار بن جا دنیا تیری
فرمانبردار بن جائے گی۔

اس سے بھی اعلیٰ تسخیر وہ ہے جو انبیاء و رسل کو بخشی گئی کہ لوہا ان کے ہاتھ

میں موم ہوا، وحوش وطیور ان کے ساتھ مل کر تسبیح خواں ہوئے، ہوا وفضا پر ان کی حکومت قائم ہوئی، جن وملک ان کی بارگاہ کے بندۂ بے دام ہوئے اور پھر سب سے اعلیٰ تسخیر وہی ہے جو حضور پرنور سرور انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کی شکل میں ظاہر ہوئی کہ چاند چرا اور سورج پھرا وغیرہ۔

محبوبان خدا اور مقربان الٰہی کے سب تصرفات وکرامات جن سے فاصلے سمٹ جاتے ہیں اور دور دراز علاقوں میں آن کی آن میں پہنچ کر اپنے غلاموں کی دستگیری، مشکل کشائی اور حاجت روائی فرماتے ہیں، سب کچھ تسخیر ہی کے مختلف پہلو ہیں۔ خدائے واحد کا نورِ جلال ان کے کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں میں آجاتا ہے اور بندہ بندہ رہ کر بھی ربانی قدرت وقوت کا مظہر بن جاتا ہے۔ حضور پرنور ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے۔

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَ رِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِيْ بِهَا

(بخاری شریف کتاب الرقاق باب التواضع جلد۲ص ۹۶۳، واللفظ لہ۔ مشکوٰۃ المصابیح باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ ص ۱۹۷)

ترجمہ: میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

یہ ہے اللہ کی ظاہری وباطنی نعمتوں کی برسات مگر جھگڑالو منکر یہی نہیں کہ شکر ادا نہیں کرتا بلکہ ان کا سرے سے انکار کر دیتا ہے بلکہ انکار کو مزید قوت دینے

کیلئے انھیں شرک قرار دیتا ہے۔ کتنا تضاد ہے اس کا فکر قرآنی سے اور فکر بخاری سے۔

خدا کا نور بندۂ مقرب ومحبوب کے کان میں آیا تو اس کیلئے نزدیک و دور کی آواز سننا ممکن ہو گیا مگر ناشکرا آدمی اسے شرک سمجھتا ہے کہ اس کے خیال میں دور کی آواز خدا ہی سن سکتا ہے۔ خدا بندے کو یہ طاقت دے ہی نہیں سکتا اور دے تو توحید خطرہ سے دوچار ہو جائے۔ خدا کا نور جلال بندۂ مقرب ومحبوب کی آنکھ میں آ گیا تو نزدیک و دور کو بلا تکلف دیکھنے لگا۔ ناشکرا آدمی اسے ناممکن جانتا ہے کہ بندہ اس نعمت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ بندۂ مقرب ومحبوب کے ہاتھ میں یہ نور جلال جلوہ فرما ہوا تو اسے دور و نزدیک کی چیزوں پر تصرف حاصل ہو گیا، ناشکرا اور جھگڑالو اللہ کی نعمت کا شکر تو کجا، اقرار بھی نہیں کرتا، کیونکہ اس کے نزدیک دور کی سننا، دور تک دیکھنا اور تصرف کرنا صرف خدا کی شان ہے۔ افسوس اس شرک آمیز توحید والے کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ خدا شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ جب نبیوں ولیوں کے وسیلے کا انکار کرنا ہو تو خدا کو شہ رگ سے قریب کہہ کر وسیلے کی ضرورت کا انکار کرتا ہے، ورنہ اپنے طور پر اسے دور ہی سمجھتا ہے۔ دور نہ سمجھتا تو شاید اتنا منہ پھٹ اور نڈر نہ ہوتا۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو خدا کو ہر جگہ سمجھنا بھی سعیدی فکر کے مطابق شرک ہے، اس کے نزدیک یہ کہونیہ کا عقیدہ ہے، (دیکھئے الدعوۃ کے متعدد شمارے)

خدارا غور فرمایئے! اللہ ذوالجلال اپنے جن نبیوں اور ولیوں کو اپنی ربانی و لامحدود قوتوں کا مظہر بناتا ہے، کیا وہ دوسری مخلوق کی طرح بے بس ہوں گے اور کیا وہ باقی کیلئے وسیلہ نہیں بن سکیں گے۔ اسی حدیث کے آخری الفاظ پھر سامنے لایئے۔

وَاِنْ سَاَلَنِیْ شَیْئًا لَاُعْطِیَنَّہٗ

ترجمہ: جب وہ مجھ سے کوئی چیز مانگے تو اسے ضرور ضرور عطا کرتا ہوں۔

گویا اللہ اپنے بندوں کی قوتوں کا اعلان کرنے کے بعد ان کی برکتوں کا اعلان فرما رہا ہے' جسے کوئی حاجت ہو ان کے پاس جائے اور دعا کرائے، کام بن جائے گا، کیونکہ جو کچھ یہ مانگے گا، ضرور ضرور عطا کروں گا۔ منکر قائل ہے کہ اللہ نے مشکلیں پیدا کیں، مگر اس بات کا قائل نہیں کہ وہ مشکل کشا بھی پیدا کر سکتا ہے۔ ناشکرا آدمی مانتا ہے کہ حاجتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں مگر یہ اس کے تصور اور ایمان سے بالاتر ہے کہ قاضی الحاجات نے حاجت روا بھی پیدا کئے ہیں۔ وہ خداوند علیم وحکیم جو مسبب الاسباب ہے، اگر اپنے فضل وکرم سے کسی اپنے بندے کو مشکل کشا اور حاجت روا بنا دے، اور اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کا حاجت روا اور مشکل کشا بنایا۔ اللہ ذاتی طور پر اور عیسیٰ علیہ السلام عطائی طور پر حاجت روا ہیں۔ اس بات کو مزید آسان کرتے ہوئے یوں سمجھیں کہ اگر اللہ کسی کو بغیر دوا کے شفا دے تو بھی دے سکتا ہے کہ حقیقی شافی وہی ہے اور دوا کے ذریعے دے تو بھی حقیقی شافی وہی ہے۔ یونہی اگر کسی محتاج کا وسیلہ بنا کر اس کی حاجت پوری کرے یا بغیر کسی وسیلے کے کرے تو بھی اصل اور حقیقی حاجت روا و مشکل کشا وہی ہے۔ کسی اور کو حاجت روا یا مشکل کشا کہا جاتا ہے تو محض وسیلے کے طور پر۔ اور یہ اطلاقات بھی کتاب وسنت میں جا بجا ہیں۔ مسلم شریف کی ایک طویل حدیث کے ابتدائی الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں

قَا لَ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُّو مِنٍ کر بۃ مَنْ کَرب الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰہُ عَنْہُ کربۃ من کرب یو م القیمۃ مَنْ یَسَّرَ عَلیٰ مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمَنْ سَترَ مُسْلِماً ستره اللّٰہُ فِی الدنیَا وَالْاٰخِرَۃ واللہ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْن اَخِیْہِ (مسلم و کتاب التوبۃ والاستغفار باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر جلد۲: ص ۳۴۵، واللفظ لہ، مشکوۃ: باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۲، مجمع الزوائد باب فضل قضاء الحوائج جلد ۸: ص ۱۹۵، ۱۹۶)

ترجمہ: حضور رسول خدا ﷺ نے فرمایا، جو کسی مومن کو دنیا کی کسی سختی سے رہائی دے، اللہ اس سے روز قیامت کی کوئی سختی دور فرمائے گا اور جو کسی تنگدست کو آسانی دے، اللہ دنیا و آخرت میں اس پر آسانی فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ دو جہاں میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ اپنے بندے کا مددگار رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کا مددگار رہے۔

ان الفاظ پر غور فرمایئے کیا سختی دور کرنا اور آسانی پیدا کرنا ہی مشکل کشائی اور حاجت روائی نہیں۔ یہی روزمرہ کے محاورات ہیں جو آیات و روایات میں بار بار آتے ہیں مگر کم نظر لوگ امت میں انتشار پیدا کرنے کیلئے انھیں فوراً شرک سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

مزید چند احادیث پر غور کیجئے..... حضور پرنور ﷺ فرماتے ہیں۔

اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی عِبَادًا اخْتَصَّھُمْ لِحَوَائِجِ النَّاسِ یفزع النَّاسُ اِلَیْھِمْ فِیْ حَوَائِجِھِمْ اُولٰئِکَ الْاٰمِنُوْنَ عَنْ عَذَابِ اللّٰہِ (الطبرانی فی الکبیر، کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۰ رقم الحدیث ۱۶۰۰۷)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں خلق کی حاجت روائی کیلئے خاص فرمایا۔ لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں۔ یہ بندے عذاب الٰہی سے امان میں ہیں۔

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا اسْتَعْمَلَہٗ عَلٰی قَضَاءِ حَوَائِجِ النَّاسِ (البیہقی فی الشعب الایمان، رقم ۷۶۵۹، باب فی التعاون علی البر والتقویٰ جلد ۶ ص ۱۱۷)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اس سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے۔

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا صَیَّرَ حَوَائِجَ النَّاسِ اِلَیْہِ

(مسند الفردوس جلد ۱: ص ۲۴۳ رقم الحدیث ۹۳۸۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۷ رقم الحدیث ۱۴۵۹۴)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، تو اُسے لوگوں کا مرجع حاجات بنا دیتا ہے۔

قسط نمبر
3
صفحہ نمبر80

قرآنی اطلاقات:

ہم نے احادیث شریفہ میں سے نمونے کے طور پر یہ چند مثالیں پیش کی ہیں، ورنہ اگر وہ تمام روایات جن میں بندوں کے کمالات، اختیارات اور تصرفات کا ذکر ہے یا جن میں روز مرہ کے محاورات کے مطابق انہیں ایک دوسرے کا مددگار، حاجت پوری کرنے والا، مشکل حل کرنے والا، دکھ دور کرنے والا کہا گیا ہے، صرف صحاح ستہ سے اکٹھی کی جائیں تو بھی ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔ وہابی جن اطلاقات پر شرک کا فتویٰ دیتے ہیں، حدیث تو حدیث قرآنِ پاک میں بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ اگر از راہِ انصاف انہیں پر غور کر لیا جاتا تو منکرینِ اولیاء عامۃ المسلمین کو مشرک و کافر کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ صرف چند مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

ا.....اللہ اور رسول نے غنی کر دیا:

وَمَا نَقَمُوٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ

(التوبہ ۷۴)

ترجمہ: اور ان (منافقوں) کو کیا برا لگا سوا اس کے کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے دولتمند کر دیا۔

۲.....اللہ اور رسول نے نعمت دی:

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ (الاحزاب ۳۷)

ترجمہ: اللہ نے اسے نعمت بخشی اور (اے نبی) تو نے اسے نعمت دی۔ (یعنی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو)

۳...... حضور سب مومنوں کو پاک کرتے ہیں اور علم عطا فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (الجمعہ:۲-۳)

ترجمہ: وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے (عظمت والے) رسول کو بھیجا وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں اور بے شک وہ لوگ (ایمان لانے سے) پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے اور ان میں دوسروں کو (بھی علم و حکمت سکھاتے اور پاک کرتے ہیں) جو ابھی ان (پہلے لوگوں) سے نہیں اور وہی (اللہ) بڑا غالب بڑا حکمت والا ہے۔ (البیان)

۴...... حضور ﷺ کے اختیارات اور مشکل کشائی:

وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: اور (نبی آخرالزماں) حلال کرے گا ان کیلئے ستھری چیزیں اور حرام کرے گا ان پر گندی چیزیں۔ اور اتارے گا ان پر سے ان کا بھاری بوجھ اور سخت تکلیفوں کے طوق جو ان پر تھے۔

۵......اللہ جبرائیل، نیک مومن اور فرشتے نبی کریم ﷺ کے مددگار ہیں:

فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ ○ (التحریم ۴)

ترجمہ: سو بیشک اللہ اپنے نبی کا مددگار ہے اور جبرائیل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے مدد پر ہیں۔

نوٹ: طبرانی کی حدیث میں ہے کہ نیک مسلمان سے مراد ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔

۶......ثابت قدمی فرشتے دیتے ہیں:

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط (الانفال ۱۲)

ترجمہ: جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو۔

۷......فرشتے ہمارے محافظ ہیں:

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ط (الانعام ۶۱)

ترجمہ: اللہ بھیجتا ہے تم پر نگہبانوں کو (مقصود ہیں فرشتے)

۸......کاروبار دنیا کی تدبیر فرشتے کرتے ہیں:

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ (النزعت ۵)

ترجمہ: پھر قسم ان (فرشتوں) کی کہ سب کاروبار دنیا کی تدبیر کرنے والے ہیں۔

نوٹ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ مدبرات الامر ملائکہ ہیں کہ ان کاموں پر مقرر کئے گئے ہیں جن کی کارروائی اللہ عزوجل نے انہیں تعلیم فرمائی۔ عبدالرحمٰن بن ثابت نے فرمایا دنیا میں چار فرشتے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں۔ جبرائیل، میکائیل، عزرائیل، اسرافیل علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ جبرائیل تو ہواؤں اور لشکروں پر موکل ہیں (کہ ہوائیں چلانا، لشکروں کو فتح وشکست دینا ان سے متعلق ہے) اور میکائیل باران و روئیدگی پر مقرر ہیں (کہ مینہ برساتے اور درخت، گھاس اور کھیتی اگاتے ہیں)، عزرائیل قبض ارواح پر موکل ہیں، اسرافیل ان سب پر حکم لے کر اترتے ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین۔

(الامن والعلی بحوالہ معالم التنزیل شریف)

تفسیر بیضاوی شریف کے مطابق ان سے مراد اولیاء کرام کی وہ ارواح ہیں جو وصال کے بعد اور بھی طاقتور ہو جاتی ہیں۔ (الامن والعلی بحوالہ بیضاوی شریف)

۹......موت فرشتہ دیتا ہے۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (سجدہ ۱۱)

ترجمہ: آپ فرمادیں، تمہیں موت دیتا ہے وہ فرشتۂ مرگ جو تم پر مقرر ہے۔

۱۰...... بندے بندوں کو رزق دیتے ہیں:

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○

(النساء:۸)

ترجمہ: جب ترکہ بانٹتے وقت قرابت والے، یتیم اور مسکین آئیں تو تم انہیں رزق دو اور کپڑے پہناؤ، اور ان سے اچھی بات کہو۔

اور ایک آیت میں یہاں تک فرمایا!

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○ (النساء:۵)

ترجمہ: اور نہ دے دو نادانوں کو اپنے مال جنہیں بنایا ہے اللہ نے تمہاری (زندگی کے) لئے سہارا اور کھلاؤ انہیں اس مال سے اور پہناؤ انہیں اور کہو ان سے بھلائی کی بات۔

۱۱...... محبوبانِ خدا شفاعت کے مالک ہیں:

وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ

شَہِدَ بِالْحَقِّ وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ٥ (الزخرف.....٨٦)

ترجمہ: جنہیں مشرکین اللہ کے سوا پوجتے ہیں، ان میں شفاعت کے مالک صرف وہی ہیں جنہوں نے حق کی گواہی دی اور وہ علم رکھتے ہیں۔ (یعنی عیسیٰ وعزیر وملائکہ علیہم السلام)

١٢......کسی کی جان بچانا:

وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَاالنَّاسَ جَمِیْعاً ط (المائدۃ:٣٢)

ترجمہ: اور جس نے ایک جان کو زندہ کیا اس نے گویا سب آدمیوں کو زندہ کیا (مراد ہے جس نے کسی کو قتل ناحق سے احتراز کیا یا قاتل سے قصاص نہ لیا)

١٣......اللہ اور مومن کافی ہیں:

یَاَیُّھَاالنَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (الانفال:٦٣)

ترجمہ: اے نبی اللہ کافی ہے تجھے اور جو مسلمان تیرے پیرو ہوئے۔

١٤......بندے بندوں کے بندے:

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَائِکُمْ ط (النور:٣٢)

ترجمہ: اور نکاح کرواپنی بے شوہر عورتوں اور اپنے نیک بندوں (یعنی غلاموں) اور کنیزوں کا۔

سوچئے جب عبد یا بندہ کا لفظ بمعنی غلام ایک دوسرے کیلئے استعمال ہوسکتا

ہے تو حضور پرنور، سرور دو جہاں، مالک انس و جاں ﷺ کیلئے کیوں نہیں ہوسکتا۔ یعنی جب قرآن کریم عام انسانوں کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے تمہارے بندے (یعنی غلام) اور تمہاری کنیزیں، تو کسی کو حضور ﷺ کا بندہ (یا غلام) کہنا کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے بلکہ خود قرآن میں بھی رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کی امت کے افراد کو حضور ﷺ کے بندے قرار دیا ہے۔ چنانچہ

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط (الزمر ۵۳)

ترجمہ: تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

اس لئے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں فرمایا

كُنْتُ عَبْدَهٗ وَ خَادِمَهٗ

(کنز العمال باب خلافۃ امیر المومنین عمر بن الخطاب جلد ۵ ص ۶۸۱ رقم الحدیث ۱۴۱۸۴)

ترجمہ: میں حضور ﷺ کا عبد و خادم تھا۔

ان آیات اور اطلاقات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیے کیا یہ واضح نہیں ہوتا کہ اللہ ہی نے حضور ﷺ کو بھی غنی کرنے والا، نعمت دینے والا، حلال و حرام کر سکنے والا فرمایا ہے۔ ان کی رو سے حضور ﷺ اپنے غلاموں کا بوجھ اتارتے ہیں اور سخت تکلیفوں کو دور کرتے ہیں۔ کتنی لطیف حقیقت ہے کہ اللہ اپنے حبیب ﷺ کے بوجھ آپ سے اتارتا ہے اور فرماتا ہے۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ (الانشراح ۲)

ترجمہ: اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا۔

اور مومنوں کو فرماتا ہے نہیں بلکہ یہ مضمون تو موسیٰ علیہ السلام پر اتارا گیا تھا کہ میرا حبیب، میرا نبی امی ﷺ دنیا میں تشریف لا کر اپنے غلاموں کے بوجھ اتارے گا۔ اللہ ہی اپنے نبی کا مددگار نہیں، جبرائیل علیہ السلام بھی، دوسرے فرشتے بھی بلکہ نیک مومن بھی ان کے مددگار ہیں، مخصوص فرشتوں کے مخصوص فرائض ہیں۔ وہ انسانوں کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ بندے بندوں کو رزق ولباس دیتے ہیں، فرشتے جو موت پر موکل ہیں، انسانوں کو موت دیتے ہیں جو کسی کو بچائے اس نے گویا سب کو بچالیا، علم وشہادت والے حضرات اللہ کے حضور شفاعت کے مالک ہیں۔ فرشتے اور ارواح اولیاء کائنات کے منتظم ہیں اور فرشتے ایمان والوں کو ثابت قدم رکھتے ہیں۔ کیا یہ سب وہی باتیں نہیں جو منکرین اولیاء کے نزدیک شرک ہیں اور کیا یہ سب باتیں قرآن کریم میں موجود نہیں۔ بار بار غور فرمایئے اللہ تعالیٰ جن کو خود توحید وایمان کے مختلف مظاہر کے طور پر ذکر فرما رہا ہے، منکرین کے نزدیک ان کا ماننے والا معاذ اللہ ابوجہل کے برابر مشرک ہو جاتا ہے۔ اب سوچئے قرآنی توحید اور 'حافظ سعید' کی توحید میں کتنا فرق بلکہ تضاد ہے۔

ایک نوجوان سے گفتگو:

چند سال کی بات ہے میں سیالکوٹ میں ہوا کرتا تھا۔ ایک سنی نوجوان کے ساتھ ایک غیر مقلد نوجوان بھی میرے پاس آ گیا اور آتے ہی کہنے لگا کہ میں فی الحال کسی طرف نہیں، مجھے موجودہ فرقوں میں جو سچا ہے (فرقہ) اس کی تلاش ہے۔ میں نے کہا جتنے بھی فرقے ہیں قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے نزدیک۔ قرآن ہی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اسی لئے ہر گروہ اپنے عقائد کو قرآن پاک سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک فرقے کے

علماء نے اپنے اپنے ذوق علم کے مطابق قرآن پاک کو سمجھا اور اس سے اپنے عقائد لئے۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ ان علماء نے اپنے اپنے رنگ میں قرآن پاک کو کس کس طرح سمجھا اور کیا کیا عقیدہ لیا۔ یہ بات ان کے ترجموں سے ظاہر ہوگی۔ سب سے پہلے توحید کا تصور ہی لیتے ہیں کہ منکرین اولیاء نے قرآن پاک سے کیسی توحید لی اور اہل سنت نے کیسی؟ (ہم یہاں صرف چند آیات پیش کرتے ہیں اور ساتھ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا ترجمہ و آیت کا حوالہ موجود ہے۔

تحقیق کرنے والے وہابی و دیوبندی ترجمہ دیکھ کر فرق کی تصدیق کر لیں۔

۱......اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ......(البقرہ ۱۵)

ترجمہ اعلیٰ حضرت: اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے)

مفسرین نے اس سے مراد لی ہے کہ اللہ منافقوں کو استہزا اور ٹھٹھے مذاق کی سزا دیتا ہے۔ مگر نجدی ترجموں کا انداز ہے اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے، اللہ ان سے دل لگی کرتا ہے، اللہ ان کی ہنسی اڑاتا ہے، وغیرہ۔

۲......وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...الخ (آل عمران۔۱۴۰)

ترجمہ اعلیٰحضرت: اور اس لئے کہ اللہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی۔

مگر منکرین کا ترجمہ عموماً یوں ہے 'اور تاکہ جان لے اللہ' وغیرہ گویا اللہ کو واقعہ سے پہلے اس کا علم نہیں ہوتا (معاذ اللہ)۔

۳......وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۝

(آل عمران۔۱۴۲)

ترجمہ اعلیٰحضرت: ''اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔'' وہابی حضرات کے ترجموں میں دونوں جگہ ''اللہ نے ابھی

نہیں جاتا" وغیرہ جیسے الفاظ ہیں۔

٤......اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ (النساء۔۱۴۲)

ترجمہ: "بیشک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا"

مگر وہابی ترجموں میں منافقین دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور اللہ بھی ان کو دغا دے گا، گویا خدا کو منافق معاذ اللہ دھوکا دے سکتے ہیں اور وہ انہیں معاذ اللہ دھوکا دے گا یا دیتا ہے۔

٥......وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ٥ (الانفال۔۳۰)

ترجمہ اعلیٰحضرت: "اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا، اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے"

وہابیوں کی کرم فرمائی دیکھئے "اور وہ بھی فریب کرتے تھے اور اللہ بھی فریب کرتا تھا اور اللہ کا فریب سب سے بہتر ہے"۔ ان ترجموں پر غور کر کے خود فیصلہ کیجئے وہابی خدا کو کیا کیا گالی نہیں دے رہے۔ معاذ اللہ جسے یہ پوجتے ہیں اسے ٹھٹھا کرنے والا، دھوکا دینے والا، داؤ چلانے والا بھی کہتے ہیں۔ اس کے برعکس اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے انہیں آیتوں کا جو ترجمہ کیا ہے اسے بھی سامنے رکھئے وہابیوں نے جو توحید اور صفات خداوندی کا علم قرآن پاک سے اخذ کیا ہے کیا اسے معقول اور مومنانہ کہا جا سکتا ہے؟

یہ توحید وہی ہے جو ان منکرین اولیاء کا سب سے بڑا نعرہ ہے۔ جب توحید کے بارے میں ان کے نظریات میں یہ کچھ کجی، تاریکی اور سنڈاس ہے تو نبوت اور دوسرے عقائد کے بارے میں ان کے ترجمے کس حد تک کافرانہ ہوں

گے۔وہ نوجوان یہ سن کر خاموش ہو گیا ذرا ٹھہر کر اس نے پھر ایک سوال کیا، آخر علی بخش، حسین بخش، غوث بخش، پیراں دتہ جیسے ناموں کے بارے میں کیا خیال ہے۔
میں نے بتایا اصل میں اللہ ہی بیٹے بیٹیاں دیتا ہے اس کے سوا اصل معطی اور اولاد دینے والا کوئی نہیں۔ان ناموں کا اگرچہ ظاہری معنیٰ یہی ہے حضرت مولا علی، حضرت حسین، حضرت غوث پاک اور پیروں کا دیا ہوا۔مگر مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی دعا اور توجہ اور وسیلے سے یہ مہربانی فرمائی ہے۔اور اولاد سے نوازا ہے۔ورنہ کارساز حقیقی اسی کی ذات پاک ہی ہے۔نوجوان کی تسلی نہ ہوئی تو میں نے کہا قرآن پاک سے پوچھ لیجئے کہ یہ اطلاق اور انداز گفتگو ایمان اور توحید کے تقاضوں کے مطابق ہے یا شرک آلود ہے۔ سنئے حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے پاس تشریف لائے اور اپنے تعارف میں فرمایا

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ (مریم۔۱۹)

ترجمہ: بولا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔

اب فرمایئے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اس وضاحت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جبرائیل بخش کہنا کیا جائز نہیں ہوگا۔دیکھئے قرآن پاک کا بھی مقصود یہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا مگر اس کا وسیلہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بنے۔نوجوان نے کہا، حضرت جبرائیل نے یوں کیوں فرمایا، انہیں چاہئے تھا کہ اس طرح کہتے، یعنی اللہ نے بخشا اور میں صرف ایک ذریعہ ہوں۔ میں نے کہا اب گویا آپ اہل سنت پر اعتراض کرتے کرتے

جبرائیل علیہ السلام تک پہنچ گئے ہیں۔یعنی آپ کے نزدیک فرشتوں کے سردار نے بھی معاذ اللہ شرک کیا ہے۔کہیے جو اللہ کے معصوم فرشتوں کے سردار پر شرک کا فتویٰ لگانا چاہتا ہے۔اس کا اپنا ایمان کیا ہے۔پھر سوچیے جبرائیل نے آپ کے فہم کے مطابق معاذ اللہ اگر شرک کیا تو اللہ نے بھی ان الفاظ کو اسی طرح درج کر دیا۔کیا اب آپ اللہ پر بھی یہی فتویٰ دیں گے۔نیز بتائیے کیا جبرائیل اپنی مرضی سے آئے تھے اور اپنی مرضی سے بول رہے تھے۔قرآن تو انہیں کے بارے میں نہیں بلکہ سب فرشتوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ (النحل۔۵۰)

ترجمہ: اور وہ وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم ہو۔

کہنے لگا اچھا یہ بتا دیجیے کہ آخر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اس اندازِ گفتگو میں حکمت کیا ہے۔میں نے کہا ساری حکمتیں مجھ ایسا جاہل کیا سمجھے، ہاں اتنی بات ظاہر ہے کہ آپ جیسے مفتیوں کے حملے سے اہلِ ایمان کو محفوظ رکھنے کیلئے جبرائیل علیہ السلام کو یہ انداز اپنانے کا حکم ہوا ہوگا تا کہ مسلمان جان لیں کہ منکرین صرف حضور پرنور ﷺ کے غلاموں کو ہی نہیں فرشتوں کو بلکہ خود خدا کو بھی مشرک سمجھتے ہیں ان کا قرآن پڑھنا اور قرآن ماننا محض دھوکا دینے کیلئے ہے۔

اگلی ملاقات میں اس سنی نوجوان سے پتہ چلا کہ مجھ سے رخصت ہو کر وہ اہل حدیث کی مسجد میں گئے اور اس کے خطیب سے اس غیر مقلد نے قرآنی ترجموں کے بارے میں پوچھا تو اس نے اعتراف کیا، واقعی ہمارے علماء سے غلطی ہوگئی ہے اور واقعی انہوں نے قرآنی آیتوں کا ترجمہ کرتے ہوئے خدا کی شان میں نہایت نازیبا الفاظ لکھ دیئے ہیں۔ہاں آئندہ ایسا نہیں ہوگا اور ہم وہ الفاظ ترجموں

سے نکال رہے ہیں، میں نے عرض کیا، وہابی مذہب کے اکابر تو قرآن پاک کا ترجمہ نہیں سمجھے تو اصاغر کیا سمجھیں گے۔

☆......☆......☆

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
4
صفحہ نمبر 94
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

خطرناک توحید:

کتنی عجیب بات ہے کہ محبوبان خدا کے منکرین اپنی نام نہاد فہم قرآنی کے زور سے معاذ اللہ خداوند قدوس کو دھوکا باز، مستقبل سے جاہل، ہنسی مذاق کرنے والا کہہ لیں مگران کا ایمان برقرار رہے، اور محبوبان خدا کے محب اپنے خدا کو سبوح، بے عیب، قادر مطلق، عالم الغیب، لاشریک، مالک الملک جانتے ہوئے بھی محبوبان خدا کو دوسروں کا مشکل کشا سمجھ لیں یا انھیں داتا اور خواجہ بھی کہہ لیں تو مشرک ہوجائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اولیاءاللہ کے انکار اور دشمنی سے انسان کے دل پر مہر سی لگ جاتی ہے اور نتیجتاً تمام مفید سوجھ بوجھ اس سے نکل جاتی ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (البقرہ۔۷)

ترجمہ: اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر گھٹاٹوپ ہے اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔

اسی ختم (یا مہر) کا کرشمہ ہے کہ ایمان ان کے اندر داخل نہیں ہوسکتا اور کفروالحاد ان کے اندر سے باہر نہیں جاسکتا۔ مگر اس کا سبب کیا ہے، وہی یعنی اللہ والوں سے ان کی دشمنی۔ مزید اطمینان کیلئے دیکھئے ایک اقتباس۔ مشہور اہل حدیث سکالر جناب مولانا ابوبکر غزنوی اپنے والد گرامی جناب مولانا داؤد غزنوی کی سوانح حیات میں لکھتے ہیں۔

''مفتی محمد حسن نے ایک بار مولانا عبدالجبار غزنوی

کی ولایت کا ایک واقعہ سنایا۔ وہ واقعہ یوں تھا کہ امرتسر میں ایک محلّہ تیلیاں تھا جس میں اہلحدیث حضرات کی اکثریت تھی۔ اس محلے کی مسجد اسی نسبت سے مسجد تیلیاں والی کہلاتی تھی۔ وہاں عبدالعلی نامی ایک مولوی امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ وہ مدرسہ غزنویہ میں مولانا عبدالجبار غزنوی سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار مولوی عبدالعلی نے کہا کہ ابوحنیفہ سے تو میں اچھا اور بڑا ہوں کیونکہ انھیں صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں اور مجھے ان سے کہیں زیادہ یاد ہیں۔

اس بات کی اطلاع مولانا عبدالجبار غزنوی کو پہنچی، وہ بزرگوں کا نہایت احترام کیا کرتے تھے۔ انھوں نے یہ بات سنی تو انکا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہوگیا۔ انھوں نے حکم دیا کہ اس نالائق کو مدرسے سے نکال دو۔ وہ طالب علم جب مدرسے سے نکالا گیا تو مولانا عبدالجبار غزنوی نے فرمایا ''ایسا لگتا ہے کہ یہ شخص عنقریب مرتد ہوجائے گا''

مفتی محمد حسن راوی ہیں کہ ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ وہ شخص مرزائی ہوگیا اور لوگوں نے اسے ذلیل کر کے مسجد سے نکال دیا۔ اس واقعہ کے بعد کسی نے امام صاحب مولانا

عبدالجبار غزنوی سے سوال کیا، حضرت آپ کو کیسے علم ہو گیا تھا
کہ وہ عنقریب کافر ہو جائے گا۔ فرمانے لگے جس وقت مجھے
اس کی گستاخی کی اطلاع ملی۔ اسی وقت بخاری شریف کی یہ
حدیث میرے سامنے آ گئی کہ

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیاً فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ

(حدیث قدسی)

ترجمہ: جس شخص نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی تو میں
اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔

میری نظر میں امام ابوحنیفہ ولی اللہ تھے۔ جب اللہ کی
طرف سے اعلان جنگ ہو گیا تو جنگ میں ہر فریق دوسرے کی
اعلیٰ چیز کو چھینتا ہے۔ اللہ کی نظر میں ایمان سے اعلیٰ کوئی چیز
نہیں۔ اس لئے اس شخص کے پاس ایمان کیسے رہ سکتا تھا۔

(حضرت مولانا داؤد غزنوی)

سوچئے ایک امام اعظم رضی اللہ عنہ کی گستاخی و بے ادبی سے جب کسی
شخص کا ایمان سلب ہو سکتا ہے تو سارے ائمہ، مجتہدین، مجددین، عارفین اور صوفیہ
وصلحا کے انکار کا نتیجہ کیا ہونا چاہئے۔ چنانچہ جو بدنصیب حضور سیدنا غوث اعظم،
سرکار داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز، شیخ المشائخ حضرت سہروردی، حضرت مجدد
الف ثانی رحمہم اللہ جمیع صوفیہ پر طعنہ زنی کرتا ہے حتیٰ کہ عیاذاً باللہ ان کے ایمان پر حملہ

آور ہوتا ہے وہ ان مقربان بارگاہ کا تو کچھ نہیں بگاڑتا، البتہ اپنے فسق وکفر کا اعلان کرتا ہے۔ مولائے روم رحمۃ القیوم فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

ترجمہ: جب خدا کسی کی پردہ دری کر کے اس کی اصل حقیقت کو واشگاف کرنا چاہے تو اس کی ظاہری علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص اللہ کے پاک بندوں پر طعنہ زنی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

ایسا شخص قرآن کا حوالہ دیتا ہے یا کسی حدیث سے استدلال کرتا ہے تو بھی اس کا قول معتبر نہیں کیونکہ وہ قرآن یا حدیث کی فہم سے محروم ہو چکا ہے اور محبوبانِ خدا کی بے ادبی اسے کسی تاریک وآتشیں جہنم میں دھکیل چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے اللہ کے نبی یا اللہ کے ولی ہی سے بغض نہیں، اللہ کی کتاب سے بھی بغض ہے۔ ہاں ہاں اسے وہ کتاب کیونکر پسند آسکتی ہے جس میں اللہ کی قدرت کا ہر کمال اس کے کسی نبی یا ولی کے حوالے سے ظاہر کیا گیا ہے۔ جس میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے معجزات کا اور اولیائے کاملین کی کرامات کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے۔ انھیں اپنی اپنی شان کے لائق نصیر، ولی، بوجھ اتارنے والا، طوق کھولنے والا، غنی کرنے والا، نعمت دینے والا، حلال وحرام کا اختیار رکھنے والا، دور کی سننے والا، دور تک تصرف کرنے والا بتایا گیا۔ چنانچہ ایسے منکر کو ایک جگہ نہیں، قرآن حکیم کی متعدد سورتوں اور ان گنت آیتوں سے شرک کی بو آتی ہے۔ اسی شرک کی بو نے اس کی سماعت، بصارت اور گفتگو کو بودار بنا دیا ہے۔ یقین نہ آئے تو سنئے جناب

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا بیان، شرح ارمغان حجاز حصہ فارسی میں لکھتے ہیں۔

''نجدی وہابی سرکار دو عالم ﷺ سے محبت نہیں کرتے اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ۱۹۴۶ء میں راقم الحروف کو گنبد خضرا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو میں نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے اسماء مبارکہ میں سے رءُوف اور رحیم مٹے ہوئے ہیں۔ میں نے سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نجدیوں کو ان ناموں سے شرک کی بو آتی ہے۔ اس پر میں نے کہا، بات تو جب ہے قرآن مجید کی اس آیت سے سے بھی ان دونوں لفظوں کو خارج کر دیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (التوبہ: ۱۲۸)

مسئلہ توسل اور منکرین کی ضد:

دیکھا، رءُوف اور رحیم یہ دو نام خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائے ہیں اور یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں حضور پرنور ﷺ کا امتیازی وصف ہے۔ چنانچہ

قَالَ الْحُسَیْنُ بْنُ فَضْلٍ لَمْ یَجْمَعِ اللّٰہُ لِاَحَدٍ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ اِسْمَیْنِ مِنْ اَسْمَائِہٖ اِلَّا لِلنَّبِیِّ مُحَمَّدٍ ﷺ

(ضیاء القرآن زیر آیت حریص علیکم بالمؤمنین رءوف رحیم جلد ۲ ص ۲۶۹)

ترجمہ: حسین بن فضل نے کہا، اللہ تعالیٰ نے اپنے ان دو ناموں کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا کسی میں جمع نہیں فرمایا۔

منکرین شان حبیب کو ان سے بھی بوئے شرک آتی ہے (تو معلوم ہوا کہ ان کی توحید کا ماخذ قرآن نہیں ان کا اپنا گمان فاسد ہے)

اسی طرح وہ امور جن کے سرانجام دینے کا حکم قرآن پاک میں دیا گیا ہے، عقل کے اندھے اور ایمان کے یہ دشمن یہی نہیں کہ انھیں حق نہیں سمجھتے بلکہ ان پر عمل کرنے والوں اور خدا کی اطاعت کرنے والوں کو مشرک بھی سمجھتے ہیں۔ مثلاً خدائے کریم جل مجدہٗ قرآن پاک میں فرماتا ہے

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (الفتح:۹)

ترجمہ: اور اس (رسول) کی تعظیم وتوقیر کرو۔

کتنے واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام کا حکم دے رہا ہے۔ (چنانچہ جس طرح بھی ادب واحترام کیا جائے اس حکم کی تعمیل ہوگی سوائے کسی ایسے کام کے جس سے روکا گیا ہے، جیسے سجدۂ تعظیم)

ایک دوسرے مقام پر اس کے نبی کریم ﷺ کی تعظیم کرنے والوں کو عظیم رحمتوں کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (الاعراف ۱۵۷)

ترجمہ: پس جو ایمان لائے اس نبی پر اور اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور پیروی کی اس نور کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا، وہی کامیاب ہیں۔

ایک حضور رحمۃ للعلمین ﷺ ہی تک محدود نہیں، اللہ سارے رسولوں کو

صاحب فضیلت فرما رہا ہے۔ چنانچہ تیسرے پارے کی پہلی آیت میں ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرہ:۲۵۳)

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔

اب دیکھئے نجدی ذہنیت کی ترجمانی کرنے والی سب سے پہلی اردو کتاب یعنی 'تقویت الایمان'، قرآن پاک کی کن لفظوں میں مخالفت کرتی ہے۔ محبوب خدا کی عزت وعظمت کا خدائی فیصلہ آپ دیکھ چکے، اب اسمٰعیلی فتوی ملاحظہ ہو۔

۱...... نبی کی شان:

''جیسا کہ ہر قوم کا چوہدری اور گاؤں کا زمیندار ہو۔
ان معنوں میں ہر نبی اپنی امت کا سردار ہے''۔ (تقویت الایمان)

معاذ اللہ اب سوچو اگر نبی چوہدری اور زمیندار کی طرح ہوتا ہے تو بادشاہ اور وزیر کون ہے؟

نیز قرآن مجید میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کو مومنوں کی مائیں کیوں فرمایا گیا۔

۲...... مقربین (یعنی انبیا و اولیاء) کا مرتبہ:

''جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی'' (تقویت الایمان)

کوئی پوچھے نبی بھی بھائی کی طرح ہوتا ہے تو صحابہ کرام حضور ﷺ سے کیوں عرض کرتے تھے۔

بابی انت و امی

(بخاری کتاب الاذان باب رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ جلد ا ص۱۰۳، کتاب الجنائز باب الامر باتباع الجنائز

جلد:۱ ص۱۶۶، باب قول النبی لوکنت متخذ اخلیلا جلد:۱ص۵۱۷)

ترجمہ: یعنی میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان

۳......اختیارات:

''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں'' (تقویت الایمان)

معاذ اللہ اس سے زیادہ بے ادبی کا انداز اور کیا ہوسکتا ہے اور اس سے بڑا جھوٹ کیا ہوسکتا ہے۔

۴......تعریف:

''جو بشر کی سی تعریف ہو، وہی کرو سو اس میں بھی اختصار کرو''

(تقویت الایمان)

اس سے بڑا کفر کیا ہوگا۔

اسی طرح قرآن پاک میں ایک اور حکم ہے، وسیلہ تلاش کرنے کا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَ جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ٥ (المائدۃ:۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

کس قدر واضح ہے ارشاد ربانی کہ وسیلہ تلاش کرو مگر وہابی ذہنیت اور حافظ سعیدی فکر کے مطابق وسیلہ تلاش کرنا شرک ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ اگر مشرک گری کی زیادہ ہی لت پڑ گئی ہے اور مشرک کہے بغیر کھانا ہضم ہی نہ ہوتا ہو تو انھیں

مشرک کہو جو وسیلہ تلاش نہ کریں کیونکہ حکم پر نہ چلنا اگر فسق ہے تو حکم کو غلط سمجھنا اور اس کے برعکس کوئی اور فیصلہ کرنا گویا خود کو خدا کے مقابل خود کو حاکم ظاہر کرنا ہے تو یقیناً یہ کفر و شرک ہی ہو سکتا ہے یعنی حکم کو درست مان کر عمل نہ کرنا فسق، غلط سمجھنا کفر اور خود کو خدا کے مقابل حاکم بنانا شرک، اس سلسلے میں ان تینوں درجوں کا فیصلہ خود اسی سورۂ پاک میں ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ ۴۴)

ترجمہ: اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں تو وہی لوگ کافر ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (المائدہ۔۴۵)

ترجمہ: اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

یہ ان آیات کے آخری حصے ہیں۔ ان کی روشنی میں اللہ کے اتارے ہوئے حکم کو غلط سمجھنے والا کافر، اللہ کے حکم کے مقابلے میں خود کو حاکم سمجھ کر کوئی اور حکم دینے والا ظالم (مشرک) اور اللہ کے حکم کو حق سمجھ کر محض عمل میں کوتاہی کرنے والا فاسق ہے۔ اس تصریح کو ذہن میں رکھیے اور پھر وسیلے کے منکرین کے بارے میں فیصلہ کیجئے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ پہلے یہ بات واضح کر دی جائے کہ یہاں وسیلے سے کیا مراد ہے۔ رئیس المخالفین، جناب مولانا محمد اسمٰعیل شاہ صاحب دہلوی جنھوں نے برصغیر میں سب سے پہلے محبوبانِ خدا کی عظمت و برکت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اپنی کتاب صراط مستقیم میں فرماتے ہیں۔

اہل سلوک این آیت را اشارت بسلوک می فہمند و وسیلہ
مرشد رامی دانند پس تلاش مرشد بنا بہ فلاح حقیقی وفوز حقیقی
پیش از مجاہدہ ضروری ست وسنت اللہ برہمیں منوال جاری ست

لہٰذا بدون مر شد راہ یابی نادر است

ترجمہ: اہل سلوک اس آیت کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور وہ وسیلہ مرشد کو جانتے ہیں پس حقیقی و تحقیقی کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کیلئے مجاہدہ و ریاضت سے پہلے تلاش مرشد از بس ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ اسی لئے مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ و نادر ہے۔ ان سے پہلے ان کے جد امجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ اپنی کتاب 'القول الجمیل' میں لکھ چکے ہیں کہ اس آیت میں تلاش وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے۔

ان دونوں مضبوط سندوں کو سامنے رکھ کر اب خود فیصلہ کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود اس آیت میں وسیلۂ مرشد کا حکم دیا ہے تو اس کی مخالفت کرنے والے اور اس پر عمل نہ کرنے والے کا کیا حکم ہے نیز جناب حافظ محمد سعید صاحب جو وسیلے کے شاید دور حاضر میں سب سے بڑے باغی ہیں قرآنی حکم کے مطابق کس زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔ لیجئے دو لفظوں میں اس کا خلاصہ: وسیلۂ مرشد تلاش کرنا، اللہ کا حکم، جو اس پر عمل نہ کرے، وہ فاسق، جو اس کو غلط سمجھے، وہ کافر، اور جو اس کے مقابل حکم دے وہ ظالم و مشرک۔ چونکہ حافظ صاحب موصوف اس حکم کے منکر و مخالف ہی نہیں بلکہ اس کے مقابلے میں اپنا حکم یعنی وسیلے کی مخالفت کو نافذ کر رہے ہیں اور دوسروں کو اپنے حکم کا پابند کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا وہ رئیس المشرکین ہوئے افسوس انھیں اس بات کا علم ہی نہیں کہ اللہ کی بات سے کسی کی بات سچی ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کے فیصلے سے کسی کا فیصلہ بہتر۔ کاش انہیں قرآن کے ان اعلانات کا علم ہوتا۔

ا......وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثًا ۝ (النساء:۸۷)

ترجمہ: اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔

۲.....اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ط وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ O (المائدہ ۵۰)

ترجمہ: تو کیا جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر کس کا حکم یقین والوں کے لئے۔

اولیاء عام مخلوق کا وسیلہ ہیں اور انبیاء علیہم السلام اولیاء علیہم الرحمہ کا بھی وسیلہ اور حضور ختم الانبیاء سید المرسلین ﷺ سب نبیوں رسولوں بلکہ ساری مخلوق کا وسیلہ جیسا کہ آیات وروایات سے ظاہر ہے۔اس آیت کی ابتدا چونکہ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (یعنی اے ایمان والو) کے خطاب سے ہے لہذا اس سے مراد وسیلۂ مرشد ہی مناسب تر ہے۔

مشرکین کا فکر وعمل:

طلوع اسلام سے پہلے کفار بتوں کو پوجتے بھی تھے اور انہیں وسیلہ بھی بناتے تھے ۔سورۃ المائدہ کی اس آیت کی روشنی میں وسیلۂ اولیاء کے منکرین سوچیں، ''اگر انہیں محبوبان خدا کا وسیلہ پسند نہیں تو آیا دور جاہلیت کی طرح بتوں کا وسیلہ درکار ہے''۔آخر کیوں وہ اللہ تعالی کے حکم سے سرتابی کرتے ہیں۔

اگر اسلام اور جاہلیت کے الگ الگ وسیلوں پر غور کریں تو ایک عجیب صورت حال سامنے آتی ہے۔اللہ کے بندے نبی ولی سب اللہ کی توحید کے علمبردار اور بتوں کے دشمن اور ان کے برعکس شیطان اللہ کا دشمن، بتوں کا حامی اور بت پرستوں کا سرپرست۔ اللہ اپنی بارگاہ میں اپنے محبوبوں کا وسیلہ پسند کرتا ہے اور شیطان مخلوق خدا کو توحید سے ہٹا کر بتوں کی پرستش کرانا چاہتا ہے اور حسب حال انہیں چالاکی سے وسیلے کا بہانہ سکھاتا ہے چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے کہ بت پرست

بتوں کی پرستش کا فلسفہ یوں بیان کرتے ہیں۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط (الزمر۔۳)

ترجمہ: (کہتے ہیں) ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لئے

پوجتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے ہاں نزدیک کردیں۔

دو پارٹیاں:

گویا اب دو پارٹیاں بن گئی ہیں۔

۱.....حزب اللہ جو اللہ والوں کو اپنا وسیلہ سمجھتی ہے

۲.....حزب الشیطٰن جو شیطانی چیزوں کو مثلاً بتوں کو اپنا وسیلہ بناتی ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

حزب اللہ کا مدار استدلال یہ ہے کہ بتوں کو پوجنا احمقانہ حرکت ہے ایک تو اللہ کے سوا کوئی معبود سرے سے موجود ہی نہیں اور نہ موجود ہوسکتا ہے، اور یہ بت تو تمھارے ہاتھ کے گھڑے ہوئے بے جان ہیں کہ نہ سنیں، نہ دیکھیں، نہ کسی کو جانیں پہچانیں اور نہ کسی کے کام آسکیں اور نہ خود کو مکھی تک سے بچا سکیں۔ ان کے مقابلے میں حزب الشیطٰن کی جوابی کاروائی یہ ہے کہ جنھیں تم وسیلہ بناتے ہو یعنی انبیاء واولیاء وہ بھی نہ دیکھ سکیں، نہ سن سکیں، نہ کسی کی مدد کرسکیں اور نہ اپنے جسموں سے مکھی ہٹا سکیں وغیرہ۔ حزب الشیطٰن کو اس سے کیا غرض کہ ان کے معجزات اور کرامات کی چار دانگ عالم میں دھوم ہے۔ جنہیں اللہ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ یہ اپنے اپنے مرتبے کے مطابق خدائے بزرگ و برتر کے خلفاء ہیں اور اس

اعتبار سے ان کو اس قادر و قیوم نے بے مثال اختیارات اور قوتوں سے نوازا ہے۔
جس اللہ نے عام انسانوں کو سمیع و بصیر وغیرہ بنایا ہے وہ اپنے محبوبوں کو دوسروں سے زیادہ نواز سکتا ہے اور نوازتا ہے۔ زیادہ دلچسپ صورت حال اس وقت ہوتی ہے جب حزب الشیطٰن (شیطانی پارٹی) کمال عیاری و مکاری سے ان آیات کو جو بتوں کی بے بسی، بے حسی، بے بصری وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں حزب اللہ پر محض اپنی انتقامی کارروائی سے چسپاں کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور کمال ڈھٹائی سے یہ جھوٹ بولتی ہے کہ بتوں اور محبوبانِ خدا کے توسل میں کوئی فرق نہیں اور جس طرح بت پرست بتوں کو پوجتے ہیں یونہی محبوبانِ خدا کے غلام انہیں یعنی محبوبانِ خدا کو پوجتے ہیں حالانکہ محبوبانِ خدا کے غلام اپنے سچے پاک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور توحید ان کے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی ہے کہ مدہوشی کے عالم میں بھی ان کی زبان سے کلمۂ شرک نہیں نکلتا۔ اللہ والوں کو اپنا وسیلہ بناتے ہیں تو محض اس لئے کہ یہ ایمان والے ہیں اور ان کے اللہ نے ایمان والوں کی تلاش (وسیلہ) کا حکم دیا ہے جس طرح شیطان اپنی پارٹی کو بتوں کی عبادت و توسل کا حکم دیتا ہے۔

حزب اللہ اور حزب الشیطٰن کا یہ مقابلہ صرف زبانی دعووں تک محدود نہیں بلکہ عملاً بھی ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا حزب اللہ کے سالار اعظم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد کعبہ مقدسہ کے اندر باہر سے تین سو ساٹھ بت توڑ تاڑ کر اللہ کے گھر کو پاک کیا بلکہ اپنی حکومت میں جہاں بھی بت رکھے ہوئے تھے انہیں ختم کر دیا۔ صدیوں بعد اسی حزب اللہ کا ایک فرد تھا محمود غزنوی (علیہ الرحمۃ) جس نے سومنات کو فتح کر کے بت شکن بننا پسند کر لیا، بت فروش بننا گوار

نہ کیا۔اس کے مقابلے میں حزب الشیطن کی جوابی کاروائی یہ ہے کہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے والے صحابہ کرام کی قبریں اکھاڑ دیں۔مدینہ منورہ میں جنت البقیع اور مکہ مکرمہ میں جنت المعلیٰ کو دیکھ لیں، کیا اہل بیت ،صحابہ،تابعین،آئمہ کرام علیھم الرضوان میں کسی کی قبر نظر آتی ہے؟ ہرگز نہیں، ان میں بعض قبریں یقیناً وہ تھیں جنہیں خود حضور اکرم ﷺ نے بنوایا تھا۔مگر حزب الشیطن کو بھی تو یہی تکلیف ہے کہ انہیں اللہ کے محبوب اعظم ﷺ نے اور صحابہ کرام نے بنوایا تھا۔حزب الشیطن کو اپنے نعرے کے مطابق صرف بدعت سے نفرت ہوتی تو بعد میں بننے والے قبے ہی گرائے جاتے مگر اس نے تو بلڈوزر پھیر کر قبروں کا نام ونشان تک مٹا ڈالا۔ کیوں؟ شیطان نے اپنی پارٹی کے ذریعے بدلہ لے لیا۔اب اگر بعض لوگ غوث اعظم ،داتا صاحب،خواجہ صاحب علیھم الرضوان کی قبروں کو مسمار کرنا چاہتے ہیں تو اسی لئے کہ ان قبروں سے ایمان کی نشوونما ہوتی ہے۔یہاں خدا کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔زیارت کرنے والے دل کفروشرک کے وسواس سے بھی پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔یہاں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے۔یہاں نہایت ہی خلوص سے بارگاہ خداوندی میں سجدہ ہائے نیاز لٹائے جاتے ہیں۔یہاں درودوسلام کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اوران قبروں کے فیض سے انسان روحانی طور پر فضائے قدس میں محو پرواز ہو کر قرون اولیٰ کی مقدس فضاؤں تک پہنچ جاتا ہے۔یہ سب کچھ شیطان کیوں کر گوارا کر سکتا ہے جو انسانوں کا سب سے بڑا دشمن اور حاسد ہے، چنانچہ خود تو سامنے آنے سے رہا،البتہ اپنے فرزندوں سے زہر اگلوا تا رہتا ہے۔اس کشمکش میں حزب اللہ کو امداد کی ضرورت ہو تو اللہ کو اور اولیاء اللہ کو پکارتی ہے۔کیونکہ حقیقی امداد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے اسی لئے ایاک نستعین پڑھنے کا حکم دیا اور

اس کے فضل و کرم سے اس کے پاک بندے بھی امداد کرتے ہیں اسی لئے حدیث پاک میں وظیفہ بتایا گیا اعینونی یا عباد اللہ یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ حزب الشیطٰن کو امداد کی ضرورت ہو تو اولیاء من دون اللہ کو پکارتی ہے جیسے سعودی عرب کو ایک دفعہ عراق سے خطرہ محسوس ہوا تو امریکہ کو پکارا گیا، جس طرح حزب اللہ کا یقین ہے کہ ہر وقت اللہ کے فضل کی ضرورت ہے چنانچہ صبح و شام اس کی بندگی کی جاتی ہے اور اس کے نبی پر درود و سلام بھیجا جاتا ہے، یونہی حزب الشیطٰن کے نزدیک امریکہ کی مہربانی کے بغیر گزارا نہیں۔ چنانچہ سعودی عرب ایک عرصے سے اسی کے زیر سایہ ہے۔ شعائر کفر تباہ ہوں تو حزب اللہ کو خوشی ہوتی ہے چنانچہ امریکہ میں آسمانی بجلی گری، جنگلوں کو کئی دن آگ نے گھیر رکھا، بھارت میں تباہ کن زلزلہ آیا تو ہم نے سمجھا یہ کشمیریوں کے قتل عام کی سزا ہے اور اس کے برعکس شعائر اسلام یعنی مساجد و مزارات کو تباہ کیا جائے تو حزب الشیطٰن کو خوشی ہوتی ہے چنانچہ الدعوۃ (جنوری ۱۹۹۳) کا ایک عنوان ملاحظہ ہو "طاہر القادری کے غوث الاعظم پر لنٹر گر پڑا"۔ غوث الاعظم سے یہاں مراد پروفیسر صاحب کے مرشد گرامی حضرت پیر سیدنا و مولانا طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانی قدس سرہٗ ہیں۔

جس طرح حزب اللہ والے اولیاء اللہ مثلاً داتا گنج بخش ہجویری، حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری اور حضور نقش لاثانی علیہم الرحمہ کے مزارات پر پھول چڑھاتے ہیں۔ حزب الشیطٰن والے اولیاء من دون اللہ کی قبروں اور سمادھیوں پر پھول چڑھاتے ہیں۔ چنانچہ

(۱) سعودی عرب کے کنگ فیصل نے گاندھی کی سمادھی پر پھول چڑھائے۔

(روزنامہ نوائے وقت ۱۱ مئی ۱۹۵۵ء)

(۲) دوسرے کنگ سعود نے ارلنگٹن کے قبرستان میں ایک مشرک کی قبر پر پھول چڑھائے۔ (نوائے وقت، ۲ فروری ۱۹۵۷ء)

(۳) سعودی عرب کے اس وقت کے وزیر دفاع اور موجودہ کنگ فہد نے جارج واشنگٹن کی قبر پر پھول چڑھائے۔ (روزنامہ کوہستان ۲ فروری ۱۹۵۷ء)

مختصر یہ کہ اگر کعبہ مقدسہ میں کوئی بت نہیں تو حزب اللہ کا کارنامہ ہے۔ اس کے برعکس جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں کوئی مزار نہیں تو یہ حزب الشیطٰن کی کارروائی ہے۔ یونہی سمجھ لیجئے کہ 'الدعوۃ' ترجمان ہے تو اسی حزب الشیطٰن کا جو اللہ کے مقربین، صوفیہ و علماء کو مشرک کہتے ہیں اور 'الحقیقہ' نقیب ہے حزب اللہ کا۔ بہر حال حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) اور حزب الشیطٰن (شیطان کی پارٹی) ابتداء ہی سے ایک دوسرے کے خلاف جنگ آزما ہیں۔ کبھی بظاہر ایک کی فتح اور کبھی دوسری غالب، لیکن آخری نتیجہ حزب اللہ ہی کے حق میں ہوتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے اعلان فرمایا ہے۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ٥ (المجادلہ:۲۲)

ترجمہ: ''خبردار۔ اللہ ہی کی پارٹی کامیاب ہے۔''

ہولناک انکشافات: ممکن ہے کہ کوئی صاحب ان دلائل کو محض دور کی کوڑی خیال فرمائیں اور سوچیں کہ صوفیائے کرام کا زلہ خوار آسی محبوبانِ خدا کو مشرک کہنے والوں کی جسارت برداشت نہیں کر سکا اور انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر حضرت داتا گنج بخش جیسے اولیائے کرام کے دشمنوں سے بدلہ لیتے لیتے زیادہ ہی جذباتی ہو گیا ہے ورنہ یہ حقیقت نہیں ہو سکتی۔ دوستو! یہ بات نہیں، آدمی کو سخت غصہ میں بھی سچائی کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے اور حزب اللہ کی صداقتوں کی دہائی دینے والے کو

ہرگز یہ شایاں نہیں کہ کسی طور پر بھی جھوٹ سے ملوث ہو۔آپ اگر تصدیق کرنا چاہیں کہ شیطان اوراس کے چیلے چانٹوں کو محبوبان خدا کے مزارات سے کیا تکلیف ہے تو انگریز جاسوس ہمفرے کی لکھی ہوئی کتاب کا مطالعہ کریں۔یہ کتاب اردو ترجمے کی شکل میں 'ہمفرے کے اعترافات' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ معاذ اللہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے شیطن کی معنوی اولاد یعنی انگریزوں نے کیا پروگرام بنایا اوراس سلسلے میں کیا منصوبہ بندی کی گئی۔

یہ کتاب (ہمفرے کے اعترافات) اصل انگریزی میں بھی مل جاتی ہے۔اردو،عربی، فارسی اور ترکی وغیرہ میں اس کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔اسلام کے خلاف غیروں کی سازشوں کی جو تفصیل اس میں دی گئی ہے۔اس کی یہاں گنجائش نہیں۔اس سلسلے میں عظیم محقق مسعودِ ملت حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد (گولڈ میڈلسٹ) کی تصنیف لطیف ''جانِ جاناں'' سے ایک اقتباس نذر قارئین ہے۔

''(انگلستان کی) وزارت نو آبادیات کی طرف سے ہمفرے کو ایک ہدایت نامہ بھی دیا گیا جس کا عنوان تھا (معاذ اللہ) ''اسلام کو صفحہ ہستی سے کیونکر مٹایا جاسکتا ہے''۔یہاں اس ہدایت نامے کی چیدہ چیدہ شقوں کو پیش کرتا ہوں

ا......ایسے افکار کی ترویج جو قومی،قبائلی، نسلی عصبیتوں کو ہوا دیں اور لوگوں کو گزشتہ قوموں کی تاریخ، زبان اور ثقافت کی طرف شدت سے مائل کردیں،وہ ماقبل اسلام تاریخی شخصیتوں پر فریفتہ ہوجائیں اوران کا احترام کریں۔

۲......مسلمانوں کو اسلامی احکامات اوراس کے اوامر ونواہی سے روگردانی کی ترغیب دیں کیونکہ احکام شرع سے بے توجہی معاشرے میں بدنظمی اور افراتفری

کا سبب ہوتی ہے۔

۳......علمائے دین اور عوام کے درمیان دوستی اور احترام کی فضا کو آلودہ کرنا وہ اہم فریضہ ہے جسے انگلستان کی حکومت کے ہر ملازم کو یاد رکھنا چاہئے۔

۴......ائمہ دین کے مزارات پر تعمیر کی بندش۔

۵......اپنے آپ کو تمام گھرانوں میں پہنچا کر باپ بیٹے کے تعلقات کو اس حد تک بگاڑا جائے کہ بزرگوں کی نصیحت بے اثر ہو جائے۔

۶......عورتوں کی بے پردگی کے بارے میں ہمیں سعی بلیغ کی ضرورت ہے تاکہ مسلمان عورتیں خود پردہ چھوڑنے کی آرزو کرنے لگیں۔

۷......ہماری دشواریوں میں ایک بڑی دشواری بزرگان دین کے مزاروں پر مسلمانوں کی حاضری ہے۔ضروری ہے کہ مختلف دلائل سے یہ ثابت کیا جائے کہ قبروں کو اہمیت دینا اور ان کی آرائشات پر توجہ دینا بدعت اور خلاف شرع ہے۔آہستہ آہستہ ان قبروں کو مسمار کر کے لوگوں کو ان کی زیارت سے روکا جائے

۸......دوسرا کام ہمیں یہ کرنا ہوگا کہ حقیقی سادات اور علمائے دین کے سروں سے ان کے عمامے اتروائیں تاکہ پیغمبر خدا سے وابستگی کا سلسلہ ختم ہو اور لوگ علماء کا احترام چھوڑ دیں۔

۹......آزاد خیالی اور چون و چرا والی کیفیت کو مسلمانوں کے اذہان میں راسخ کرنا چاہیے تاکہ ہر آدمی آزادانہ طور پر سوچنے کے قابل ہو۔

۱۰......نسل کو کنٹرول کیا جائے اور مردوں کو ایک سے زیادہ بیوی اختیار کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔نئے قوانین وضع کر کے شادی کے مسئلے کو دشوار بنایا جائے۔

اسی قسم کی اور بہت سی ہدایات ہیں جو ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ وزارت نو آبادیات نے اسلام کی طاقت وقوت کے سرچشموں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان دو سرچشموں کا بھی ذکر کیا ہے جو نہایت اہم ہیں۔

(الف) پیغمبر اکرم ﷺ، اہل بیت، علماء اور صلحا کی زیارت گاہوں کی تعظیم اور ان مقامات کو اجتماع کے مراکز قرار دینا

(ب) سادات کا احترام اور رسول اکرم ﷺ کا اس طرح تذکرہ کرنا گویا وہ ابھی زندہ ہیں اور درود وسلام کے مستحق ہیں۔

ان سرچشموں کو پاٹنے کے لئے یہ ہدایات دی گئی۔

پیغمبر اسلام ﷺ، ان کے جانشینوں اور کلی طور پر اسلام کی برگزیدہ شخصیتوں کی اہانت کا سہارا لے کر اور اسی طرح شرک و بت پرستی کے آداب و رسوم کو مٹانے کے بہانے مکہ، مدینہ اور دیگر شہروں میں جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی زیارت گاہوں اور مقبروں کی تاراجی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وزارت نو آبادیات نے ضرورت محسوس کی کہ مسلمانانِ عالم کے عقائد و افکار میں رخنہ ڈالنے کے لئے نیا مسلک و مذہب ایجاد کیا جائے اور پھر اس مذہب میں شمولیت اختیار نہ کرنے والے مسلمانوں کی تکفیر اور ان کے مال، عزت اور آبرو کی بربادی کو روا سمجھا جائے اور اس ضمن میں گرفتار کیے جانے والے مخالفین کو بردہ فروشی کی مارکیٹ میں کنیز و غلام کی حیثیت سے بیچنا۔

چنانچہ اس پروگرام کے تحت نئے مسلک و مذہب کو متعارف کرایا گیا۔ اور وہی کچھ کیا جس کی وضاحت مندرجہ بالا الفاظ میں کی گئی ہے۔ بیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں بھی ایک کوشش کی گئی اور اس سے قبل انیسویں صدی

عیسوی میں بھی کی جا چکی تھی۔

پروفیسر صاحب موصوف حاشیہ نمبر ۳۹ کے تحت لکھتے ہیں۔

۳۹...... اس مقصد کے حصول کیلئے بین الاقوامی سطح پر آثار قدیمہ کے تحفظ کی تحریک موجود ہے۔اصل میں یہ ایک سیاسی حربہ ہے۔ ایک طرف اسلامی آثار کو سرزمین حجاز میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں مٹایا گیا، دوسری طرف سرزمین مصر میں فراعین مصر کے آثار کو زندہ کیا گیا۔ یہی کام ایران میں کیا گیا اور ماضی قریب میں دونوں ممالک کے مسلمان شدت سے علاقائی قوم پرستی کی طرف مائل ہوئے اور قبل اسلام تاریخی شخصیتوں پر فریفتہ ہونے لگے اور فخر کرنے لگے، یہی حربہ پاکستان میں استعمال کیا اور یہاں بھی بہت سے جوان قبل اسلام تاریخی شخصیتوں پر فخر کرنے لگے اور اسلام اور اسلامی شخصیتوں سے بیگانہ ہونے لگے اس وقت پاکستان میں مندرجہ ذیل مقامات پر آثار قدیمہ کی کھدائی ہو رہی ہے اور بعض مقامات پر ہو چکی ہے۔

۱...... موہنجوڈارو (سندھ) ۲...... ہڑپہ (پنجاب)

۳...... ٹیکسلا (پنجاب) ۴...... مہر گڑھ (بلوچستان) وغیرہ

پروفیسر صاحب موصوف حاشیہ ۳۹ کے تحت لکھتے ہیں

سندھ میں مکلی، ٹھٹھہ، منصورہ، بھنبھور وغیرہ میں اسلامی آثار ہیں مگر دنیا کو جو فکر قبل اسلام آثار کے تحفظ کی ہے

وہ فکر اسلامی آثار کی نہیں، میرا قیام مکلی میں ہے جو ایک تاریخی شہر ہے جہاں ایشیا کا سب سے بڑا قبرستان موجود ہے، جہاں صدیوں پرانے اسلامی آثار ہیں مگر بہت سے آثار تو خود میرے سامنے مٹ گئے دنیا کو اس کی حفاظت کی اتنی فکر نہیں اس میں جو راز ہے وہ یہی ہے کہ نئی نسل کے مسلمان نو جوان آثار کو بھلا کر اسلام اور اسلامی شخصیتوں کو بھلا دیں۔ میں نے اپنے ایک دوست (جو محکمہ آثار قدیمہ میں افسر ہیں) سے پوچھا ''کیا سیاست اور آثار قدیمہ کا کوئی باہمی تعلق ہے؟'' وہ حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگے بہت سوچا مگر نہ بتا سکے اس پر خود مجھے حیرت ہوئی کہ ہمارا دانشور طبقہ جو اسی محکمے سے متعلق ہے وہ بھی اصل راز سے بے خبر ہے۔

☆......☆......☆

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
5
صفحہ نمبر 116
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

فرقہ وارانہ اختلافات کی بنیاد:

اوپر کے اقتباس کو خوب غور سے پڑھیں اور دیکھیں غیر مسلم طاقتیں اسلام سے کس حد تک خائف ہیں اور معاذ اللہ اسے مٹانے کے لیے کس کس قسم کے جتن کرتی رہی ہیں اور کر رہی ہیں۔ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اہل اسلام کی وابستگی کسی صورت گوارا نہیں۔ وہ اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ کے نشانات تک کو مٹانا چاہتے ہیں۔ انھیں اسلامی تہذیب و ثقافت قطعاً برداشت نہیں۔ وہ مسلم معاشرے کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اسے بالکل امریکی اور برطانوی معاشرے کی گھٹیا سطح پر لانا چاہتے ہیں۔ وہ عورتوں کو بے پردہ کر کے انھیں عیاشی اور ہوس رانی کا آلہ بنانے کے درپے ہیں۔ انھیں نوجوانوں کو والدین کا بے ادب، گستاخ اور سرکش، دین سے بیزار، لہو ولعب کا دلدادہ، شرم وحیا سے عاری بنانے کا جنون ہے۔ ان کے نزدیک اولیاء اللہ کے مزارات سے بھی وابستگی گویا مسلمانوں کی اپنی تاریخ اپنے ماضی اور اپنے دین سے وابستگی کی علامت ہے لہٰذا اسلام کے معاذ اللہ نیست ونابود کرنے کے لیے ان کو مسمار کرنا بھی ضروری ہے۔ پھر یہ سب کچھ کر لینے کے باوجود ہوسکتا ہے کوئی مسلمان کسی وقت بھی جذبۂ عشق رسول ﷺ سے سرشار ہو کر باطل کے آگے سینہ تان لے لہٰذا اس کا امکان بھی نہیں رہنا چاہیے لہٰذا سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام، ایمان، عرفان اور نقطۂ توحید کی بنیاد ہی ختم کر دی جائے یعنی دلوں سے عشق رسول ﷺ کی گرمی ہی نکال دی جائے۔ دشمنوں کے نزدیک اسلام کے شعائر سے وابستگی درست نہیں لہٰذا نماز روزے وغیرہ احکام خداوندی کا احترام ختم ہو جانا چاہیے مگر کوئی شخص اگر نماز روزہ کی پابندی کرنے کے باوجود حضور سرور کون ومکاں ﷺ کی محبت سے خالی اور

دوسروں کو خالی کر رہا ہو تو وہ عالم بے عمل اور مادر پدر آزاد لوگوں سے بھی ان کے مشن کے لیے زیادہ مفید ہے۔ایسا شخص علم وعمل سے آراستہ ہو کر جب سید ھے ساد ھے اسلام پسند لوگوں میں گھل مل کر فنکاری دکھائے گا تو بڑی آسانی سے ان کے اندر کے عشق رسول ﷺ کی شمع کو بجھانے میں کامیاب ہو جائے گا اور اپنی ظاہری پابندی سنت نام نہاد تقوی وطہارت سے ہزاروں لاکھوں کا بیڑا غرق کر سکے گا۔حضور پرنور ﷺ کی محبت سے مسلمانوں کے دلوں کو نا آشنا کرنا مشکل ترین کام ہے جواس عیاری ومکاری سے آسان ترین ہو جاتا ہے

تسبیح تو نے ڈال کے گردن میں اے صنم

کھینچا ہما کو مرغ مصلیٰ کے جال میں

ظاہر ہے انگریز شاطروں نے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مرزا قادیانی اور شیطان رشدی جیسے بد بخت ہی پیدا نہیں کئے بلکہ شہزادوں اور ولی عہدوں کی مخصوص تربیت، نصاب تعلیم کے ذریعے نوجوانوں کی برین واشنگ، ذرائع ابلاغ کی مدد سے عیاشی وفحاشی کی سرپرستی کے ساتھ ساتھ مسلمان کہلانے والوں میں ایسے بظاہر متقی و پرہیز گار عالموں فاضلوں کے گروہ بھی تیار کر دیئے جنھوں نے محبوب خدا سرور انبیاء باعث دوسرا حضور پرنور ﷺ کی محبت اور تعظیم دلوں سے نکالنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ یہ کتنی دردناک حقیقت ہے ایک شخص جبہ و دستار کے ساتھ کہیں نمودار ہوا۔لوگوں نے اسے خادم دین اور وارثِ رسول سمجھ کر خوب خدمت وتواضع کی۔ جب اس کی محبت اور تعظیم لوگوں کے دلوں میں جم گئی تو وہ اپنے زہد وتقوی، علم وفضل، جبہ وقبہ، طرۂ دستار اور ریش دراز سمیت اسی مولا وآقا، ملجاو ماویٰ، کونین کے دولھا، دارین کے داتا علیہ التحیۃ والثناء کا ادب و

احترام دلوں سے نکالنے میں سرگرم ہو گیا جس کے صدقے میں اسے سب کچھ ملا تھا۔یقیناً راہ راست سے بہکانے والوں میں جو اس کا مقام ہے، کسی اور کا نہیں اور جو کامیابی اسے ملی ہے اس میں کوئی اور اس کے برابر نہیں۔ سچ فرمایا تھا حضور ہادیٔ اعظم رحمت عالم ﷺ نے!

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ کُلَّ مُنَافِقٍ عَلِیْمِ اللِّسَانِ

(طبرانی کبیر، مسند احمد جلد:اص ۲۲، جلد ا:ص ۴۴ صحیح ابن حبان جلد:اص ۱۴۸ ارقم: ۸۰)

ترجمہ : مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ اندیشہ ہر اس شخص کا ہے جو دل کا منافق اور زبان کا مولوی ہو۔

سائنس اور فلسفے کے غلط استعمال سے بھی لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے مگر جتنا موثر طریقہ قرآن اور سنت کے غلط ترجموں کے ذریعے سے ہوگا دوسرے ذرائع سے ناممکن ہے۔

ہاں ہاں یہ انگریز کی نہایت باریک چال تھی کہ اسلام کو معاذ اللہ مٹانے کے لیے مولویوں کا ایسا ماڈل تیار کیا جائے جو صورت وشکل میں تو مسلمان دکھائی دے مگر حکمت وعقل میں اسلام کا دشمن ہو۔آپ نے ''الحقیقہ'' کے مارچ ۲۰۰۱ء کے شمارے میں ایک مضمون ''عیسائیت کی خفیہ سرنگ'' کا مطالعہ کیا ہوگا۔اس خفیہ سرنگ سے مراد لندن سے باہر کچھ فاصلے پر ایک یونیورسٹی ہے جہاں پڑھنے والے سب اسلامی لباس اور وضع قطع میں عیسائی ہوتے ہیں، عربی بول چال میں ماہر ہو کر تفاسیر واحادیث کی کتابیں پڑھتے ہیں۔یہیں باغیانِ اسلام، مثلاً مرزا قادیانی اور رشدی جیسے ملعونوں کے لیے علمی واستدلالی مواد بھی تیار کیا جاتا ہے۔ذرا سوچئے

عیسائی اور یہودی نوجوان اپنے مذہب کی ترقی کے لیے یہ محنت نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ اللہ کے سچے دین کو جس نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ بلکہ سب پیغمبروں کے ادب و احترام کی تلقین کی، معاذ اللہ مٹانے کے لیے یہ سارا زور صرف ہو رہا ہے۔اس یونیورسٹی کے علماء (جو نرا فضلہ ہوتے ہیں) مختلف اسلامی ممالک میں جاتے ہیں، خود کو فاضلِ جامعہ ازہر ظاہر کرتے ہیں اور بطور خاص دو کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

۱۔حضور پرنور ﷺ کی محبت کا نور مسلمانوں کے دلوں سے نکالنا

۲۔مسلمانوں کو باہم لڑانا

ذرا سوچئے اسلام دشمنوں کو اگر مسلمانوں کے معاشرے سے ہی ایسے رضا کار مل جائیں جو اس دوہرے مشن پر عمل پیرا ہونے کو تیار ہوں تو انھیں اس مقصد کے لیے کالج یونیورسٹیاں کھولنے کے دردسر کی کیا ضرورت ہے۔انگریزوں نے دہلی میں جو عربیک کالج کھولا تھا اس سے مقصود اسلام یا عربی کی خدمت نہیں تھی بلکہ اسی کینڈے کے مولوی تیار کرنا تھا۔انھوں نے خدا اور رسول ﷺ کی رضا پر تن کے گورے من کے کالے انگریزوں کی رضا کو ترجیح دی۔چنانچہ ان کی ایک ایک ہدایت اور ایک ایک فرمان پر عمل کیا۔انگریزوں کو عقیدۂ حیات النبی علیہ الصلوۃ والسلام سے وحشت تھی، خود فروشوں نے ان اشاروں کو بھانپ لیا اور آیات واحادیث کی تلاش شروع کر دی تا کہ اسلام دشمن انگریزوں کی آرزوؤں کے مطابق کتاب وسنت کے دلائل سے اس عقیدۂ مبارکہ کی نفی کی جا سکے۔انگریزوں کو اس بات سے پریشانی تھی کہ مسلمان اپنے نبی کریم ﷺ پر درود اس عقیدے سے پیش کرتے ہیں کہ وہ سن رہے ہیں ان کے نزدیک نبی ﷺ سے امت کا رابطہ توڑنے

کے لیے اس عقیدے کو ختم کرنا ضروری تھا چنانچہ بندگان درگاہ نے دلائل کے انبار لگانے کی کوشش شروع کردی کہ خبردار اس عقیدے سے شرک لازم آتا ہے۔(یعنی نبی علیہ السلام کے کمالات کا انکار توحید کے لیے ضروری ٹھہرایا گیا۔ کتنا ظلم، کیسی بربریت اور فریب تھا مگر روپہلی اور سنہری مصلحتوں کا اپنا تقاضا تھا) یہ عقائد کی باتیں تھیں اور انگریزوں کی سازشوں اور ان کے ایجنٹوں کی سرگرمیوں سے پہلے کبھی امتِ مرحومہ میں ان کے بارے میں دورائیں نہیں ہوئی تھیں۔ اکابر و اصاغر امت کا یہی عقیدہ تھا کہ اللہ کے نبی اللہ کے فضل سے لامحدود بصیرت اور لامحدود سماعت سے مشرف ہیں۔ وہ اپنی امت کے احوال و اعمال کو مشاہدہ فرماتے ہیں اور زمین و آسمان کا کوئی ذرہ ان کی حق بین نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

"باچندیں اختلاف وکثرت مذاہب کہ در علمائے امت است یک کس رادریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت ﷺ بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم وتاویل دائم وباقی است وبراعمال حاضر وناظر ومرطالبانِ حقیقت راومتوجہان آں حضرت رامفیض ومربی"۔

(سلوک اقرب السبل، بالتوجہ الی سید الرسل)

ترجمہ: علمائے امت میں اتنے اختلاف اور کثیر فرقوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اس مسئلے میں اختلاف نہیں رہا کہ آنحضرت ﷺ حقیقی زندگی کے ساتھ قائم اور باقی ہیں جس

میں مجاز کا شائبہ اورتاویل کا وہم تک نہیں۔آپ اپنی امت کے
اعمال پر حاضرو ناظر ہیں اور حقیقت کے طالبوں نیز جو آپ کی
طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کو فیض پہنچانے والے اور تربیت
دینے والے ہیں۔

اختلاف کا آغاز

حضرت شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کے بعد برعظیم میں جوعلمائے محدثین بہت زیادہ نامور ہوئے ان میں شاہ عبدالرحیم پھران کے لخت جگر حضرت شاہ ولی اللہ اوران کے بعدان کے فرزند دلبند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہم الرحمۃ کا خصوصی مقام ہے۔حضرت شیخ محقق نے علمائے امت کے حضور پرنور ﷺ کے زندہ وحاضروناظر، مفیض ومربی ہونے کے بارے میں جس اتفاق کا ذکر کیا ہے شاہ عبدالعزیز بلکہ ان کے بھائیوں ،بھتیجوں ،شاگردوں تک اس میں کوئی رخنہ اندازی نہیں ہوئی۔سوا مولوی اسمٰعیل دہلوی کے جوحضرت شاہ عبدالعزیز حضرت شاہ عبدالقادر اورحضرت شاہ رفیع الدین کے بھتیجے تھے اور حضرت شاہ عبدالغنی علیہم الرحمۃ کے بیٹے تھے سب سے پہلے انھوں نے برعظیم پاک وہند میں اس عقیدے بلکہ حضور پرنور ﷺ کی عظمتِ شان سے تعلق رکھنے والے بہت سے عقائد میں اختلاف کیا۔آخرکیوں؟اوپر مذکورہ بزرگوں میں سے کسی ایک سے بھی ان کا علم برابرنہیں تھا بلکہ شاید دسواں حصہ بھی نہیں تھا۔پھراختلاف کیوں؟ ظاہر ہے علم وتحقیق کی بناپرنہیں بلکہ محض انگریزوں کی رضا جوئی کے لیے اوران کی منصوبہ بندی کے مطابق انگریزوں کو کسی معروف علمی خاندان کے کسی صاحبزادے

کی ضرورت تھی۔ جو ان کی اسلام دشمنی کا آلہ کار بن سکے چنانچہ اس ناپاک مقصد کا حصول مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کی شکل میں ہوا۔ انگریز اس سے پہلے یہی کام محمد بن عبدالوہاب جیسی شخصیت سے لے چکے تھے جو نجد کے ایک علمی و خانقاہی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مولوی اسمٰعیل کا کام اس لیے بھی آسان ہو گیا کہ انھیں اپنے دماغ پر زیادہ زور نہیں دینا پڑا۔ نئے مذہب کے آغاز کے لیے بہت زیادہ پاپڑ نہیں بیلنا پڑے بلکہ محمد بن عبدالوہاب انگریزوں کا جو منظور شدہ مذہب چھوڑ گئے تھے وہی ان کے کام آ گیا۔ انھیں نیا مذہب نئے عنوان اور نئے دلائل گھڑ کر نئے سرے سے اپنے سامراجی آقاؤں سے منظوری لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہر دہلی کے بازاروں اور کوچوں میں مجمع لگا لیتے اور نہایت ہی دلخراش انداز میں رب اکبر کے محبوب اکبر ﷺ کے کمالات کا انکار اگلتے۔ ان پڑھ لوگوں پر ان کا کچھ اثر اس لیے بھی ہوا کہ آخر بڑوں کے صاحبزادے تھے اور اس لیے بھی کہ قرآن و حدیث سے دلائل پیش کر رہے تھے۔ عوام کو اتنی تحقیق کی جستجو کب ہوتی ہے کہ قرآن یا حدیث سے استدلال کرنے والا کہاں ترجمہ غلط کر رہا ہے اور کہاں محض جھوٹ بول رہا ہے۔ رہ گیا باشعور طبقہ تو اپنے آقا و مولا ﷺ کا ذکر غلط انداز میں سنتا تو پریشان ہو جاتا۔ مغل تاجدار کی نام نہاد اور اوپری بادشاہت کے باوجود انگریزوں کی حکومت تھی۔ جناب انگریز ریزیڈنٹ کے پاس اسمٰعیل صاحب کے خلاف شکایت کی جاتی تو کہتا انگریز عملداری میں ساری رعایا کو مذہبی آزادی حاصل ہے ہم کسی کو روک ٹوک نہیں سکتے۔ (اندر سے تو اپنی ہی شہ تھی لہذا روکنا اور بھی ناممکن تھا) فرمایا حضرت اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے

کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
اناالحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

فروعی مسائل:

یہ تو مولوی اسمٰعیل کا اسلامی بنیاد یعنی حضور پر نور ﷺ کی ذات اور کمالات پر حملہ تھا۔ مگر یہ کام انھوں نے زیادہ تر اور کھلم کھلا حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرضوان کے بعد وفات شروع کیا۔ آپ کے دور میں ان کا کام فروعی مسائل و اختلافات ابھارنے میں صرف ہوا۔ یہ فروعی اختلافات پہلے بھی امت میں موجود تھے مگر برصغیر میں نہیں تھے وجہ یہ تھی کہ یہاں اسلام لانے والے صوفیہ کرام علیہم الرضوان سب کے سب حنفی تھے، مسلمان بادشاہ بھی اکثر ان کے غلام ہوتے تھے لہذا یہاں کا قانون ہی حنفی تھا۔ اپنی صدی کے مجدد حضرت اورنگزیب عالمگیر قدس سرہ نے پانچ سو علما سے فتاویٰ عالمگیری کے نام سے جو دستور سلطنت مرتب کرایا تھا وہ بھی فقہِ حنفی کی عظیم دستاویز تھی ۔ چنانچہ مدراس کے کچھ شافعی تاجروں کے سوا سارے برصغیر میں حنفی سکہ ہی چلتا تھا۔ مولانا نے ان اختلافات سے بھی ناجائز فائدہ اٹھایا اور ایسی جرات کی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز جو نسب میں ان کے تایا بھی تھے اور طریقت میں شیخ الشیخ' کی بھی پرواہ نہیں کی۔ چنانچہ ایک واقعہ ملاحظہ فرمایئے جو ان کے ایک معتقد یعنی مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب ''حکایات اولیاء'' میں درج کیا ہے۔

ایک حکایت :

تھانوی صاحب نے تفصیل سے یہ حکایت بیان کی مگر یہاں موقع کی مناسبت سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ

کے شاگردوں نے آپ سے شکایت کی کہ آپ کے بھتیجے محمد اسمٰعیل نے رفع یدین شروع کر دیا ہے تو (مولوی تھانوی صاحب کے الفاظ میں) آپ نے فرمایا، میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا کہ رفع یدین نہ کیا کریں کیا فائدہ ہے خواہ مخواہ عوام میں شورش ہوگی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں تو کہہ دوں گا مگر وہ مانے گا نہیں اور حدیثیں پیش کرے گا اس وقت میرے دل میں یہی خیال آیا کہ انہوں نے اسوقت یہی جواب دیا مگر یہ بھی کہیں گے ضرور چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو۔ اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا جب مولوی یعقوب صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ کیونکہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہوگی مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا۔ اس کا جواب سن کر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا یہ حکم تو اس وقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور ما نحن فیہ میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے جب مولوی یعقوب صاحب نے یہ جواب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ (حکایات اولیاء)

تھانوی صاحب نے اس کتاب میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

اوران کے ہم مسلک علماء کو دبا کر اوران کے مرید سید احمد بریلوی اور مرید کے مرید جناب مولانا اسمٰعیل کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ عموماً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب جو نابغۂ روزگار اور بیہقیٔ وقت تھے کو سید احمد بریلوی جو نہایت ہی غبی الذہن تھے کے سامنے ساکت ولا جواب ہوتے دکھایا ہے۔ مگر پھر بھی کسی طرح سے یہ حکایت ان کے قلم سے نکل ہی گئی۔ اسے کرشمۂ قدرت کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

فوائدِ حکایات

اس واقعہ سے مولانا اسمٰعیل صاحب کی فساد انگیزی اور انتشار پسندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یاد رہے ایک مسئلہ ہوتا ہے بنیادی اور ایک ہے فروعی بنیادی مسائل کو کسی صورت ہلایا نہیں جاسکتا مگر فروعی مسائل کے بارے میں ڈھیل ہوسکتی ہے بلکہ بعض دفعہ ضروری ہوتی ہے۔ رفع یدین کا اختلاف بالکل فروعی ہے۔ اس کے مقابلے میں ملت کا اتحاد ازحد ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی ایسے علاقے میں جاتا ہے جہاں سب لوگ رفع یدین کرتے ہیں تو اسے چاہیے ملت کا اتحاد برقرار رکھنے کے لیے وہ بھی رفع یدین شروع کردے۔ اگر لوگ باشعور ہوں اور وہ بھی اس کو محض فروعی سمجھ کر درگزر کریں تو اور بات ہے ورنہ ایسے مسائل کو اتحادِ ملت پر قربان کیا جاسکتا ہے۔ اگر حضرت امام شافعی جیسی مجتہد شخصیت حضرت امام اعظم کے مزار پر اپنی تحقیق کی بجائے امام اعظم کی تحقیق پر عمل کرسکتے تھے تو غیر مجتہد کے لیے تو اور بھی ضروری ہے کہ فروعی مسائل کو ہوا دے کر قوم کے اتحاد کو پارہ پارہ نہ کرے۔

چنانچہ آیئے پھر مولانا اسمٰعیل کی حکایات کی طرف۔ یہ اس دور کا واقعہ ہے

جب انگریز روز بروز عروج حاصل کرتے جا رہے تھے اور اپنے مخصوص مفادات کے لیے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس دور میں تو اتحاد ملت کی بھی ضرورت تھی اور ملت کے سچے خیر خواہ کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ تھا کہ اپنی صفوں میں انتشار پیدا نہ ہونے دے۔ اور مولانا اسمٰعیل نے کیا کیا جس مسئلے پر کم از کم یہاں کوئی اختلاف نہ تھا اسے جان بوجھ کر اختلافی بنا دیا۔ ملت کے سربراہ اور بہی خواہ ہونے کی حیثیت سے خاندان کے سربراہ، حقیقی تایا اور شیخ الشیخ نے سمجھوانے کی کوشش بھی کی مگر بے سود۔ ایک یہی مسئلہ نہیں جس جس مسئلہ پر اختلاف ظاہر ہوسکتا تھا اسے اپنایا تاکہ دیکھنے والے خوب دیکھ لیں کہ اسمٰعیل کتنی ڈھٹائی سے اختلاف کا بیج بو رہا ہے۔ آمین بالجہر سینے پر ہاتھ باندھنا وغیرہ آپ اہلِ حدیث حضرات کو دیکھتے رہتے ہیں۔ برصغیر میں یہ اختلافات مولانا اسمٰعیل کی ذات 'پاک' نے ہی شروع کیے ہیں چنانچہ ان کی برکت سے گھر گھر میں لڑائیاں شروع ہوئیں اور سب کو مل کر جن دشمنوں کا جواب دینا تھا ان کی آرزو پوری کردی۔ مولانا نے اپنی علمی و عملی صلاحیتوں سے خوب فائدہ اٹھایا اور انھیں انگریز کی رضا کے لیے اسی طرح وقف کر دیا جیسے اللہ کا بندہ اللہ کی رضا کے لیے اپنا سب کچھ وقف کرتا ہے۔ آج بھی ان کے مقلدین کا یہی حال ہے۔ فروعی مسائل کو ہوا دینا اور قوم میں انتشار پیدا کرنا انکی فطرت کا غالب حصہ ہے۔ مختلف شہروں میں اشتہارات، بینروں اور بورڈوں کے ذریعے رفع یدین، فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر جیسے مسائل پر چیلنج دیئے جاتے ہیں۔ آخر کیوں اسی لیے کہ آج بھی اتحاد ملت کی سخت ضرورت ہے۔ سارا عالمِ کفر یکجان ہے تو عالم اسلام کو بھی یکجان ہونا چاہیے تھا مگر افسوس ایسا نہیں ہو سکا۔ اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ آپ اپنے

گردوپیش ہی کو دیکھ لیجئے کہاں سے ان فروعی مسائل کی چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے۔ کیا کسی علاقے میں آپ نے سنا ہے کسی سنی حنفی (بریلوی) عالم نے اس قسم کا مسئلہ چھیڑا ہو۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ملت کی خیر خواہی اس کے خمیر میں ہے اور طبعی طور پر اسے ملتِ اسلامیہ کا انتشار پسند نہیں۔ یہ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کا باوفا غلام ہے اور جانتا ہے کہ حضور پرنور ﷺ کو یہ انتشار قطعاً گوارا نہیں۔ مگر اہل حدیث حضرات نے عموماً انھیں عنوانات کو زیب تقریر وتحریر بنایا ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر لشکر طیبہ کے حافظ سعید ہی کو لیجئے باقاعدہ اپنے مرکز الدعوۃ والارشاد میں نوجوانوں کو ان فروعی مسائل پر مناظرے سکھائے جاتے ہیں اور اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ جس علاقے میں جائیں حنفیت کی غالب اکثریت کے خلاف فساد وانتشار پیدا کردیں ہمیں مجبوراً مناظرے کا چیلنج قبول کرنا پڑتا ہے تا کہ قوم اپنی تاریخ سے ہی اعتماد نہ اٹھالے۔ برصغیر میں اسلام پھیلانے والے جب سب حنفی تھے مثلاً حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت خواجہ معین الدین غریب نواز، حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی اور پھر اسلام اور تصوف کے عظیم محافظ حضرت مجدد الف ثانی علیہم الرضوان ان بزرگوں سے وابستگی ہمارا عظیم سرمایہ ہے۔ یہ ہماری تاریخ کے زریں اوراق ہیں۔ چند شر پسند عناصر کی سعی غیر محمود سے اگر یہی تصور ابھر آیا کہ ان سب بزرگوں اور مبلغوں کی نماز ہی غلط تھی جیسا کہ وہابی خصوصاً یہ نیم چڑھے وہابی پراپیگنڈہ کرتے ہیں تو نئی نسل کا رشتہ اپنے شاندار ماضی سے کٹ جائے گا اور دنیا میں اس کے پنپنے کے تمام خواب بکھر جائیں گے۔

نیا مذہب:

حقیقت یہی ہے کہ مولانا اسمٰعیل دہلوی نے جو راستہ اختیار کیا اور

دوسروں کو دکھایا وہ ملت کی تباہی کا تھا اور آج ان کے مقلدین بھی اسی ڈگر پر رواں دواں ہیں۔ انھوں نے محض چند ٹکوں کی خاطر اپنے ہی اکابر کو کافر و مشرک کہا جو عقائد وراثت کے طور پر صدرِ اسلام سے چل رہے تھے انھیں کفر و شرک قرار دیا نئے عقائد اور نیا دین گھڑ کر اسے پرانے نام سے پیش کیا تو یہ کام اکبر کے دینِ الٰہی سے بھی زیادہ خطرناک تھا کیونکہ اس نے عقائد کے ساتھ ساتھ نام بھی بدلا اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ بہر حال یہ اسلام کا دشمن ہے۔ مگر انگریزوں کے شاگردانِ رشید نے عقائد کا تمام نظام بدلا، توحید کے دلائل کو شرک ٹھہرایا، تعظیم نبی ﷺ کے تمام مظاہر کو توحید کے منافی قرار دیا؛ اپنے بدعی عقائد کو اعمالِ اسلام اور سنت کا لبادہ اوڑھایا اور ڈٹ کر میدان میں آگئے کہ ساری امت مشرک ہے اور ہم موحد ہیں کیا ان سازشوں سے قرآن کی توحید آموزی پر کوئی حرف نہیں آیا اور ان کی مخصوص ہرزہ سرائی سے سنت کا اصل تصور قائم رہا۔ قرآن پاک نے جا بجا خدا کے محبوب بندوں کے معجزات و کمالات، کرامات، تصرفات اور اختیارات کا اعلان کیا تو نجدی و اسمٰعیلی وسعیدی تاریک ذہنیت کے مطابق یہ سب کچھ شرک۔ تو قرآنِ پاک توحید سکھانے والی کتاب ہوئی یا شرک پڑھانے والی۔ یہی حال احادیث کا ہے مختصر یہ کہ انگریز جس حد تک مسلمانوں کو تباہ کر سکتے تھے کیا اور ان کے اندر جتنا انتشار پھیلا سکتے تھے پھیلایا مگر اس میں مولنا اسمٰعیل اور ان کے مقلدین کا بھی بہت زیادہ دخل ہے انھوں نے اپنوں کا خیال نہ کیا، امت کا فائدہ نہ سوچا، قرآن پاک، سنتِ نبوی سے رہنمائی نہ لی، جو غیروں نے کہا، مانا اور جس راہ پر دشمنوں نے چلایا یہ آنکھیں بند کر کے چلتے رہے حتی کہ ان کی فہم قرآن وحدیث، دشمنانِ قرآن وحدیث کی مرہون بلکہ ان کا نام اہلِ حدیث بھی انگریزوں کا منظور

کردہ (دیکھئے وہابی مذہب از مولانا ضیاء اللہ قادری)۔شاید کسی ذہن میں خیال آئے کہ یہ لوگ جب بار بار قرآن وحدیث کے حوالے پیش کرتے ہیں تو انہیں مخالفِ قرآن و حدیث کیونکر کہا جا سکتا ہے۔سوگزارش ہے کہ چند صفحے قبل والی حدیث پاک پر غور فرمائیں۔حضور پرنور ﷺ اپنی امت کے حق میں اس منافق کو سب سے زیادہ خطرناک فرما رہے ہیں جو منافق بھی ہو اور عالم بھی۔ایسا شخص قرآن وحدیث کے حوالے پیش کرنے کی وجہ ہی سے تو اس امت کے لیے سب سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہے۔جناب مولانا اسمٰعیل نے تقویت الایمان لکھی۔اس میں کثیر آیات وروایات کو درج کیا گیا ہے۔یہ ردِ شرک وبدعت میں لکھی جانے والی اردو میں پہلی کتاب کہلاتی ہے۔انگریز تین خداؤں کے قائل تھے یعنی عقیدے کے اعتبار سے مشرک سنت سے انھیں غرض ہی نہیں تھی مگر اس کی کیا وجہ ہے کہ انگریز حکومت نے اس کی تقویت الایمان کا پہلا ایڈیشن ہزاروں کی تعداد میں اپنے خرچ پر چھپوایا اور سارے برصغیر میں مفت تقسیم کیا۔

اس پوری کتاب میں دیکھ لیجئے آیات وروایات اچھی خاصی تعداد میں ہیں مگر کہیں بھی کسی صحابی،تابعی،امام،مفسر،محدث یا مجدد کی تفسیر کا حوالہ نہیں۔وجہ اس کی یہی ہے کہ ان آیات وروایات کی من مانی تشریح کی گئی جو ماضی میں کسی سے اگر ملتی ہے تو صرف محمد ابن عبدالوہاب کی کتاب التوحید سے،اور حوالہ اس کا بھی نہیں۔جو تحریر کسی بھی سابقہ تحریر وتصنیف سے کماحقہٗ نہیں ملتی،اگر اسے سراپا بدعت نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔یہ نئے عقائد جو اسلاف سے نہیں ملتے اگر کسی کی نگاہ کرم کا صدقہ ہے تو وہ بتِ افرنگ ہے۔

علمائے اہل سنت:

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب مولانا اسمٰعیل انگریزوں کے اشاروں پر یوں رقص فرما رہے تھے، علمائے اہل سنت کہاں تھے اور انھوں نے مولانا کی ان سازشوں کا توڑ کرنے کی کیا کوشش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کا سارا زور سازشی عناصر کی حمایت میں صرف ہو رہا تھا ایسے میں محکوم لوگ کیا کر سکتے ہیں۔ مغلیہ سلطنت اورنگزیب عالمگیر علیہ الرحمۃ کے بعد ہی رو بہ زوال ہو گئی تھی۔ مسلمانوں کے سیاسی انحطاط کے ساتھ ساتھ تمام دوسری قومیں ابھرتی گئیں۔ محمد شاہ رنگیلا جیسے بادشاہ ملک وقوم کو خاصی حد تک تباہ کر چکے تھے۔ صدیوں سے غلام رہنے والی علاقائی قومیں زور پکڑ رہی تھیں اور مسلمانوں سے انکے اقتدار کا بدلا لینا چاہتی تھیں ایسی صورت حال میں علمائے اسلام کے پاس زبان وقلم کے سوا کیا تھا، چنانچہ اورتو اور خود اسمٰعیل کے چچازاد بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں اور شاگردوں نے مولانا سے مناظرے کر کے انھیں مبہوت کیا اور **تقویۃ الایمان** کے بیسیوں جواب لکھے گئے۔ مگر عالم اسباب میں حکومت آخر حکومت تھی، پھر مولانا اس کے حق میں کھلم کھلا پروپیگنڈا بھی کر رہے تھے۔ جن نوجوانوں اور راجاؤں کو انگریزوں سے نفرت تھی پیر و مرید (یعنی سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل) ان کی صلح بھی انگریزوں سے کرا دیتے تھے۔ پھر بھی علماء سے جو ہو سکا انھوں نے کیا۔ یہ علماء اہل سنت ہی تھے جن کی کاوشوں سے حالات کچھ سنبھلتے سے دکھائی دیئے تو انھوں نے حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمۃ کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوٰی بھی دیا اور عملاً اس میں شرکت بھی کی۔ ۱۸۵۷ء کی اس جنگ آزادی میں علماء اہل سنت قلم اور تلوار سے جہاد میں مصروف تھے اور مولانا اسمٰعیل

کئی سال پہلے ۱۸۳۱ء میں انگریزوں کی راہ میں مسلمان پٹھانوں سے جہاد کرتے کرتے ''شہید'' ہو چکے تھے، لیکن ان کے مقلدین نے انگریزوں کا بساط بھر ساتھ دیا۔ انگریز مردوں، عورتوں کو گھروں میں پناہ دی اور انگریزوں کو فتح ہوئی تو انھوں نے ان محسنوں کو شمس العلماء کے خطابات، جاگیریں اور دوسرے انعامات عطا فرمائے۔ انگریزوں نے اپنے وفاداروں کو نوازا تو باغیوں پر بے پناہ ظلم ڈھائے۔ مسلمانوں پر تباہی مچادی، ہزاروں کو پھانسی لگایا، سینکڑوں کو کالے پانی کی سزا سنا دی۔ جائیدادیں ضبط کیں۔ مدرسے تباہ کئے صرف الٰہ آباد کے تین سو مدرسوں میں سے صرف تین رہ گئے۔

یہی دور تھا جب اہل اسلام کی کتابیں جلائی جا چکی تھیں، کتب خانے اور مدرسے ویران کر دیئے گئے تھے اور مدرسۂ دیوبند کا آغاز ہوا۔ اس کے بانی مولانا قاسم نانوتوی، مولانا عبدالعلی جو انگریزوں کے عربیک کالج کے تقریباً وائس پرنسپل تھے کے شاگرد تھے۔ مدرسہ دیوبند میں کیا ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ رپورٹ ملاحظہ ہو جو حکومت کے نمائندے لارڈ پامر نے اس کے معائنے کے دوران لکھی تھی ہوا یہ کہ ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء کو بروز یکشنبہ لیفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامر نے اس مدرسہ کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا، اس کے معائنے کی چند سطور مندرجہ ذیل ہیں۔

> ''جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپے ماہانہ پر کر رہا ہے یہ مدرسہ خلاف سرکار

نہیں بلکہ موافق سرکار و ممد و معاون سرکار ہے''

(مولانا احسن نانوتوی مؤلفہ محمد ایوب قادری ایم اے)

انگریز پرنسپلوں کا کیا کام تھا، مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اور حضور ﷺ کی محبت سے انھیں خالی کرنا یہی کام اس مدرسے کے مدرس معمولی تنخواہوں پر کرنے لگے۔ چنانچہ اس مدرسے سے سینکڑوں طالب علم فارغ ہو جاتے تھے مگر جہاں جاتے، اپنی تربیت کے مطابق دوسروں کی تربیت کرتے چنانچہ دور دور تک دیوبند کا 'فیض' پہنچا اور بدنصیب لوگ عشق رسول ﷺ سے خالی ہوتے گئے۔ علمائے اہل سنت اپنی بے سروسامانی کے باوجود اپنے علم وفضل سے اور مشائخ اہل سنت اپنے تصرفات کے ساتھ اسلام کی خدمت کرتے رہے اور اسلام دشمنوں کے ناپاک منصوبوں سے اپنے نبی مکرم ﷺ کی بھولی بھالی امت کو آگاہ کرتے رہے۔ یہ انھیں کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ حکومت کی اسلام دشمن پالیسی کے باوجود اور چند اپنوں کی بے وفائی کے باوصف مسلمانوں کا نہایت ہی کثیر حصہ حق کے ساتھ وابستہ رہا اور غیروں کی ترہیب و ترغیب نے اثر کیا تو چند گنے چنے افراد پر۔

علمائے اہل سنت میں سب سے مؤثر آواز حضرت مولانا امام محمد احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کی ثابت ہوئی۔ مولانا نے جس مجاہدانہ للکار سے اسلام کا دفاع کیا وہ انھیں کا حصہ ہے، انکی مجددانہ تحریر وتقریر نے اس فتنے کی جوان کے دور میں اسلام کے خلاف اٹھا، سرکوبی کی۔ انھوں نے مولانا اسمٰعیل اور مولانا قاسم کی طرح کوئی اپنا عقیدہ نہیں گھڑا۔ کسی آیت یا روایت کا نوزائیدہ مفہوم پیش نہیں کیا، انھوں نے عقیدۂ توحید کو نکھارا، مقام رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمتوں

کے بارے میں غلط فہمیاں دور کیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت اطہار سے وابستگی کا سبق دیا۔ فہم قرآن وحدیث کی جو دولت مسلمانوں میں پہلے دور سے آئی تھی اس کی حفاظت کی۔ انھوں نے مولانا اسمٰعیل کی طرح یہ نہیں کہا کہ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا یا مولانا قاسم کی طرح یہ تاثر نہیں دیا کہ حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے سے آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، یا مولانا رشید احمد گنگوہی کی طرح یہ نہیں کہا کہ رحمۃ للعلمین ہر مسلمان کو کہہ سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ انھوں نے ایک ہزار سے زیادہ کتابیں لکھ کر انگریزوں، انگریز پرستوں اور اسلام دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، انھوں نے ذاتی اور عطائی نیز حقیقی اور مجازی کا فرق بیان کر کے توحید و رسالت کے بارے میں کثیر آیات کا مفہوم واضح کیا اور علم قرآن کے بارے میں ان کا احسان ازحد قابل قدر ہے، ورنہ جس طرح مولانا محمد اسمٰعیل اور ان کے حواری آیات کا ترجمہ کر رہے تھے اس سے اور تو اور خود قرآن پاک میں دشمنوں کو تضادات نظر آنے لگے اور اس سلسلے میں جو کچھ اعلیٰ حضرت بریلوی نے کیا، نیا کام نہیں تھا بلکہ صدر اسلام سے یہی تفسیرات و تشریحات چلی آ رہی تھیں۔ گویا یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے کہ انھوں نے ملت کے حال کو ماضی سے وابستہ رکھنے کی زبردست کوشش کی اور دشمن جوامت مسلمہ کے لئے نئی نئی راہیں تراش رہے تھے وہ بہت حد تک بند ہو گئیں۔

ہم یہاں ڈنکے کی چوٹ پر چیلنج کرتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد رضا خاں محدث بریلوی کی کتابوں میں سے کوئی ایک عقیدہ ہی ایسا نکال کر دکھائیں جو سب سے پہلے انہوں نے گھڑا ہو اور قرآن وحدیث بلکہ مستند مفسرین و شارحین اور زعمائے ملت نے اسے پہلے بیان نہ کیا ہو۔ اس کے برعکس مولانا اسمٰعیل صاحب کی

تقویت الایمان اور دوسری کتابوں بلکہ ان کے مقلدین کی تصانیف سے بھی ایک نہیں بیسیوں عقائد ایسے ثابت کئے جاسکتے ہیں جس کی ابتدا انھیں سے ہوئی، ان کا پہلے نام ونشان تک کہیں نہیں ملتا۔ پھر بھی مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کو اہل بدعت کا امام اور خود کو سنت کا داعی کہنا کتنا بڑا افسوسناک جھوٹ اور دھوکہ ہے۔

صوفیائے کرام کا کردار:

اس منحوس دور افرنگ میں جب نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی حوصلہ افزائی ہو رہی تھی، فتنۂ انکار حدیث کی آبیاری کی جارہی تھی اور دفتروں کے غلام احمد پرویز جیسے کلرکوں سے سنت کی حجیت سے بغاوت کرا کے تفسیر قرآن کا منصب سونپا جارہا تھا، معتزلہ کا مردہ مذہب جدید سائنس اور فلسفے کی مسیحائی سے زندہ کیا جارہا تھا، نیچریت کو ہوا دے کر مذہب کو عقل تیرہ کا غلام بنایا جارہا تھا۔ متعصب پادریوں اور پنڈتوں کو شہ دے کر اسلام کے خلاف زہر اگلوایا جارہا تھا۔ صرف اعلیٰ حضرت مولانا محمد احمد رضا خان اور ان کے ہمنوا ہی اسلام کے تحفظ اور حمایت اشاعت کے لئے میدان میں نہ اترے بلکہ اولیاء اللہ کے کثیر التعداد آستانوں اور صوفیاءِ کرام کی خانقاہوں سے بھی دین حق کا جھنڈا بلند ہوا۔ نقشبندی، قادری، سہروردی، اور چشتی بزرگان دین اپنے عظیم مورثوں کی طرح یک جان و یک دل ہو کر باطل کے سامنے صف آراء ہو گئے اور اپنے وسیع علم وعرفان، دلربا سیرت وصورت، اخلاص ومروت اور کشف ومشاہدہ سے ساری فضا پر چھا گئے۔ کوئی حضور غوث الثقلین کی شراب وصل پلا رہا تھا تو کوئی خواجہ نقشبند اور حضرت مجدد

الف ثانی کے فیض سے دلوں میں اللہ کے نام کے نقش بنا کر انھیں گرما رہا تھا۔کوئی حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت محبوب الٰہی کی دلنوازیاں عام کر رہا تھا تو کوئی حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کی سرمستیوں کو تقسیم کر رہا تھا(رضی اللہ تعالیٰ عنہم) چورہ شریف ،علی پور شریف ، سیال شریف ،شرقپور شریف ،گولڑہ شریف ،مارہرہ شریف ، کچھوچھہ شریف ،بیسیوں آستانے خلق خدا کو آستان یار تک پہنچانے میں مصروف تھے۔ذرا غور کیجئے ظاہری طور پر مسلمانوں کو شکست ہو چکی تھی ۔ان کے ہاتھ سے ساڑھے سات سو سالہ حکومت نکل چکی تھی ان کے مدرسے تباہ اور کتب خانے نذر آتش ہو چکے تھے۔مگر پھر بھی ان صوفیاء نے دن رات ایک کر کے محنت کی چند خود سروں اور ضمیر فروشوں کے سوا کسی کا رشتہ ءایمان کمزور نہ ہونے دیا۔یہی وہ صورت حال تھی جس کے پیش نظر مشہور مستشرق ایچ .آر .کے .گب (Gibb) کو کہنا پڑا۔

> ''تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ تصوف یا صوفیا کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور ان کو اپنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی''

(مقالات ضیاء الامت ج ا)

یونہی ہالینڈ کے ایک فاضل "لوکے کارو" نے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے۔

"گو اسلام کو سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن اسلام میں روحانی ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا (گویا انھیں اللہ والوں کی برکت تھی)"۔

چنانچہ بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق دور انگریز میں بھی ترقی اس قدر ہوئی کہ اس سے پہلے جتنے مسلمان یہاں آباد تھے ان کی تعداد سے بھی زیادہ اب مسلمان ہوئے ہیں۔

☆......☆......☆

توحیدٗ اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
6
صفحہ نمبر 138
توحیدٗ اور محبوبانِ خدا کے کمالات

اولیاءاللہ اوران کے دشمن:

اوپر کسی حد تک یہ بات تفصیل سے واضح کردی گئی ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کرام اوراولیائے عظام علیہم الرضوان کے کمالات کا انکار کیا، انھوں نے کسی علمی تحقیق اورفہم قرآن وحدیث کی بناپر ایسانہیں کیا بلکہ اسلام دشمنوں کے ناپاک مقاصد کو بروئے کار لاکر محض اپنی ایمان فروشی کی بناپر کیا۔ دشمن ملت اسلامیہ میں انتشار پھیلانا چاہتے تھے اور وہ ایسے تمام مراکز عقیدت کی عظمت کو مسلمانوں کی نظروں میں دھندلانا چاہتے تھے جن سے انہیں ولولہ تازہ ملتا تھا۔ لہٰذا وہ تمام عقیدے جن کا تعلق محبوبانِ خدا کی شان وعظمت سے تھا۔ ان کو خطرناک سمجھ کر دشمن نے انھیں مٹانے کیلئے کچھ مولوی خریدے یا مخصوص ذریعہ تعلیم اور مخصوص اساتذہ کے ذریعے مولوی تیار کئے جو اتحاد امت کو پارہ پارہ کرنے کے ناپاک کام میں جت گئے۔ محبوبان خدا نے عوام وخواص کو ایمان وعرفان اور عشق خدا اور سول ﷺ کی راہ پر ڈالا تھا۔ لہٰذا عوام وخواص کے دل میں ان کی بڑی عقیدت تھی۔ اس عقیدت کو کمزور کرنا آسان نہیں تھا لوگ ان بزرگوں کی سیرت وکردار اور روحانی کمالات سے بہت متاثر تھے۔ اللہ والوں کے تصرفات ان کے ذہنوں میں رچے بسےاوران کے تجربوں مشاہدوں پر چھائے ہوئے تھے۔ انھوں نے بارہاان کی توجہ سےان کی دعا سے، ان کے وسیلے سے، ان کے مزار پر، ان کے دربار میں حاجتیں پوری ہوتیں، مشکلیں حل ہوتیں، بگڑیاں بنتیں دیکھی تھیں۔ لہٰذا انھیں اپنے ان محسنوں چارہ فرماؤں اور مشکلکشاؤں سے دور کرنا بہت ہی مشکل نظر آتا تھا تو عیاری سے ''توحید'' کا نعرہ لگایا، یہ نعرہ محض تکلف تھا، ریاکاری کے طور پر تھا، دھوکا دینے کیلئے تھا مثلاً ایسے عقیدے گھڑے گئے، اس کا تصور باندھا جائے تو شرک،

انھیں غیب کا حال جاننے والا سمجھا جائے تو شرک وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ عقائد اسلام میں توحید کا عنوان اول ہے، مسلمانوں کو توحید جان سے پیاری ہوتی ہے، وہ کسی صورت بھی مشرک ہونا یا مشرک کہلانا پسند نہیں کرتے چونکہ وہ ان کی چالوں سے بے خبر تھے، اپنی توحید بچانے کیلئے ان کی چالوں میں آگئے یا یوں سمجھو جس طرح یہ بہکانے والے غیروں کے ہاتھ بک چکے تھے، یہ بھی بک گئے۔ خدا کے محبوبوں اور پاک بندوں کی حاجت روائی کو توحید کے منافی ظاہر کر کے ختم کرنے کی کوشش کی گئی مگر خدا کے باغیوں اور اسلام کے دشمنوں کی حاجت روائی کے سکے بٹھائے گئے۔ انھیں داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز، حضرت مجدد الف ثانی علیہم الرضوان کو پکارنے سے، ان کے درباروں پر حاضر ہونے سے انھیں متصرف ومقتدر ماننے سے روکا گیا مگر انگریزوں کے گیت گانے، ان سے جاگیریں لینے، ان سے خطابات و وظائف پانے کو عین اسلام (بلکہ عین توحید) گردانا گیا، مذہبی اعتبار سے یہ کیسی دہشت گردی اور عقلی اعتبار سے یہ کیسی سینہ زوری ہے کہ مشکل میں پولیس کو پکارو، مجسٹریٹ سے مدد مانگو، وکیل کو وسیلہ بناؤ تو جائز اور توحید خالص مگر ان اللہ والوں کو جنھیں اللہ نے اپنی رحمت وقدرت وحکمت کا مظہر بنایا ہے پکارنا شرک بلکہ پکارنے والا ابوجہل کے برابر مشرک ٹھہرے۔ پھر یہ ضد، یہ انکار، یہ ہٹ دھرمی اولیائے کرام تک ہی محدود نہ رہی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم، بزم ہستی کے مقصود اعظم، کائنات کے مطلع شہود حضور پر نور ﷺ تک پہنچادی گئی اور بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی سے جس نبی کریم کا کلمہ پڑھتے ہیں اسی کے خلاف محاذ آرائی شروع کردی۔ چنانچہ امتی جس آقا ومولا ﷺ کو ہر نماز میں السلام علیک ایھا النبی کہہ کر سلام عرض کرنے کے لئے پکارتا ہے۔ اسے نماز سے باہر پکارنا

بھی شرک ٹھہرایا گیا۔ یا نبی، یا علی، یا غوث، پر پابندی لگادی گئی مگر یا امریکہ، یا نہرو، یا گاندھی کہنے کی اجازت دی گئی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ والوں کو اللہ کی قدرت و رحمت کا مظہر سمجھنے کو بھی شرک کہا گیا حالانکہ ہر مخلوق اپنی اپنی شان کے لائق اللہ کے خالق ہونے کی مظہر ہے۔ بقول شاعر

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

یعنی گھاس کا جو تنکا بھی زمین سے پھوٹتا ہے اللہ کی توحید کا مظہر ہوتا ہے اور زبان حال سے اس کے وحدہٗ لاشریک ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

ایک عربی شاعر نے بات اور بھی کھول دی

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَّہٗ اٰیَۃٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

ترجمہ: اور ہر چیز میں اس کی قدرت کی نشانی ہے جو اس کے واحد و یکتا ہونے پر دلالت کرتی ہے

مقام خلافت: گویا مخلوق کا مخلوق ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے۔ یونہی بندے کا مرزوق ہونا، رب کے رازق ہونے کی، اور اس کا موجود ہونا اس کے موجد ہونے کا ثبوت ہے۔ توحید کا مسئلہ ثابت کرنے کے لئے اور اللہ کی یکتا قدرتوں کا سماں باندھنے کے لئے قرآن پاک میں زمین و آسمان کی کیسی کیسی اہم اور غیر اہم اشیاء کا ذکر کیا گیا غور سے دیکھیں یہ اس کی قدرت کی آفاقی نشانیاں ہیں جوارض وسما، بحر و بر، مشرق و مغرب، شمس و قمر، نجوم و کواکب، باد و باراں، عرق و شرر، شجر و حجر اور کوہ و کمر کی صورتوں میں کائنات میں بکھری پڑی ہیں۔

ان میں جب اس کی قدرتوں کا ظہور ہوتا ہے تو حضرت انسان کی کیا شان مظہریت ہوگی اور وہ کس حد تک قدرت کے جلووں کا امین ہوگا۔ سچی بات یہ ہے کہ انسان ساری کائنات کا خلاصہ ہے اپنے وجود ونمود میں ساری کائنات سے بڑھ کر اس کی شان کا مظہر۔ یہ عجائبات تخلیق کا گنجینہ اور اسرار ہستی کا دفینہ ہے۔ اگر یہ اطاعت کی راہ اختیار کرے اور خود شناسی سے خدا شناسی تک پہنچ جائے تو اپنی شان کے لائق خلافت الٰہیہ کا مستحق۔ زمین وآسمان کی جاندار اور بے جان چیزیں اس کی قدرت کی نشانیاں تو ہیں، خلافت کی مستحق نہیں بلکہ ان کی تخلیق ہی خلیفۃ اللہ کی خدمت کے لئے ہے۔ اللہ کا پاک بندہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ یا نائب اور وائسرائے ہے اور باقی تمام اشیاء حتیٰ کہ جن اور فرشتے بھی اس کے ماتحت اور خادم ہیں۔ یعنی یہ خلیفہ تو اللہ کا بندہ ہے لیکن کائنات کا حاکم ہے۔ اللہ نے اسے اس کی شان اطاعت کے مطابق خلافت بخشی ہے یعنی اپنے جہان میں متصرف ومختار کیا ہے۔ یہ اللہ کی حکومت میں شریک نہیں، اس کے اقتدار واختیار میں ساجھی نہیں۔ بلکہ محض اس کے فضل سے، اس کی عطا سے، اس کی مرضی سے، اس کی تقدیر سے اسے جہان پر حاکم بنایا گیا ہے۔ اللہ احکم الحاکمین ہے۔ مالک الملک ہے۔ جسے چاہے ملک دے، جتنا چاہے دے، تو اس نے آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کو مخصوص صلاحیتوں سے نوازا اور ان کی صلاحیتوں کے مطابق انھیں عظمتیں اور حکومتیں بخشیں۔

یہ ہے اسلام کا نظریۂ خلافت یا نظریۂ عظمت انسان۔ چاند سورج اور شجر وحجر کو پوجنے والے انسان کو اسلام نے اللہ کی بندگی اور خلافت سے سرفراز فرما کر ان چیزوں کا حاکم بنادیا۔ اسلام کے دشمن جانتے تھے کہ بنی نوع انسان پر اسلام

کا یہ احسان ہی واضح ہو جائے تو شائد ہی کوئی قسمت کا مارا اسلام کے دامن میں نہ آئے ورنہ شرق وغرب اسی دین حق کے پھریرے لہرائیں۔اور چونکہ اسلام کا یہ احسان اللہ والوں کی خلافت وحکومت اور تصرف وکرامت سے ظاہر ہوتا ہے۔ انھوں نے (یعنی اسلام دشمنوں نے) اپنے پروردگان ناز اور بندگان بارگاہ کے ذریعے اسی نظریے کو شرک سے تعبیر کرایا۔اور پھر ان ظالموں نے اپنی بغاوت کو جیسا کہ اوپر گزرا اس حد تک عام کیا کہ اللہ کے سب سے بڑے حبیب، اللہ کے سب سے بڑے خلیفہ اور اللہ کے سب سے بڑے مظہر حضور پرنور ﷺ کو بھی عام مخلوق کی طرح (معاذ اللہ) بے اختیار اور بے بس ثابت کرنے کے لئے زبان وقلم کا سارا زور لگا دیا۔اللہ ان کو غارت کرے (آمین)۔کتنا پرہول انداز گفتگو اس بے لگام کا ہے جس نے کہا

''جس کا نام 'محمد' یا 'علی' ہے، وہ کسی چیز کا مختار نہیں'' ...... ''رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا''

مقدس ترین اور مختار ترین شخصیت ﷺ کے بارے میں، جس کی عظمت کے گن حضرت حسان بن ثابت یوں گاتے ہیں

سَلَکَ الشَّجَرُ نَطَقَ الْحَجَرُ

شُقَّ الْقَمَرُ بِاِشَارَتِہٖ

ترجمہ: آپ ﷺ کے اشارے پر درخت چل کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور پتھروں نے آپ کے اشارے پر بول کر گواہی دی اور چاند آپ کے اشارے پر دو ٹکڑے ہو گیا۔

مومن حضور ﷺ کے اوصاف وکمالات بیان کریں اور منافق انھیں

مشرک کہیں، اگر چہ ایمان اور نفاق کا یہ فرق پہلے دن سے ہی ہے، مگر پھر بھی قرآن کریم کے نزول، حضور پرنور ﷺ کی جلوہ فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پختہ ایمان کی وجہ سے منافقین کا زیادہ بس نہ چل سکا اور وہ زیادہ منظم ہو کر اپنی منافقت کی اشاعت نہ کر سکے۔ آپ اس مقدس ترین دور کی تاریخ پڑھ کر دیکھ لیں، کسی منافق نے کسی گوشے میں کسی مومن کے سامنے یا کبھی آپس میں حضور پرنور ﷺ کے علم کا انکار کیا، آپ کی شان یکتائی کے خلاف بکواس کی، یا آپ ﷺ کے دربار میں حاضر ہونے سے انکار کیا تو فوراً قرآن پاک کی قہر بار آیتیں نازل ہو جاتیں اور منافق دبک کے بیٹھ جاتے۔ مثلاً امام مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بیان کے مطابق ایک شخص کی اونٹنی گم ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ فلاں وادی میں ہے'' منافقین میں سے ایک شخص نے کہا ''محمد (ﷺ) ہمیں بتاتے ہیں کہ فلاں شخص کی اونٹنی فلاں وادی میں ہے وہ غیب کیا جانیں''۔

(الدرالمنثور جلد:۳ص۲۵۴) اس پر یہ آیت اتری

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ (توبہ:۶۵)

ترجمہ: اور البتہ اگر تو ان سے پوچھے تو البتہ وہ کہیں گے سوائے اس کے نہیں کہ ہم تو بول چال کرتے تھے اور کھیلتے تھے تو کہہ دے کیا تم اللہ سے اور اس کے کلام سے اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے ہو۔ بہانے مت بناؤ تحقیق تم اپنے

ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔

اس دور میں بھی منافقین سے جو ہوسکتا تھا، انہوں نے حضور ﷺ کی شان و عظمت کو گھٹانے اور ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچانے کے لئے کیا، مگر انھیں کھلم کھلا کھل کھیلنے کا موقع نہ مل سکا۔ بعد کے ادوار میں بھی جب تک ملت اسلامیہ خلافت کے زیر سایہ ایک مرکز پر رہی، انھیں وہ موقع نہ ملا۔ جو بعد میں غیر ملکوں اور اسلام دشمن حکومتوں میں ملنے لگا۔ اسی لئے انھوں نے اسلامی حکومتوں سے زیادہ دوسری حکومتیں پسند رکھی ہیں۔

ملت اسلامیہ کے لئے ایسے منحوس ادوار منافقین کے لئے از حد خوشگوار ہوتے ہیں۔ انھیں آیات وروایات کی من مانی تفسیر کرنے کی کھلی چھٹی مل جاتی ہے، نئے نئے عقائد گھڑنے کا کاروبار زوروں پر ہوتا ہے۔ اپنے مدارس، اپنے شیخ الحدیث، اپنے مفسر، اپنا نصاب، جو چاہیں کہیں، جو چاہیں چھاپیں اور جو چاہیں پڑھائیں۔ نئے نئے مفکر اور نئے نئے مجتہد عموماً اسی قسم کے دور میں پیدا ہوتے ہیں۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبال فرماتے ہیں۔

اجتہاد اندر زمان انحطاط
قوم را برہم ہمی پیچد بساط

ترجمہ: زمانہ زوال میں اجتہاد کیا جائے تو قوم کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔

چنانچہ موجودہ فرقہ واریت اور خصوصاً عام امت مسلمہ کو مشرک کہنے کا رواج اسی دور زوال کی یادگار ہے۔ ایمان اور اسلام اور توحید کے اصل مفاہیم کو پس پشت ڈال کر انھیں نئے نئے معنی پہنائے جاتے ہیں اور سب سے زیادہ زور عموماً اسی بات پر ہوتا ہے کہ محبوب خدا سرور ہر دوسرا علیہ التحیۃ والثناء کی محبت مسلمانوں

کے دل سے نکالنے کے لئے ان کے کمالات کو توحید کے منافی قرار دیا جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام **کا فیصلہ:**

منافقین کے نزدیک ولی تو ولی، نبی اور وہ بھی نبی الانبیاء ﷺ تک کسی کے کام نہیں آسکتے۔ کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے۔ انھیں دیوار کے پیچھے تک کا علم نہیں اور کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں۔ اور اگر کوئی انھیں شفیع، وسیلہ، کارساز، مالک ومختار، حاضر وناظر مانے تو مشرک ہو جاتا ہے۔ اس سارے پس منظر کو نگاہ میں رکھئے اور پھر بخاری شریف کی اس روایت پر غور کیجئے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا

اِنِّیْ فَرَطٌ لَّکُمْ فَاَنَاشَہِیْدٌ عَلَیْکُمْ اِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ عَلٰی حَوْضِی الْاٰنَ وَاِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْہَا

(بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب الصلوٰۃ علی الشہید جلد ۱ص ۱۷۹، مسلم کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا ﷺ وصفاتہ جلد ۲ص ۲۵۰)

ترجمہ: میں تمہارا میر ساماں ہوں، میں تم پر گواہ ہوں، میں واللہ اپنے حوض کو اس وقت (بھی) دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں یا (یہ فرمایا) زمین کی چابیاں دی گئیں۔ واللہ مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک

ہو جاؤ گے لیکن مجھے تمھارے بارے میں یہ خوف (ضرور) ہے
کہ حصول دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرو گے۔

فرط یا میر سامان اسے کہتے ہیں جو قافلے یا فوج سے آگے جا کر اس کے انتظامات کرے، گویا حضور ﷺ آگے تشریف لے گئے ہیں تو امت کی بگڑی بنانے اور انھیں اگلے جہان کے خطرات سے محفوظ رکھنے کیلئے۔ اسی بنا پر فرمایا۔

حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ

(الشفاء جلد: ا ص ۱۹، زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد: ۵ ص ۳۳۷)

ترجمہ: میری زندگی بھی تمھارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی

آخر رحمۃ للعالمین جو ہوئے (یعنی ہر جہان کی رحمت) ﷺ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ فرط ہیں تو گواہ بھی ہیں (یعنی حضور پر نور ﷺ اپنی امت کو اجتماعی طور پر بھی انفرادی طور پر بھی جانتے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ اسی لفظ شہید (یعنی گواہ) کی تفسیر میں وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ) کے تحت فرماتے ہیں (فارسی عبارت کا اردو ترجمہ)

''حضور علیہ الصلوٰۃ السلام اپنے نور نبوت سے ہر دیندار کے دین یعنی دین کے درجے اور اس کے ایمان کی حقیقت سے واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ کس حجاب سے اس کی ترقی رکی ہوئی ہے۔ پس حضور ﷺ تمھارے گناہوں کو تمہارے درجات ایمان کو، تمھارے نیک و بد اعمال کو اور تمھارے اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں۔ لہذا ان کی گواہی دنیا

میں حکم شرع کے مطابق امت کے حق میں مقبول اور واجب العمل ہے۔(تفسیر عزیزی)

پھر اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ میں اس وقت بھی اپنا حوض دیکھ رہا ہوں۔ گویا زمین کے مشارق و مغارب تو ایک طرف، ماضی و حال تو کجا، میدان محشر میں جو حضور پر نور ﷺ کو حوض کوثر ملے گا، اسے دنیا میں جلوہ فرما ہو کر بھی مشاہدہ فرمارہے ہیں۔ قربان جایئے نگاہ مصطفٰے ﷺ کے جس کے سامنے زمان و مکان کی تمام پہنائیاں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ یوں سمجھئے کہ حضور ﷺ فرط ہیں۔ یعنی اگلے جہان میں اپنے غلاموں کی آسائش کا انتظام فرمانے والے، اس کے لئے آپ کا شہید (مشاہدہ کرنے والا) ہونا ضروری ہے۔ تاکہ سب بندوں کے ایمان، کفر و نفاق سے بھی واقف ہوں اور مومنوں کے درجات ایمان اور اخلاص کو بھی جانتے ہوں۔ اس لئے کہ ہر ایک کی اہلیت کے مطابق اس کا انتظام کرسکیں۔ نیز انعامات اور اعلیٰ و ادنیٰ مقامات بھی آپ کے پیش نظر رہنے چاہئیں۔ غور فرمایئے، حوض کوثر دیکھنے سے مراد صرف حوض کوثر کا دیکھنا ہی نہیں بلکہ آخرت کی تمام اشیاء کا تفصیلی مشاہدہ مراد ہے۔ دنیا اور اس کے رہنے والوں کی پوری فکری اور عملی کیفیت تک سے آپ ﷺ واقف ہیں تو آخرت کا کوئی گوشہ کیونکر آپ کی نظر حق بین سے مخفی رہ سکتا ہے۔ (کیونکہ اَلدُّنْیَامَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ) کے مصداق دنیا تو محض آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں بونا، آگے کاٹنا۔ جب کاٹنے کی جگہ پیش نظر ہے تو یقیناً بونے کی جگہ بھی آنکھ سے اوجھل نہیں رہ سکتی۔ خدا کے حبیب ﷺ اپنے بدترین دشمنوں کے اعتراف کے مطابق بھی الصادق اور الامین ہیں تو آپ کا ہر کلام

شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ پھر یہاں اللہ کی قسم کا ذکر فرمانا ضروری سمجھا گیا تا کہ منکرین و مشککین کے لئے کوئی راہ نہ رہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں یا یہ فرمایا کہ زمین کی چابیاں دی گئیں۔ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے آپ واضح فرما رہے ہیں کہ میرا اقتدار و اختیار محض اگلے جہاں میں نہیں ہوگا۔ یہ دنیا بھی میرے زیر نگیں ہے اور کوئی میرے فقر اختیاری سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے آج بھی زمین اور اسکے خزانے میری ملکیت ہیں۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے اسی نقطے کی وضاحت فرمائی ہے۔

؎ مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

اور وقار انبالوی مرحوم نے بھی کیا خوب عرض کیا ہے۔

؎ اے سچے نبی، اے پیارے نبی، اے نبیوں کے سرتاج نبی
دنیا میں بھی تیری شاہی ہے، عقبیٰ میں بھی تیرا راج نبی

حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ قبل یہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اپنے خداداد فضائل و کمالات کا ذکر فرمایا۔ آپ نے خود کو فرط فرمایا جس میں غلامان امت کی کارسازی کا پہلو ظاہر ہے اور منافقین کے نزدیک اللہ کے سوا کسی کو ایسا سمجھنا شرک ہے۔ پھر سرکار دو عالم ﷺ نے خود کو شہید فرمایا اور آپ دیکھ چکے کہ اس رو سے مومنوں کا ایمان، کافروں کا کفر اور منافقوں کا نفاق، روحانی درجات اور لوگوں کو پیش آنے والے حجابات سب نگاہ نبوت میں ہیں مگر دشمنوں اور منکروں کے نزدیک یہ عقیدہ بھی شرک ہے۔ ان کے

خیال میں تفصیلی علم اللہ کے سوا کسی کو میسر نہیں۔ پھر محبوب خدا ﷺ نے یہ تصریح بھی فرمادی کہ یہاں مدینہ منورہ میں جلوہ گر ہو کر حوض کوثر تک کو ملاحظہ فرمارہا ہوں۔ وہ زبان دراز جنھیں پس دیوار کا علم بھی توحید کے منافی نظر آتا ہے اس قسم کے ارشاد پر کیونکر ایمان لاسکتے ہیں۔ آپ کو ماننا ہوگا کہ ان کے عقیدے کتاب و سنت سے نہیں نکلے، ان کے اپنے ذہن فاسد اور فکر تاریک کی پیداوار ہیں۔ یہ عقائد کتاب حکیم کی متعدد آیات اور حبیب خدا ﷺ کے بیسیوں ارشادات سے واضح ہیں۔ تو بتائیے ان کے شرک سے کیا قرآن یا حدیث محفوظ رہ گئے، ہرگز نہیں۔ اللہ کے کروڑوں اربوں درود وسلام ہوں ہمارے حاجت روا مشکلکشا نبی رحمت ﷺ پر جنھوں نے یہ سارے کمالات جو ہم اہل سنت و جماعت اور اہل محبت کے عقائد کی جان ہیں، بیان فرما کر ہم مظلوموں کو یہ تسلی بھی دی کہ تم میرے بعد مشرک نہیں ہوگے۔ اور گویا یہ وضاحت بھی فرمادی کہ ان عقائد ونظریات کی بنا پر کچھ مفسد اور فتنہ پرداز لوگ تمھیں مشرک کہیں گے میں اللہ کا نبی اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ عقائد حق ہیں کتاب وسنت کے مطابق ہیں، میرے اپنے اور صحابہ کرام کے ہیں تمھیں اچھی طرح تسلی رہنی چاہیے کہ ان میں کوئی شرک والی بات نہیں۔ انھیں شرک کہنا حق کی مخالفت ہے اور سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔

ناظرین! ازراہ کرم انصاف فرمایئے عقائد کے بارے میں بالخصوص موجودہ دور کی فرقہ واریت کے شور میں اگر کوئی شخص اللہ کے نبی ﷺ سے فیصلہ کرانا چاہے تو فیصلہ سامنے ہے اور واضح ہے اگر اس کے باوجود کسی ''سعید'' کی تسلی نہیں ہوئی تو اسے شقی کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

آخری الفاظ پر غور فرمایئے حضور رحمت عالم ہادی اعظم ﷺ گویا فرما

رہے ہیں کہ اے میرے غلامو! تمھارے بارے میں جس بات سے ڈرتا ہوں وہ دین کی طرف سے بے حسی اور دنیا کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی خواہش ہے۔ اور یہ صورت حال محتاج تبصرہ بھی نہیں۔ نگاہ نبوت نے موجودہ صورت حال کو بھی دیکھ لیا۔ ظاہر ہے محشر کا میدان جن سے پوشیدہ نہیں یہ زمانہ کیوں کر مخفی ہوگا۔ اہل حق کے عقائد بھی آپ کے سامنے ہیں نام نہاد موحدان پر جو فتویٰ بازی کریں گے وہ بھی اوجھل نہیں۔ مسلمان جس میں مبتلا نہیں ہوں گے وہ شرک ہے اور جس میں مبتلا ہوں گے وہ حصول دنیا کی ہوس ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی حضور ﷺ کی امت کو مشرک کہتا ہے تو وہ ایسا بدبخت ہے جسے زبان نبوت پر اعتماد نہیں اور حضور ﷺ کے فیصلے کو ماننا گوارا نہیں۔

اب جو شخص حضور خاتم الانبیاء علیہم السلام کا فیصلہ نہیں مانتا۔ اس کے بارے میں قرآن پاک کا فیصلہ موجود ہے ملاحظہ ہو:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (النساء۔۶۵)

ترجمہ: تو (اے محبوب) تمھارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپ کے جھگڑے میں تمھیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (کنزالایمان)

حضور پرنور ﷺ کا فیصلہ نہ ماننا کفر صریح ہے۔ دیکھا آپ نے خود

ساختہ شرک سے بچتے بچتے کس اندھے کنویں میں گر گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بد نصیبوں کو توحید سے غرض ہے نہ شرک سے۔ ان کا اصل مشن کمالاتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا انکار ہے۔ اسی بدصورت انکار کو انہوں نے توحید کا خوبصورت نام دے دیا ہے۔ حافظ مظہر الدین مرحوم نے اسی ''ابلیسی توحید'' سے متنبہ فرمایا ہے۔

ایسی توحید تو شیطان بنا دیتی ہے
دیکھ سرکار کا انکار نہ ہونے پائے

کیا بخاری شریف کی اس حدیث کی روشنی میں آپ لمحے بھر کے لئے بھی یہ تصور کر سکتے ہیں کہ کمالاتِ نبوت کے بیان سے توحید مجروح ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں یہ اس بات کا کھلا پیغام ہے کہ فضائلِ نبوت مانتے جاؤ، شرک نہیں البتہ ان کا انکار کفر ہے۔ ذرا حدیث کے الفاظ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ (یعنی مجھے تمھارے بارے میں یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے) اور پھر اسے واللہ یعنی اللہ کی قسم سے مؤکد کیا۔ فرمایئے یہ 'تم' کون ہیں جن کی حضور پرنور ﷺ کو فکر ہے یقیناً یہاں 'تم' سے مراد ہم اہل سنت ہی ہیں جن کے یہ عقائد ہیں اور جو فضائل و کمالاتِ نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ گویا یہ جو کچھ بھی ہیں پھر بھی ان عقائد کی بنا پر حضور ﷺ کے ہیں۔ حضور ﷺ ان اپنوں کو ہی تسلی دے رہے ہیں۔ اور وہ کون ہیں جو انھیں مشرک کہتے ہیں اور حضور پرنور ﷺ جن کے حملوں کے خلاف اپنی امت کو تسلی دے رہے ہیں۔ یقیناً یہ وہ ہیں جن کا تعلق محبوب خدا ﷺ سے ٹوٹ چکا ہے۔ دیکھی ان کی توحید؟ جس توحید نے ان بدبختوں کو رحمۃ للعالمین ﷺ کے دروازے سے دور کر دیا ہے۔ وہ اگر شیطانی توحید نہیں تو کیا ہے۔

قرآن کا فیصلہ:

یہ تو بخاری شریف کی روایت تھی جس سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ کمالات نبوت کا بیان شرک نہیں بلکہ ان کا انکار کفر ہے۔ اب آیئے قرآن پاک کے اپنے اسلوب بیان کی طرف، یہاں بہت سے شواہد پیش کرنے کی گنجائش نہیں۔ فقط ایک دو آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ پہلے سورۃ الفتح کی آیت ۸،۹ دیکھئے

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا o لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ تُعَزِّرُوْہُ ط وَتُوَقِّرُوْہُ وَتُسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً o

ترجمہ: بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا، تا کہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو (کنزالایمان)

آیت نمبر آٹھ (۸) میں حضور پرنور ﷺ کے رسول شاہد (حاضر و ناظر)، مبشر (خوشخبری سنانے والا) اور نذیر (ڈر سنانے والا) ہونے کا ذکر ہے یہ سب آپ کی عظمت شان کے مختلف پہلو اور آپ کے کمالات کے عنوان ہیں۔ پھر آیت ۹ میں فرمایا گیا کہ ان عظمتوں کے عطا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ

۱......اے لوگو تم اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ۔

۲......رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی توقیر و تعظیم کرو۔

۳......اللہ کی پاکی صبح شام بولو یعنی اس کی عبادت میں لگ جاؤ۔

کس قدر واضح اور دوٹوک انداز ہے اس حقیقت کے اظہار کا کہ

نبی کریم ﷺ کے کمالات کا شرک سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ تو ایمان کی دلیل ہیں گویا اے لوگو نبی کریم ﷺ کی عظمتوں کو دیکھو اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ اللہ کے حبیب ﷺ کے ان کمالات کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے حبیب واقعی بے مثل ہیں۔ دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں یقیناً اس لئے کہ یہ کچھ اور ہیں۔ یہ کچھ اور کیا ہیں؟ رسول ہیں، کس کے رسول ہیں جس نے انھیں یہ کمالات دیئے ہیں، وہ اللہ معبود برحق اور خالق یکتا ہے۔ محبوب خدا ﷺ کے کمالات بیان فرمانے کا تقاضا ہی یہ تھا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ اور جب ایمان لے آئے تو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کا رسول ہونے کے ناتے انھیں سب انسانوں سے زیادہ قابل ادب و احترام اور لائق تعظیم و تکریم سمجھو۔ پھر جب تم نے محبوب خدا ﷺ کا احترام سیکھ لیا تو اس کا تقاضا ہے انکا حکم مانو، اور ان کا سب سے اہم حکم یہ ہے کہ اپنے اللہ کی بندگی اختیار کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح وتہلیل کرتے رہو۔ (یعنی نماز پڑھو)

کہاں یہ ملعون فکر کہ ''بشر کی سی تعریف کرو بلکہ اس میں بھی اختصار کرو'' کہ کہیں شرک نہ ہو جائے کہاں یہ قرآنی اسلوب بیان کہ ایمان وعرفان وعمل کا سارا دارومدار حضور پرنور ﷺ کے کمالات پر مبنی کر دیا گیا۔

مومن اور منافق:

اب یہاں اس نکتے کی وضاحت کی جاتی ہے کہ مومن حضور پرنور ﷺ کے کمالات وفضائل پر ایمان کیوں لاتے ہیں اور گویا منافق کیوں منکر ہیں سورۂ احزاب کی طرف آیئے۔

یَاۤ اَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝
وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝
وبشر المؤمنين بان لهم من الله فضلا كبيرا ۝
(۴۷،۴۶،۴۵)

ترجمہ :اے غیب کی خبریں بتانے والے بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سنا تا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔ اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کیلئے اللہ کا بڑا فضل ہے۔

دیکھئے پہلی دو آیتوں میں اللہ کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل وکمالات بیان کئے اور تیسری آیت میں مومنوں پر اللہ کے فضل کا ذکر فرمایا۔ گویا حبیب ﷺ پر تو اللہ کا یہ فضل کہ ایسی ایسی بے مثال عظمتیں عطا فرمائیں اور مومنوں پر اس کا یہ کرم کہ ان شانوں پر ایمان لانے کی توفیق بخشی۔ یقیناً اپنے نبی و رسول ﷺ کی یہ شانیں اہل ایمان کے حق میں بھی مفید وبابرکت ہیں۔ مثلاً حضور ﷺ نبی ورسول تو مومن آپ کی امت میں شمولیت سے مشرف۔

حضور پرنور ﷺ شاہد تو مومن مشہود یعنی آپ کے مشاہدے میں۔
حضور ﷺ مبشر تو بشارتیں مومنین کیلئے۔ حضور ﷺ نذیر تو مومن ڈر کر راہ راست پر رہیں گے۔ حضور ﷺ داعی الی اللہ مومن مدعو

حضور ﷺ سراجاً منیراً تو مومن آپ سے مستنیر بقول اعلیٰ حضرت مومن یہ عرض کرتے رہیں گے۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

سرکار ﷺ چمکاتے رہیں گے، مومن چمکتے رہیں گے لہذا فضائل و کمالات نبوت کا فیض اہل ایمان کو بھی پہنچا مگر کافروں مشرکوں اور منافقوں کیلئے انکار و بغض کی بنا پر لعنت ہی لعنت۔ چڑ چڑ کر کے اپنا دل نہ بہلائیں تو کیا کریں۔

نیز رسالت پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں اس اس شان سے رسول مانا جائے جو خدا نے انھیں دے کر بھیجا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بھیجا ہوا تو مان لیا جائے مگر جس شان وعظمت کے ساتھ بھیجا ہے اس کا انکار کیا جائے تو دراصل یہ بھی رسالت کا انکار ہے۔ کاش حافظ سعید اور اس کے ہمنوا اس پر غور کرتے اور ضد و نفاق کو چھوڑ کر راہِ راست پر آجاتے۔

☆......☆......☆

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
7
صفحہ نمبر 157
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

فلسفہ اور سائنس کی نارسائی:

خداوند کریم نے کائنات پیدا کی اور ذرے ذرے میں اپنی قدرت کے نشانات قائم کیے مگر چونکہ اس دنیائے فانی میں ممکن نہیں لہذا ان لامحدود نشانات کے باوجود اس کے موجود، خالق، واحد و یکتا ہونے کا مسئلہ یقینی طور پر حل نہیں ہوسکتا تھا۔ رہ گئی عقل کہ وہ کچھ کام آتی، اس سے بھی کوئی خاص فائدہ نہ ہوا بلکہ وہ لوگ جنھیں اپنی عقل پر بڑا ناز تھا انہوں نے زیادہ ٹھوکریں کھائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنی گمراہیاں خالی عقل نے پھیلائی ہیں شاید اتنی بے عقلی نے بھی نہیں پھیلائیں فلسفہ عقلی نتائج کو منظم کرنے کا پروگرام لے کر اٹھا۔ مگر عقل منظم ہوئی نہ فلسفہ۔ سائنس کا میدان اور بھی محدود تھا۔ یعنی تجربہ و مشاہدہ، ظاہر ہے فلسفہ نارسا ٹھہرا تو سائنس سے چارہ گری کی کیا توقع ہوسکتی تھی۔ یہی وجہ ہے فلسفہ اور سائنس دونوں نے خدا کی تلاش میں بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر کسی بھی حتمی و یقینی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ کسی فلسفی و سائنسدان نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔

نبوت اور معرفت خدا:

خدائے واحد و یکتا کی معرفت ہی سب سے اہم ہے۔ اور تمام فکری اور عملی سوتوں کا منبع .... مگر اس کی راہ محض عقل یا فلسفہ و سائنس نہیں۔ اس کا ذریعہ اصل میں اللہ کے انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ اس نے نبوت کا سلسلہ عقل کی رہنمائی کے لیے شروع کیا۔ عقل نبی کے علم کی وسعت، تصرفات کی بے مثال کثرت اور سیرت کے تابندہ گوشوں سے اسے نبی پہچان لیتی ہے۔ تو نبی اس عقل کو بارگاہ کبریا تک پہنچا دیتا ہے۔ نبی کی برکت سے اسے یقین و ایمان کی وہ پختگی نصیب ہوتی ہے۔ کہ اس کی نظر سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور وہ ذرے ذرے

میں قدرت کے جلوے دیکھ رہا ہوتا ہے اب وہ عقل نارسا کی سرحد سے نکل جاتا ہے۔ اور وہم و گمان کی ظلمات سے پار ہو جاتا ہے اب وہ ''سائنسی تجربوں اور مشاہدوں سے بالاتر ہو کر دانش ایمانی سے آراستہ ہوتا ہے اور نئے نئے تجربے اور مشاہدات، مکاشفات وتجلیات سے بہرور ہو جاتا ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا
کَخَرْدِ لَۃٍ عَلٰی حُکْمِ التِّصَالٖ

ترجمہ: 'میں نے اللہ کے سارے شہر (خواہ وہ کہیں ہوں) اس طرح دیکھے ہیں جیسے ہتھیلی پر اکٹھے رائی کے دانے'۔

مومن کی نظر:

اب آیئے حدیث پاک میں اس کی اصل تلاش کریں۔ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام ہے۔

اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہ

(ترمذی شریف کتاب التفسیر سورۃ الحجر جلد ۲ ص ۱۴۰، المعجم الکبیر عن ابی امامۃ جلد: ۸ ص ۱۰۲، رقم: ۷۴۹۷، مجمع الزوائد کتاب الزہد باب ماجاء فی الفراسۃ جلد ۱۰ ص: ۲۷۱)

ترجمہ: 'مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے'۔

گویا عقل نبی کے دروازے پر حاضر ہوئی۔ وہاں سے اسے نور خدا مل گیا۔ دیکھئے ایک نے محض آنکھ سے دیکھا۔ ایک نے نظر کی عینک لگا کر، ایک بہترین خوردبین یا دوربین استعمال کر رہا ہے۔ مگر فرمائیے ان میں سے کون سی نظر اللہ کے نور کے

برابر ہے۔اللہ والے اسی نور خدا سے سب کچھ دیکھ لیتے ہیں منکرین اولیاء کی کج فہمی، بے عقلی اور کورچشمی دیکھئے جو عقیدہ حضور پرنور ﷺ عطا فرمار ہے ہیں انہیں اس کے لینے میں بھی ہچکچاہٹ ہی نہیں دوٹوک انکار ہے۔اور پھر حافظ سعید کی طرح کہلائیں ''اہل حدیث'' کتنا تضاد ہے۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس ارشاد عالی کی روشنی میں اپنے مومن ہونے کا جائزہ لیتے۔کسی شخص کی ایمانی قوت کا امتحان لینے کے لئے یہ ایک کھلا معیار ہے۔یہ مانا کہ مجھ ایسے گنہگار اس معیار پر پورا نہیں اتر سکتے۔مگر میری قوم میں داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز، حضرت فریدالدین گنج شکر، محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی، حضرت سیدنا مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رضی اللہ عنہم جیسی عظیم شخصیات بھی ہیں۔ پھر ان کے بعد برصغیر پاک وہند نے آفتاب ولایت حضرت باواجی چوراہی، حضرت شمس العارفین سیالوی، شہنشاہ لاثانی علی پوری، حضرت شیر ربانی شرقپوری، فخر مہر چشت حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کی نگاہ خاراشگاف کا نظارہ بھی کیا علم وعشق کی بلندیوں کو چھونے والے مجدد ملت اعلحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی کی نظر دور بین کے جلوے بھی دیکھے۔اور اگر کوئی ان سب کا تفصیلی مطالعہ نہیں کرسکتا تو ان سب کے نقیب حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال کی نظر کا حال دیکھ لے وہ فرماتے ہیں۔

حادثہ جو کہ ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے اس سینۂ ادراک میں ہے

....

جو ہو پردے میں پنہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

....

می شود پردۂ چشم پر کاہے گاہے
دیدہ ام ہر دو جہاں را بہ نگاہے گاہے

یعنی میری آنکھ کا پردہ کبھی کبھی گھاس کے تنکے کی طرح بالکل باریک ہو جاتا ہے چنانچہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ میں نے دونوں جہانوں کو ایک ہی نظر میں دیکھ لیا، خود یہ فقیر آسی بھی وقت کے عظیم شاہسوار طریقت کے جلیل القدر شہریار حضور نقش لاثانی علی پوری قدس سرہ کی خدمت میں سالہا سال زیر تربیت رہا۔ اور شب وروز اس کریم کی دور ونزدیک دیکھنے والی نگاہوں کے مشاہدے مشاہدہ کرتا رہا۔ پھر ان کے بعد ان کے نور نظر (حضور نقشۂ نقش لاثانی قدس سرہ) کی نظر بھی اس حدیث کے مضمون کی تجلیاں دکھاتی رہی۔

ایمان کا معیار:

جملہ معترضہ کچھ طویل ہو گیا۔ مختصر یہ کہ حدیث پاک میں مومن کی شان اور گویا ایمان پرکھنے کا ایک معیار مذکور ہوا۔ ہم گنہگار اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ تاہم حدیث پاک پر ایمان ہے۔ اور بزرگان دین کو اس مضمونِ حدیث کا سچا مصداق جانتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ خدا کے نور سے دیکھنے والی نظر ہی کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں ان کا ایمان سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ گویا

اللہ کے نور سے (دور ونزدیک) دیکھنا (کامل) مومن کی شان اور اللہ والے (کامل) مومن

ہم حدیث پر ایمان رکھنے والے مشاہدے سے خالی، ناقص مومن اور جواس معیار ہی سے باغی، منکروہ............(خود فیصلہ کرلیں)

قربِ خداوندی کے اثرات:

بات یہ ہو رہی تھی کہ غوث پاک رضی اللہ عنہ نے اللہ کے سارے شہروں کو دیکھنے کی بات کی ہے تو یہ بالکل حدیث شریف کے مطابق ہے۔ مگر دوسری حدیث پاک میں تو مزید تفصیل بھی ہے۔ (خدا فرماتا ہے)

وَلَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا الخ (بخاری شریف۔ کتاب الرقاق باب التواضع)

ترجمہ: ”اور نوافل کے ذریعے بندہ میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو جب اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے“۔

مشہور مفسر قرآن امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کی تفسیر کے مطابق خدا کا نورِ جلال جب بندۂ مقرب کا کان ہو جاتا ہے تو وہ قریب و دور کی آوازیں سنتا ہے

اور جب اس کی آنکھ ہو جاتا ہے۔ تو قریب و دور دیکھتا ہے۔ جب وہ نور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ تو وہ سخت زمین میں بھی تصرف کی قدرت رکھے گا اور نرم زمین میں بھی اور قریب بھی اور دور پر بھی۔ (تفسیر کبیر)

عقل تیرہ کا علاج:

جب کثرت نوافل سے کوئی ولی قرب خداوندی پر فائز ہو کر محبوب ہو جاتا ہے تو خدا کے نور جلال سے وہ قریب و دور کی اشیاء دیکھ لیتا ہے، قریب و دور کی آوازیں سن لیتا ہے، قریب و دور کے مقامات پر تصرف کر سکتا ہے۔ اور قریب و دور کی مسافتیں آناً فاناً طے کر پاتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ عقل تیرہ کی ظلمت فکر کا علاج اسی نور جلال سے ممکن ہے، کسی اور طرح نہیں۔ چنانچہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ظہور جس دور میں ہوا، عالم اسلام کے دور دراز گوشوں تک معتزلہ کی ناپاک کاوشوں سے فلسفۂ یونان کی تاریکیاں پھیل چکی تھیں۔ اس کا مداوا علمائے اسلام نے بہت حد تک کیا۔ امام غزالی نے فلسفے سے فلسفے کا رد کیا اور عقل کو سب سے بڑی فیصلہ کن طاقت سمجھنے کے خلاف عقلی دلائل کے انبار لگا دیئے۔ امام فخر الدین رازی نے بھی وحی نبوت کے مقابلے میں عقل کی کمزوریوں کی خوب وضاحت کی مگر یہ گویا علم بمقابلہ علم یا عقل بمقابلہ عقل کی صورت تھی۔ ان دلائل کو پڑھ کر آدمی خاموش تو ہو جاتا تھا، لیکن مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کی برتری محض علمی و عقلی دلائل سے ثابت نہیں کی بلکہ کرامات اور تصرفات کی موسلا دھار بارش سے ذہنوں سے فلسفیانہ ظلماتی فکر کے داغ دھو ڈالے۔ آپ کی برکت سے یوں محسوس ہونے لگا کہ رات کی سیاہی ختم ہو گئی اور دن اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو گیا ہے۔ ذہنی وسواس، گومگو کی کیفیت، اضطراب قلب

جاتا رہا اور جسے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا، وہ سراپا توحید، سراپا ایمان اور سراپا عشق و مستی بن گیا۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت عیسٰی ابن مریم علیہما السلام کے زمانے میں فلسفۂ یونان کس عروج پر تھا سقراط، بقراط، افلاطون و ارسطو جیسے فلاسفہ کا کس قدر شور تھا۔ علم و حکمت کے اس شور میں جناب عیسٰی علیہ السلام کو ایسے معجزات سے نوازا گیا جنہوں نے علم و حکمت کے ان تمام شوریدہ سر مدعیوں کو خاک بسر کر دیا۔ جو کام ان کی نظر میں ناممکن تھے، اللہ کے پیغمبر نے انہیں ممکن کر دکھایا۔ مثلاً ان کے نزدیک مٹی کی مورت میں پھونک مار کر اسے سچ مچ کا پرندہ بنا دینا ناممکن تھا، یونہی کسی مردے کا زندہ کرنا بھی، بلکہ مادرزاد اندھے کو انکھیارا کرنا اور برص کے مریض کو شفا بخشنا بھی خارج از امکان تھا۔ گھروں کے اندر کے غیب جاننا بھی ان کے علم و حکمت پر محال تھا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اللہ کے اذن سے جب یہ سب کچھ کر دکھایا۔ مثلاً ان کو معلوم ہو گیا کہ ان کے فضل و کمال سے آگے بھی کئی درجے ایسے ہیں جن تک ان کی رسائی نہیں بلکہ وہ جو ان کے تصور سے بھی وراء الوریٰ ہیں ۔ نبی کے معجزات دیکھ کر اہل انصاف اللہ کی یکتا قدرتوں پر ایمان لے آئے اور پوری طرح مطمئن ہو گئے ۔ فلسفہ ذہن کو جب تاریک کرتا ہے تو اس کا شافی جواب علت و معلول کی بحث نہیں ہوتی بلکہ اطمینان قلب ہے جو دلائل سے زیادہ علمی مشاہدے سے تعلق رکھتا ہے۔

غوث پاک نے کیا کیا:

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فلسفے کا جواب اسی انداز میں دیا۔ مثلاً آپ مسئلہ تقدیر وغیرہ پر وعظ فرما رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ اللہ نہ چاہے تو کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی۔ اسی اثنا میں ایک اژدھا نمودار ہوتا ہے مگر آپ پر

ذرا سا بھی خوف و ہراس طاری نہیں ہوتا اور آپ کی روانی گفتار میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وہ آپ کے جسم پاک کے گرد لپٹنا شروع ہو جاتا ہے، آپ اسی یکسوئی سے سلسلہ وعظ جاری رکھتے ہیں۔ وہ اپنی زبان آپ کی زبان مبارک کے سامنے لے آتا ہے مگر استقامت کا یہ پہاڑ جنبش تک نہیں کرتا۔ پھر چند لمحات کے بعد وہ اسی طرح ادھڑتا جاتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے، یہاں نہ اس کے آنے کا اثر، نہ جانے کا اثر۔ وعظ کے بعد اس منظر کی حکمت پوچھی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ وہ میرے بیان کی عملی تشریح بن کے آیا تھا۔ گویا اگر اژدھا نہ آتا تو محض دلائل و قیاسات ہوتے تو اطمینان قلب نہ ہوتا اور اللہ کے قادر مطلق ہونے پہ دل نہ جمتا۔ سانپ نے آ کر عملاً سمجھا دیا کہ واقعی خدا کی تقدیر کے مقابلے میں بڑے سے بڑا اژدھا بھی بے ضرر اور چھوٹے سے کیڑے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور اللہ کے چاہے بغیر کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ زبانی و تحریری دلائل سے آدمی بعض دفعہ خاموش ہو جاتا ہے مگر دل کا خلجان کسی عملی مشاہدے کے بغیر نہیں جاتا۔ دنیا میں تو اللہ نظر نہیں آتا اور کوئی کسی کو اللہ دکھا نہیں سکتا تاہم جب اس کی قدرت کے ایسے مظاہر آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں تو دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انہوں نے اللہ ہی کو دیکھ لیا ہے یعنی ان کو ایسا راسخ ایمان مل جاتا ہے کہ قطعاً ذرا سا شبہ بھی نہیں رہتا۔ صوفیاء کے ہاں یہی ایمان و اطمینان کا سودا ہے جو ان کے مخالفین کے پاس نہیں، اس لئے اکبر الہ آبادی نے فرمایا ہے:

نہ کتابوں سے، نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

موجودہ دور:

اب پھر جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات کہتا ہوں۔ معتزلہ جو فلسفۂ یونان سے متاثر تھے، کی بات چھوڑیئے۔ سائنس اور فلسفہ کے موجودہ دور میں بہت سے ذہنوں میں یہی خلجان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کے منحوس دور میں ان جیسے مضامین کا تعارف مسلمانوں اور ہندوؤں کی بھلائی کی نیت سے نہیں تھا بلکہ انہیں اپنے اپنے مذہب کے بارے میں شکوک وشبہات اور احساس کمتری میں مبتلا کرنا مقصود تھا اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ انگریز اس مقصد میں بہت حد تک کامیاب بھی ہو گئے اور اہل ہند کو مذہب کے بارے میں جس ڈگر پر چلانا چاہتے تھے، ان میں سے بہت سوں کو چلا لیا۔ بقول اکبر علیہ الرحمۃ:

کہاں کے مسلم، کہاں کے ہندو، بھلائی ہیں سب نے اگلی رسمیں
عقیدے سب کے ہیں تین تیرہ، نہ گیارھویں ہے نہ اشٹمی ہے

موجودہ فلسفہ، موجودہ نفسیات، بایالوجی، کیمسٹری، فزکس وغیرہ پڑھنے یا پڑھانے والے کتنے ایسے ہیں جو فکری ظلمات سے محفوظ ہوں۔ اسلام کا نام چھوڑنا یعنی کھلم کھلا اسلام ترک کرنا آسان نہیں تھا تو کسی نے دل کو خوش کرنے کیلئے نیچری مذہب ایجاد کر لیا۔ کسی نے اہل قرآن یا پرویزی کا نام اختیار کیا۔ یہ سب کیوں تھا؟ معجزات کی عقلی توجیہہ نہیں مل رہی۔ فرشتوں، حوروں کا وجود کیونکر ثابت کریں۔ حالانکہ بدنصیب اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکے کہ حقائق غیبیہ کا عقل سے ادراک ہمارے بس سے باہر ہے۔ عالم غیب کا تعارف صرف نبی (علیہ السلام) کرا سکتا ہے اور یہ اسی کی منصبی ذمہ داری ہے۔ نبی (علیہ السلام) ماورائی اور غیبی حقائق کو کھلی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کی زبان پر جھوٹ نہیں آ سکتا۔ نبی کی نبوت کی سب

سے بڑی دلیل اس کا سابقہ کردار اور خصوصاً اس کا الصادق والامین ہونا ہوتا ہے۔یعنی جب نبی جھوٹ بول ہی نہیں سکتا تو عالم شہادت یا عالم غیب کے بارے میں وہ جو گواہی بھی دے، جھوٹی نہیں ہوسکتی۔اب اگر ہماری عقل میں جنت و دوزخ،عرش ولامکاں،حور و ملک،عذاب قبر وآخرت جیسی چیزیں نہیں آسکتیں تو قصور ہماری عقل کا ہے۔جس کی عقل عام انسانی عقلوں سے اور جن کا مشاہدہ دوسروں کے مشاہدوں سے بہت قوی ہوتا ہے،وہ ان غیبی حقائق کو اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح ہم اپنے سامنے کی چیزوں کو دیکھتے ہیں اور اگر وہ ان غیبی حقائق کا اظہار کرتے ہیں تو یقیناً حق ہے انسانی تجربے کے مطابق ان کی زبان پر جھوٹ آ ہی نہیں سکتا۔

انکار کی وجہ:

غور کیجئے حقائق کا انکار جہاں بھی ہے،اس کی ایک بنیادی وجہ خداوند کریم جل مجدہ کی قدرت کاملہ سے انکار یا شک وشبہ کی کیفیت ہے۔پھر اس انکار یا گومگو کی کیفیت کا سبب دور حاضر کے بے نور علوم کا مطالعہ یا کسی شقی و بدنصیب کی صحبت ہے،چنانچہ پرویزی اور نیچری ہی نہیں،وہابی بھی جنہیں اہل حدیث ہونے کا دعویٰ ہے،خدا کی قدرت پر پوری طرح یقین نہیں رکھتے۔یاد رہے جن لوگوں نے قرآنی معجزات کو تسلیم نہیں کیا،انہیں اپنے خیال میں ناممکن جانا یعنی معاذ اللہ یہ سمجھا کہ خدا بھی اس چیز پر قادر نہیں۔مثلاً ان کے خیال میں ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار نہیں ہوسکتی کیونکہ ان کے خیال میں معاذ اللہ خدا بھی ایسا نہیں کرسکتا۔عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ نہیں کئے کیونکہ ان کے نزدیک معاذ اللہ خدا بھی مردے زندہ نہیں کرسکتا۔(جیسا کہ اوپر کسی قسط میں آچکا)

ہاں ہاں !اب آیئے ان لوگوں کے انکار کی طرف جنہوں نے بظاہر نیچریوں کی طرح عقل ہی کو سب سے بڑی قوت حاکمہ نہیں مانا اور جنہوں نے بظاہر پرویزیوں کی طرح حدیث کا انکار نہیں کیا۔ یہ کون ہیں؟ یہ ہیں اہل حدیث کہلانے والے۔ بزرگان دین کے تصرفات وکرامات سے ان کا انکار بھی دراصل اللہ ذوالجلال کی قدرت کاملہ وواسطہ کے انکار پر مبنی ہے۔ مثلاً مشہور بات ہے کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے ڈوبی ہوئی کشتی ترائی۔ ماننے والوں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ کی قدرت حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے ظاہر ہوئی ہے اور کارساز حقیقی اللہ نے اپنے محبوب بندے کو یہ قوت عطا فرمائی۔ اس کرامت کے منکرین بھی عقل کے مارے، خلجان میں الجھے، نور وایمان سے محروم، گومگو کی کیفیت سے دوچار، سراپا اضطراب والتہاب ہیں اور سچے دل سے یہ ایمان نہیں رکھتے کہ خدا بھی معاذ اللہ ڈوبی کشتی ساحل آشنا کرسکتا ہے۔ اگر سچے دل سے اللہ کی قدرت پر یقین رکھتے تو ڈوبی کشتی کے دوبارہ تیرنے کا انکار نہ کرتے۔

کرامات غوث:

بہر حال انکار جس قسم کا بھی ہو اور جس بنیاد پر بھی ہو، اس کا ازالہ محبوبان خدا کے کمالات وتصرفات سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لاعلاج بیمار لائے جاتے تو ہاتھ پھیرتے ہی وہ تندرست ہو جاتے۔ اپاہج آتے تو ایک نظر میں صحیح وسالم ہوجاتے۔ فلسفی اپنی آنکھوں سے دیکھتا تو دم بخود رہ جاتا اور سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھتا۔ فتنۂ اعتزال جس نے عوام وخواص کو بری طرح جکڑ رکھا تھا، آپ کے تصرفات کے سامنے دم نہ مار سکا بار بار سوچئے یہ کتنا مشکل کام تھا۔ اگر دین ومذہب کی پرکھ کا معیار عقل ناقص ہی کو

بنالیا جائے۔اسی سے صفات خداوندی کا معاذ اللہ تعین کیا جائے، یہی ''وحی الہام'' کی حقیقت سمجھنے اور بیان کرنے کی مجاز کردی گئی ہو،اسی کو آخرت کی لاینحل گتھیاں سلجھانے کی شہ دے دی جائے۔یہی دوزخ کی حسی یا معاذ اللہ معنوی آگ کا راز کھول رہی ہو تو وہ دین جسے اللہ اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بھیجتا رہا ہے۔اس کا کیا حال ہوگا۔عقل ناقص تو پہلے ہی تھی، اب اسے سرکش بھی بنادیا گیا تو نتیجہ یہ نکلا ،نماز روزے کے ظاہری وجود کے باوجود حلاوت ایمان سے دل خالی ہوتے گئے۔یہ تھا وہ وقت جب حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا پوتا اور شہید کربلا رضی اللہ عنہ کا نواسہ اپنے آباواجداد کی طرح دین بچانے کیلئے میدان میں نکل آیا اور پھر دنیا نے اس کی مسیحانفسی کا انداز کھلی آنکھوں سے دیکھا۔بظاہر جس دین کو کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی اور جس طوفان کو بڑے بڑے علماو فضلاء و متکلمین نہ روک سکے تھے،اس نے روک کر دکھا دیا۔اس نے دنیا کی ہی نہیں ،دین کی بھی فریادرسی اسی لئے تو اسے 'غوث اعظم' کہتے ہیں۔اس نے دلوں سے چون و چرا کی ظلمات نکال کر دوبارہ انہیں ایمان کے نور سے روشن وتابندہ کردیا، کیونکہ اسے محض تجدید دین کے لئے نہیں بلکہ احیاءِ دین کیلئے تیار کیا گیا تھا، چنانچہ ''محی الدین'' کہلایا، ہاں ہاں اس کا نام عبدالقادر جیلانی تھا مگر یہ عبدالقادر قدرت نما بھی تھا۔اس نے چند برائیوں کی 'بیڑی' ہی پار نہیں لگائی ،دین کا بیڑا بھی کنارے لگادیا۔اسلئے حضور پرنور شافع یوم النشور رسید عالم نور مجسم ﷺ کے اس وارث کا ثانی اس کے بعد کہاں آیا۔کتنی کثیر اس کی کرامات تھیں، کتنے عجیب اس کے تصرفات تھے، کتنے گوناگوں اس کے کمالات تھے،آج بھی اس کی حکومت اسی طرح ہے،آج بھی اس کا فیض جاری وساری ہے،آج بھی اہل دل اس کے مدح خواں ہیں،آج بھی بادشاہ اس

کے بھکاری ہیں، آج بھی یہ غوث الاغیاث ہے، قطب الاقطاب ہے، فرد الافراد ہے، سید الاسیاد ہے، اور بقول شیخ محقق سلطان السلاطین ہے۔ آج بھی اس دین کو زندہ کرنے والے کا منصب قائم، آج بھی محتاجوں کے لئے اس کا دروازہ کھلا ہے، آج بھی بیکسانِ زمانہ اس سے فریاد کرتے ہیں۔ آج بھی رحمۃ للعلمین ﷺ کا نورِ نظر سب کی جھولی بھرتا ہے۔ چھوڑو کم نظر اعدائے دین کو، اور سنو محی الدین خود کیا فرماتا ہے..... ہاں ہاں یہ وہی محی الدین ہے جو سرور دین ﷺ کا وارث کامل ہے اور 'الصادق' و 'الامین' کے جلوہ ہائے سیرت سے مستنیر ہونے کی وجہ سے کبھی اس کی زبان پر بھی جھوٹ نہیں آسکا اور یہی وہ محی الدین ہے جس کے صدق کی ہلکی سی یلغار کے سامنے ساٹھ ڈاکوؤں کے فسق و فجور نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ خدا گواہ ہے اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، اس نے کبھی امانت میں خیانت نہیں کی، اس نے کسی کو دھوکا نہیں دیا، اس نے کبھی مصلحت دنیا پر مصلحت دینی کو قربان نہیں کیا۔ ہاں ہاں وہ اپنے دور کا امام الصادقین ہے اپنے دور کا وہی امام الصادقین فرماتا ہے:

مَنِ اسْتَغَاثَ بِیْ فِیْ کُرْبَةٍ کَشَفْتُ عَنْهُ وَ مَنْ نَادیٰ بِاسْمِیْ فِیْ شِدَّةٍ فَرَّجْتُ عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ اِلَی اللّٰهِ فِیْ حَاجَةٍ قَضَیْتُ حَاجَتَهٗ (بہجۃ الاسرار وغیرہ)

ترجمہ: جو کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کرے میں اسے اس سے دور کر دوں گا اور جو کسی سختی میں میرا نام لیکر مجھے پکارے، اسے کشائش دوں گا اور جو کسی ضرورت میں اللہ کی بارگاہ میں میرا وسیلہ پیش کرے، اس کی ضرورت پوری کر دی جائے گی۔

محی الدین نے سچ فرمایا اور اہل دین نے سچ جانا، چنانچہ آج تک مصائب و آلام میں آپ کا نام پکارا جاتا ہے۔ سنگینی حالت میں آپ سے فریاد کی جاتی ہے۔

فیض جاری:

صدیاں گزر گئیں اور آپ کے نام کی دہائی جاری ہے، مجددین ومحدثین، صوفیاء و عارفین، مشائخ و مریدین، کاملین و متکلمین، امراء وسلاطین، سب اس آستانے کے بھکاری، سب ان کی نگاہ فیض کے پروردہ، سب ان کی دستگیری کے گواہ، کون ہے جو ان کے دام زلف کا اسیر نہیں، کون ہے جو ان کے لطف عام کا فقیر نہیں، اللہ کے عارفوں ہی نے نہیں، ان عارفوں کے بادشاہوں نے انہیں کس طرح پکارا، ملاحظہ فرمائیے سلطان الہند خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پکار:

یا غوث معظم نورہدیٰ ، مختار نبی ،مختار خدا!!
سلطان دو عالم قطب علیٰ ،حیراں زجلالت ارض و سما

....

در بزم نبی عالیشانی ،ستار عیوب مریدانی
در ملک ولایت سلطانی ،اے منبع فضل و جودوسخا

....

چوں پائے نبی شد تاج سرت ،تاج ہمہ عالم شد قدمت
اقطاب جہاں در پیش درت افتادہ چوپیش شاہ گدا

....

معین کہ غلام نام تو شد دریوزہ گر اکرام تو شد
شد خواجہ ازاں کہ غلام تو شد ،دارد طلب تسلیم و رضا

ترجمہ:

۱)........یاغوث اعظم! آپ ہدایت کے نور، اللہ اور نبی کی بارگاہوں کے مقبول و پسندیدہ، دوجہاں میں (ہمارے) بادشاہ، بلند مرتبہ قطب ہیں، اور زمین و آسمان آپ کی عظمت شان پہ حیران ہیں۔

۲)........اے فضل وسخا کے منبع! نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی بارگاہ میں آپ کو بڑی عزت حاصل ہے، آپ اپنے مریدوں کے عیب بہت زیادہ چھپانے والے ہیں، ملک ولایت کے بادشاہ ہیں۔

۳)........چونکہ نبی اکرم ﷺ کا پائے مبارک آپ کے سر کا تاج ہے۔اس لئے آپ کا پائے مبارک تمام جہان کا تاج ہے۔(یعنی جس کے سر پر آپ کا نورانی قدم آ گیا، وہ شاہجہان بن گیا) دنیا بھر کے قطب آپ کے دروازے کے سامنے یوں کھڑے ہیں جیسے بادشاہ کے سامنے فقیر۔

۴)........یہ معین الدین آپ کے نام پاک کا غلام اور سخاوت کا بھکاری بن گیا۔ چونکہ یہ آپ کا غلام (اور بھکاری) ہے اسی لئے خواجہ بن گیا (یعنی لوگ جو مجھے خواجہ معین الدین کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں آپ کا غلام ہوں)۔

بہر حال یہ غلام آپ سے مقام تسلیم ورضا مانگتا ہے (یعنی وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنے اللہ کی رضا کے سامنے سراپا تسلیم ورضا ہوتا ہے اور پکار اٹھتا ہے مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ)

یہ ہیں نظریات ہندوستان کے لاکھوں مشرکوں کو توحید سکھانے والے اور ان کے فکر ونظر کو شرک سے نجات دلانے والے خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ کے۔کاش لشکر طیبہ کا امیر خالص توحید کو سمجھ سکتا اور ان بزرگوں کا دریوزہ گر بن کرنشہٗ

عشق خدا اور رسول ﷺ سے سرشار ہوتا۔

کیا اب سمجھ آئی برعظیم میں نعرۂ غوثیہ کب آیا، ہاں ہاں خواجہ معین الدین تشریف لائے تو شرک زار ہند میں قرآنی دستور لائے، ایمان کا نور لائے، توحید کا ولولہ لائے، اور نعرۂ غوثیہ لائے۔

نعرۂ غوثیہ کے بارے میں طبیعت متلاتی ہو تو آؤ حدیث صحیح کا شربت پلائیں۔ارشاد نبوی علیہ الصلوۃ والسلام ہے۔

اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّۃُ اَحَدِکُمْ فَلْیُنَادِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ

(حصن حصین مترجم ص ۱۷۵)

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کا جانور بھاگ جائے تو وہ پکارے، اے اللہ کے بندو میری امداد کرو۔

شارح مسلم امام نووی علیہ الرحمہ نے اسے مجرب بتایا تو جب یا عباد اللہ شرک نہیں تو یا غوث اعظم شرک کیوں؟ اور اگر مزید تسلی چاہئے اور اگر مزید اطمینان مقصود ہے تو درج ذیل آیت پر غور فرمالیجئے۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ○

(المائدۃ ۵۵)

ترجمہ: تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔ (کنزالایمان)

مختصر یہ کہ اللہ والوں کو ہم پکارتے ہیں تو محض وسیلہ سمجھ کر نہ کہ کارساز حقیقی جان کر اور یہ پکارنا بھی ہمیں کتاب وسنت کے حکم سے ہی ہے یونہی انہیں مددگار مانتے ہیں تو اسی لئے کہ وہ مددگار حقیقی کے نائب اور مظہر ہیں اور یہ عقیدہ بھی ہمیں کتاب وسنت ہی سے ملا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو مومنوں کا مددگار فرمائے اور کوئی اسے شرک بتائے تو یہ اللہ سے لڑائی ہے، رسول اللہ ﷺ اللہ کے بندوں کو پکارنے کا حکم دیں اور کوئی سرتابی کرے، تو یہ ایمان نہیں کفر ہے۔

اب آخر میں بطور تبرک حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دو واقعات لکھے جاتے ہیں۔ جن سے کچھ اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کے تصرفات وکرامات نے الحاد وکفر کے مقابلے میں اسلام وایمان کو کس طرح فائدہ پہنچایا۔

ا...... اسرار الطالبین میں ہے کہ ایک دن حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ ایک محلے سے گزر رہے تھے کہ ایک مسلمان اور عیسائی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ آپ نے جھگڑے کی وجہ پوچھی تو مسلمان نے عرض کیا حضور والا! یہ عیسائی کہتا ہے کہ ہمارے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمہارے نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے افضل ہیں اور میں کہتا ہوں بلکہ ہمارے نبی پاک ﷺ سب سے افضل ہیں۔

یہ سن کر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے عیسائی سے فرمایا کہ تمہارے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے افضل ہونے کی کیا دلیل ہے؟ عیسائی نے جواب دیا کہ ہمارے نبی علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا

اِنِّیْ لَسْتُ بِنَبِیٍّ بَلْ مِنْ اَتْبَاعِ مُحَمَّدٍ ﷺ اِنْ

اَحْیَیْتُ مَیِّتاً اَتُؤْمِنُ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ

ترجمہ: (میں نبی نہیں ہوں بلکہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ

کا تابع اور غلام ہوں۔، اگر میں مردے کو زندہ کردوں تو کیا

تم ہمارے نبی پاک محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لے آؤ گے۔

تو عیسائی نے جواب دیا جی ہاں، آپ نے فرمایا تم مجھے بہت ہی پرانی قبر دکھاؤ تا کہ تم کو ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی فضلیت کا یقین ہو جائے۔ سو آپ کو ایک کہنہ قبر دکھائی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ " حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردہ زندہ کرتے وقت کیا کلام فرماتے تھے۔ اس نے عرض کیا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ (اٹھ اللہ کے حکم سے) آپ نے ارشاد فرمایا

اِنَّ صَاحِبَ ھٰذَا الْقَبْرِ کَانَ مُغَنِّیاً فِی الدُّنْیَا اِنْ اَرَدْتَ
اَنْ اُحْیِیَہٗ مُغَنِّیاً فَاَنَا مُجِیْبٌ لَکَ

یہ صاحب قبر دنیا میں گویا تھا، اگر تو چاہے تو یہ قبر سے گاتا ہی

اٹھے عیسائی نے جواب دیا ٹھیک ہے۔ میں یہی چاہتا ہوں،

فَتَوَجَّہَ اِلَی الْقَبْرِ وَ قَالَ قُمْ بِاِذْنِیْ

(پس آپ قبر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ میرے حکم سے اٹھ)

فَانْشَقَّ الْقَبْرُ وَ قَامَ الْمَیِّتُ حَیّاً مُغَنِّیاً

(پس قبر شق ہوئی اور مردہ زندہ ہو کر گاتا ہوا باہر نکل آیا)

جب عیسائی نے آپ کی یہ کرامت اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کی

فضیلت دیکھی اَسْلَمَ عَلٰی یَدِ الْغَوْثِ الْاَعْظَمِ رضی اللہ عنہ (تو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوا۔

(سیرت غوث الثقلین بحوالہ تفریح الخاطر)

نوٹ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام قُم بِاِذْنِ اللہ فرماتے تھے تاکہ بعد میں انہیں خدا ماننے والے عیسائیوں کا رد ہو، کیونکہ خدا وہ ہوتا ہے جس کا ذاتی کمال ہو، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کمال خدا کے فضل سے تھا ذاتی نہیں۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمانا اٹھ میرے حکم سے، اس سے معاذ اللہ آپ کی مراد یہ نہیں تھی کی یہ میرا ذاتی کمال ہے، بلکہ مراد یہ تھی کہ میں نبی آخرالزمان ﷺ کا نائب و وارث ہوں اور اس اعتبار سے میرا اذن حضور ﷺ کا اذن ہے اور حضور اللہ کے آخری نبی اور رسول وخلیفۂ اعظم ہیں اس لئے آپ کا اذن اللہ کا اذن ہے۔ لہذا اللہ کے کمالات قدرت کا ظہور اس کے حبیب کریم ﷺ اور ان کے اولیائے امت کے ذریعے سے ہوگا، یہ گویا اسلام کی طرف دعوت تھی یعنی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ صرف دین اسلام ہے جس کے سچے مبلغ اولیائے کرام اللہ کی طرف سے صاحب اذن ہیں، نیز پھر اس حدیث کو پڑھیے کہ میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بندۂ مقرب بولتا ہے، (زبان بندے کی کلام رب کا) ایک عیسائی کو یہ نکتہ ذہن نشین کرانے کیلئے کہ اب عیسائیت قرب خداوندی کا ذریعہ نہیں بلکہ اسلام ہے، یہ انداز نہایت مناسب بلکہ ضروری تھا۔ علاوہ ازیں اولیاء کرام کی بارگاہِ خداوندی میں وجاہت بھی اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر قُم بِاِذْنِ اللہ فرماتے تو آپ کے سامنے بعد میں آنے والے تثلیث کے قائل عیسائی تھے اور حضور غوث اعظم نے قم باذنی فرمایا تو آپ کے سامنے بعد میں آنے

والے گستاخان اولیاء بھی تھے۔

۲......شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی نور اللہ مرقدہ' فرماتے ہیں کہ میں اپنے عالم شباب میں علم کلام میں بہت مشغول رہتا تھا اور اس فن کی بہت سی کتابیں بھی میں نے ازبر کرلی تھیں، میرے عم بزرگوار حضرت ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ علم کلام میں کثرت سے مشغول ہونے سے منع فرماتے تھے۔ آخر ایک روز وہ مجھے حضرت محبوب سبحانی، غوث صمدانی شاہ جیلانی قدس سرہ النورانی کی خدمت میں لے گئے اور حاضر ہو کر عرض کیا' 'بندہ نواز یہ میرا بھتیجا ہے اور ہمیشہ علم کلام میں ہی مشغول رہتا ہے، میں نے کتابوں کے پڑھنے سے کئی مرتبہ منع کیا ہے۔ ان کے عرض کرنے پر حضرت نے مجھ سے فرمایا'' اس فن کی تم نے کونسی کتاب پڑھی ہے' میں نے کتابوں کے نام بتائے تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا جس سے مجھے ان کتابوں میں سے کسی کتاب کا ایک لفظ بھی یاد نہ رہا اور میرے دل سے اس علم کے تمام مضمون نسیاً منسیا ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اسی وقت میرے سینے میں علم لدنی بھر دیا۔ (سیرت غوث الثقلین بحوالہ بہجۃ الاسرار)

۳......شیخ ابوالمظفر منصور بن المبارک علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ اوائل شباب میں مجھے علم فلسفہ میں بہت دلچسپی تھی اور اس علم کی کتابیں پڑھ پڑھ کر میرے خیالات بھی فلسفیانہ ہو گئے تھے، ایک دن میں فلسفہ کی کتاب ہاتھ میں لئے سیدنا غوث اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا:

''منصور یہ کتاب تیرا برا ساتھی ہے اسے چھوڑ دے''

مجھے اس کتاب اور اس کے مندرجات سے بڑی دلچسپی تھی، میں نے حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں تأمل کیا، آپ نے فرمایا:

''اسے کھولو'' میں نے کتاب کھولی تو دیکھا تمام حروف غائب ہیں اور وہ کتاب محض سفید اوراق کا مجموعہ ہے۔آپ نے کتاب میرے ہاتھ سے لے لی اوراس کی ورق گردانی کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ تو فضائل قرآنی کی کتاب ہے اور ابن الفریس کی تصنیف ہے''

میں نے اب جو اس کتاب کو دیکھا تو فی الواقع وہ فضائل قرآن کی کتاب تھی اور نہایت خوشخط لکھی ہوئی تھی میں حیران رہ گیا۔آپ نے فرمایا ''توبہ کرو، جو بات دل میں نہ ہو وہ زبان سے کبھی نہ کہو''

میں نے عرض کیا ''میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں'' اس کے بعد میں وہاں سے اٹھا تو فلسفہ کے تمام علوم میرے دل سے محو ہو چکے تھے۔

توحیدٗ اور محبوبانِ خدا کے کمالات

یہ تین کرامتیں:

امام الاولیاء مقدام الاصفیاء حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ کی ان کرامات پر غور کیجئے۔

ا......ان میں سے پہلی کا تعلق ایک پرانے مردے کو دوبارہ زندہ کرنے سے ہے، اللہ نے یہ معجزہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، توحید کو مدلل ترین طریقے سے پیش کرنے کیلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ یقیناً یہ اس بات کا زندہ ثبوت تھا کہ خدائے بزرگ و برتر، قادر مطلق ہے اور سب کچھ کرسکتا ہے حتیٰ کہ مردے بھی زندہ کرسکتا ہے۔ پھر ایک ہے مردے کو زندہ کرنا، ایک اس طرح زندہ کرنا کہ گاتا ہوا اٹھے، ممکن ہے عقل تیرہ، یہاں تک مان جاتی کہ واقعی اللہ مردے زندہ کرسکتا ہے مگر یہ بات کہ مردے کو گویے کی حیثیت سے زندہ کرے، بہت مشکل ہے۔ چنانچہ بحث وجدال کرنیوالے عیسائی نے اسے تسلیم کیا کہ یوں مردہ زندہ کرنا اور بھی بڑا کمال ہے۔اس موقعے پر جب کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضور مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے بھی افضل کہہ رہا ہو۔ضروری تھا اور اللہ کی غیرت کا اپنا تقاضا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے کمالات سے بھی بڑا کمال ظاہر کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بظاہر یہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی مگر بہ باطن یہ حضور سرور کائنات علیہ افضل واکمل التسلیمات کا معجزہ بھی تھا۔ کیونکہ مسلم ہے۔

کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ مُعْجِزَاتُ الْاَنْبِیَاءِ

ترجمہ: اولیاء کی کرامات بھی انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہوتی ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور واحد و یکتا ہونے کا ثبوت بھی۔ چنانچہ اس کا اثر بھی ہوا اور عیسائی مسلمان ہوگیا۔ تاریخ میں یعنی ایسے ہزاروں لاکھوں افراد

ہیں جو کرامات دیکھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ توحید کا علمبردار یہ معجزات و کرامات بیان کرے اور اپنے اللہ جل جلالہ کی وحدت کے جیتے جاگتے ثبوت پیش کر کے ذہنوں کے شکوک وشبہات دور کرے نہ یہ کہ مشرک گری اور تکفیر کی تلوار سے ہر بندۂ خدا پر حملہ آور ہوتا پھرے اور اناپ شناپ جومنہ میں آئے بکتا رہے۔ اگر ہمیں اللہ ہی کیلئے کسی سے محبت ہو تو وہ لوگ جنھوں نے ہر دور میں اللہ کے دشمنوں کا مقابلہ کر کے توحید کا علم بلند کیا اور ہم جیسے لوگوں کو کلمۂ توحید سکھایا، ہماری محبت کے زیادہ مستحق ہیں۔ بلکہ یہ تکمیل ایمان کی شرط ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔

اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ

(ابوداؤد، کتاب السنۃ باب مجانبۃ اھل الاھواء و بغضھم جلد۲ ص ۲۷۶)

ترجمہ: اعمال میں سب سے افضل عمل اللہ ہی کے لئے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھنا ہے۔

اللہ کیلئے محبت کی جائے تو تکمیل ایمان کا سبب ہے۔ مگر یہ کن سے ہوگی، یقیناً ان سے جنھوں نے اللہ کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور اس کے عشق میں ڈوب کر اس کے ہر دشمن سے مقابلہ کیا بلکہ اس کو اپنے خداداد کمالات سے توڑ پھوڑ کے رکھ دیا۔ کلمۂ حق بلند کیا اور توحید کو دل و دماغ میں اتار دیا۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ کرامات پڑھ کر ان کا احسان مند ہونا چاہیے۔ انہیں محی الدین (دین کو زندہ کرنے والا) سمجھنا چاہیے۔ ان کی عظمتوں کا چرچا کرنا چاہیے (کیونکہ یہ دراصل توحید، ایمان، اسلام اور فیض روحانی کا چرچا ہے) نہ کہ ان کے کمالات کا انکار کریں۔ ان کے کمالات کا انکار تو اسلام کے دشمن کریں،

توحید کے باغی کریں، تشکیک والحاد کے مریض کریں، شرک کے رسیا کریں۔ مسلمان اور اسلام کے خیرخواہ کیوں کریں۔ یقین جانیں اگران باتوں کو سمجھنے کے بعد، اور بیشک یہ باتیں بدیہی و بنیادی ہیں ان میں کوئی ایچ پیچ نہیں، کوئی شخص اللہ والوں کے خلاف بکتا ہے تو اسلام دشمنوں کا ایجنٹ ہے۔ اللہ والا نہیں۔

۲)........اسی طرح آپ کی دوسری کرامت پر غور فرمائیں۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ حضرت شہاب الدین سہروردی (جو شیخ سعدی کے شیخ اور سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہوئے ہیں) جوانی میں فلسفہ وکلام میں مشغول ہو گئے۔ ایسے لوگ دور حاضر میں بھی ہوتے ہیں۔ انسان بعض دفعہ انکی ظاہری صورت حال پر پریشان ہو جاتا ہے اور اس وسوسے کا شکار ہو جاتا ہے کہ کیا خدا بھی اس کو ہدایت کی توفیق دے سکتا ہے یا نہیں......اور جب تک وہ ہدایت پر نہ آئے قدرت خداوندی کے بارے میں گومگو میں گرفتار رہتا ہے۔ کتنے علماء ہیں دور حاضر میں جنہوں نے فلسفہ زدہ نوجوانوں کو ان کے مخمصوں سے نکالا ہے۔ جنہوں نے کسی کے دل ودماغ کو انوار توحید سے روشن کر کے فلسفہ وتشکیک سے نجات بخشی ہے۔ محض مناظرہ ومجادلہ تو کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا اور اس قسم کے لوگ اس سے کوئی فائدہ نہیں لے سکتے۔ ہر بات پر کیوں، کیسے، کیا وغیرہ ان کی طبیعت پر چھایا ہوتا ہے۔ پھر اکثر وبیشتر وہ ہدایت پر آنے کی آرزو ہی نہیں کرتے یعنی وہ بیماریٔ دل میں مبتلا ہوتے ہیں اور اسے بیماری سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ کتنی پیچیدہ اور مایوس کن ہے یہ صورت حال۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ وہ خود ہدایت طلبی کے لیے نہیں آئے تھے ان کے چچا ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی قدس سرہٗ انہیں حضور غوث اعظم کی خدمت میں لائے تھے۔ مریض دارالشفاء میں

پہنچ گیا۔کوئی بحث نہیں چھڑی۔کسی بات سے استدلال نہیں کیا۔حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ سے فرمایا:

اس فن کی تم نے کون کون سی کتاب پڑھی ہے۔

کتابوں کے نام بتائے گئے تو آپ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پر رکھا جس سے ان کتابوں کا ایک لفظ تک یاد نہیں رہا۔ بلکہ فلسفے کا تمام علم سینے سے نکل گیا اور علم لدنی حاصل ہو گیا۔

فرمایئے فلسفے کا اس طرح دل و دماغ سے نکل جانا اور علم لدنی سے سینہ بھر جانا، کیا اللہ کی قدرت کاملہ کی ایک لاجواب دلیل نہیں۔ میری باتوں کو پھر غور سے پڑھئے اور قرآن حکیم کی اس آیت پر غور کیجئے:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (الاعراف:۵۶)

ترجمہ: بیشک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے۔

اللہ کی رحمت ان مخلص بندگان خدا کے کس قدر قریب ہے۔کیا اس واقعے سے اس بات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جاتا ہے یا نہیں۔اور کیا یہ واقعہ اس آیت کی تفسیر کا منہ بولتا ثبوت نہیں ہے۔

اس بات پر بھی غور کیجئے، کیا احادیث میں اس قسم کے واقعات نہیں ملتے کہ حضور پرنور ﷺ نے کسی کے سینے پر ہاتھ رکھا تو اس میں ایمان بھر دیا اور کسی کا تذبذب دور کر دیا۔کسی میں محبت کا نور بھر دیا۔یہ جو حضور پرنور ﷺ کے اس قسم کے معجزات ہیں ان میں حضور ﷺ کا وارث کون ہے؟ کیا آپ نے یہ حدیث پاک نہیں پڑھی۔

اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ

(بخاری کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل جلد:۱ ص ۱۶، واللفظ لہ ابوداؤد کتاب العلم باب فی فضل العلم جلد :۲ ص ۱۵۷، ابن ماجہ کتاب العلم باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم ص ۲۰، دارمی، باب فی فضل العلم والعالم جلد ا: ص ۸۳ رقم ۳۴۹، ترمذی ابواب العلم باب فی فضل الفقہ علی العبادۃ جلد ۲ ص ۹۳)

ترجمہ: علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

یہ کون سے علماء ہیں یقیناً جو سیرت وصورت میں محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کی نمائندگی کرتے ہیں۔ چنانچہ حضور غوث الوریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے وہ لوگ جو اس قسم کے معجزات کے بارے میں خصوصاً اور عام اسلامی نظام اور عقائد و عبادات کے بارے میں شکوک وشبہات میں پھنس کے رہ گئے تھے، انہیں آپ ہی کے تصرفات سے ایمان پر اطمینان حاصل ہوا۔ پھر سوچئے اور فرمائیے کیا یہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا کم احسان ہے۔ اسی لئے حضور داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب کشف المحجوب میں ثابت کیا ہے کہ کرامت برہان نبوت ہے۔ اس نکتے کو بھی سامنے رکھئے کہ جب ہمارے پیارے پیغمبر حضور احمد مجتبیٰ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کسی اور کا نبی بن کر آنا محال ہے تو دلوں کے اطمینان کے لیے انبیاء کی جگہ انکے وارثوں کو یعنی علمائے حق کو لینی چاہیے تھی یا نہیں۔ اور یہ وارث ان کے کمالات روحانی کی نمائندگی نہ کر سکیں تو وارث کس معنے میں ہوں گے۔ مختصر یہ کہ غوث اعظم اور دوسرے اولیائے کرام کی کرامات اسلام کی حقانیت کا دوٹوک انداز میں اظہار کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ ہر دور میں ان کرامات نے بڑے بڑے بیڑے ترائے ہیں۔

پھر اس کرامت کے سلسلے میں اس حدیث کو بھی پیش نظر رکھیں جس کے بعض اجزاء بار بار اس مضمون میں حسب موقع آرہے ہیں۔ اس کا ایک جزو یہ ہے۔

وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا

یعنی اللہ فرماتا ہے'اور میں اس (بندۂ محبوب ومقرب) کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' (بخاری شریف)

یہ نبی کا مقام نہیں، وہ تو بہت بلند وبالا ہے، یہ اس بندۂ محبوب کا مقام ہے جو کثرت نوافل سے قرب خداوندی کی اس بلندی تک پہنچا ہے۔

۳)......اب آیئے غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی تیسری کرامت کی طرف جو اوپر بیان ہوئی ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ منصور بن مبارک علیہ الرحمۃ کے بقول وہ فلسفے کی ایک کتاب لے کر حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا' یہ کتاب تیرا برا ساتھی ہے، اسے چھوڑ دو'۔انہوں نے تامل کیا آپ نے اسے کھولنے کا حکم دیا۔منصور نے کتاب کھولی تو کسی صفحے پر کوئی حرف نہیں رہ گیا تھا، پھر کتاب آپ نے اپنے دست مبارک میں لی اور اس کی ورق گردانی کرتے ہوئے فرمایا' یہ فضائل قرآن کی کتاب ہے اور ابن الفریس کی تصنیف ہے۔انہوں نے توجہ کی اور ان کے دل سے سارا فلسفہ نکل گیا، گویا ہاتھ بھی سینے پر نہیں مارا۔اور محض توجہ اور ارادے سے دل کو پاک وصاف کر دیا، جس طرح محبوبان خدا کا ہاتھ دست قدرت کا مظہر ہوتا ہے، یونہی ان اہل رضا کا ارادہ ''ارادۂ الٰہیہ کا'' نمائندہ بن جاتا ہے۔

فرمایئے! ایک کم نظر آدمی دور حاضر کے پریس وغیرہ کو دیکھ کر یورپین تہذیب اور سائنسی ترقی کے سامنے احساس کمتری کا شکار ہو جائے اور اپنے بزرگوں کے روحانی کمالات وتصرفات کو ان کے مقابلے میں کم تر سمجھنے لگے تو در اصل وہ قرآنی فیوضات وبرکات کو (معاذ اللہ) کم تر خیال کرنے لگے گا۔اس قسم

کے واقعات ایسے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ کرتے، اور اپنے بزرگوں کے روحانی کمالات اور قرآنی فیوضات کی عظمت و وسعت کا نقش ذہنوں پر بٹھا دیتے ہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کے موجودہ دور میں جو حیرت انگیز ایجادات سے مالا مال ہے اور کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ نے تو اس کی ترقی کو چار چاند لگا دیئے ہیں، کیا اس قسم کا واقعہ سنا ہے، ایک لمحہ میں بغیر کسی ظاہری سبب کے ساری کتاب کے حروف ملیامیٹ ہو جائیں اور دوسرے لمحے میں انہیں کاغذات پر نہایت خوش خطی کے ساتھ دوسری مطلوبہ کتاب چھپ جائے۔ خدانخواستہ حضور غوث پاک اور دوسرے اولیاء کی کرامات کی بارش نہ ہوتی تو دورِ حاضر کے بہت سے لوگ یہ کہہ کر بے دین ہو جاتے کہ نبی سے سائنسدان زیادہ طاقت ور ہوتا ہے اور علم قرآن سے علم سائنس زیادہ طاقت کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں، اللہ کسی سبب کا محتاج نہیں بلکہ سارے اسباب کا مسبب و خالق ہے تو اس نکتۂ توحید کی وضاحت ایسے ہی واقعات سے ہوتی ہے، سائنسدان علم و تحقیق کے راستے پر کئی فتوحات حاصل کر سکتا ہے مگر وہ قدرت الٰہیہ کے کمال 'کن' کا مظہر نہیں بن سکتا۔ ایسا مظہر تو اس کا بندہ محبوب و مقرب ہی بن سکتا ہے، جس کے اعضاء و جوارح میں اللہ کے نورِ جلال کی تجلیات ہوں، چنانچہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی یہ تیسری کرامت اس حقیقت کا ایک بین ثبوت ہے۔

سوچتے جایئے 'توحید' کے نام پر توحید کے علمبردار یعنی اولیاء کرام کے منکرین توحید سے کتنے دور ہیں اور فلسفیانہ ظلمات کی پگڈنڈیوں پر کس طرح ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔

کرامات غوثیہ کی بنیاد:

غوث اعظم قدس سرہٗ کے ان کمالات کی بنیاد کیا ہے، یعنی آپ کو یہ تصرفات کس وجہ سے حاصل ہوئے ہیں، سنئے! آپ فرماتے ہیں،

وَاَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ
مجھے ہے سر قرآن سے نوازا، تاج پہنایا
وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ
جو کچھ مانگا مجھے دیتا رہا ہے خالق اکبر
وَوَلَّانِیْ عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا
مجھے حق نے تمام اقطاب کا حاکم بنایا ہے
فَحُکْمِیْ نَافِذٌ فِیْ کُلِّ حَالٍ
میرا ہر حال میں ہر حکم نافذ ہے زمانے پر
فَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ بِحَارٍ
جو دریاؤں میں اپنا راز ڈالوں، آب ہو غائب
لَصَارَ الْکُلُّ غَوْرًا فِی الزَّوَالِ
خدا کی شان سے ہر بحر ہو ناپید پیدا بر
وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ جِبَالٍ
اگر ڈالوں میں اپنا راز پتھر کے پہاڑوں میں
لَدُکَّتْ وَاخْتَفَتْ بَیْنَ الرِّمَالِ
تو ریگ دشت کے ذروں میں گم ہو جائیں پس پس کر
وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ نَارٍ
اگر ڈالوں میں اپنا راز آتش پر تو ٹھنڈی ہو

لَخُمِدَتْ وَانْطَفَتْ مِنْ سِرِّ حَالِیْ

کچھ اس انداز سے روشن نہ ہو پھر فرشِ گیتی پر

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَیِّتٍ

اگر میں ڈالوں اپنا راز لوگو جسمِ بے جاں پر

لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰی تَعَالٰی

خدائے پاک کی قدرت سے اٹھے زندگی پا کر

دیکھا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خداداد قوتوں کا عالم، مگر ان کا سبب وہی ہے جو یہاں شعر نمبر ۱ میں ہے یعنی اللہ نے آپ کو سرِ قدیم پر مطلع فرمایا ہے۔ سرِ قدیم سے مراد کیا ہے۔ شارحین کے نزدیک علم قرآن ہے (کیونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور قدیم ہے) اب حضور غوث پاک کی طاقتوں اور قوتوں کا راز واشگاف ہونے کے بعد کوئی شخص انکار کا راستہ ہی اختیار کرتا ہے تو اسے اختیار ہے، مگر یہ یاد رکھے کہ اب وہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے تصرفات و کرامات کا انکار نہیں کر رہا، بلکہ قرآن پاک کے فیوض و برکات کا انکار کر رہا ہے اور یوں اللہ کے جلال سے ٹکر لے رہا ہے۔

حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اپنی ان بے مثال طاقتوں کا راز یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن حکیم کا علم بخشا ہے تو جس کے پاس قرآن پاک کا جتنا علم ہو گا وہ اتنا ہی طاقتور ہو گا۔ اللہ والوں نے بڑے بڑے معرکے سر کئے اور بڑے بڑے دشمنانِ اسلام کو زیر کیا تو اسی قرآنی طاقت کے بل بوتے پر۔ اب قرآن حکیم کو اللہ کی کتاب ماننے والے اور اس سے محبت کرنے والے کیلئے تو یہ امر نہایت خوش کن ہے کہ اس سے ایسی طاقتوں کا اظہار ہو رہا ہے، جس کے آگے

باطل کی طاقتیں ہیچ نظر آتی ہیں اور ان کے فیوض و برکات کا سرچشمہ جو اس کے پاس ہے اس کے سوا کہیں نہیں۔

قرآن حکیم کی ان بے انتہا طاقتوں کا راز خود قرآن پاک نے کھولا ہے۔ جب اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک درباری کی طاقت کا نقشہ کھینچا ہے، قرآن پاک نے صاف بیان فرمایا:۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (النمل:۴۰)

ترجمہ: اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کروں گا، آپ کے آنکھ جھپکنے سے پہلے۔

کتنی واضح بات ہے کہ تورات یا زبور کے علم میں یہ طاقت ہے کہ تخت بلقیس جو نہایت بھاری تھا، دوسرے ملک سے دور دراز فاصلے سے پھر مقفل کمرے سے آنکھ جھپکنے سے پہلے منگوا سکے تو قرآن پاک کے علم میں کتنی طاقت ہونی چاہئے، اور جن لوگوں کے پاس یہ قرآنی طاقت ہے، وہ دوسروں کیلئے محترم و مکرم ہونے چاہئیں اور انہیں ملت اسلامیہ کا محسن سمجھنا چاہئے یا ان پر کفر و شرک کے فتووں کی بوچھاڑ کر دینی چاہئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو تخت سامنے دیکھا تو اس صاحب علم (جسے مفسرین نے حضرت آصف بن برخیا قرار دیا ہے) کو کافر و مشرک کہا تھا یا اپنے رب کا شکر ادا کیا تھا۔ دیکھئے قرآن پاک، اسی آیت کا اگلا حصہ......

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ

لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝ (النمل:۴۰)

ترجمہ: پھر جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا، کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے، تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرے، وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے سب خوبیوں والا۔

کتنی واضح بات ہے، کیسی روشن سنت ہے، کسی ولی کی کرامت دیکھتے ہو تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی سنت پر چلتے ہوئے اسے اللہ کا فضل سمجھو اور پھر اس کے حوالے سے اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر تخت کا لایا جانا تورات یا زبور کی بلکہ جن پیغمبروں پر نازل ہوئی تھیں، ان کی بھی صداقت وحقانیت کی دلیل تھا اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مقام شکر تھا تو حضور پرنور ﷺ کا وہ امتی جو علم قرآن سے مالا مال ہو کر قرآنی طاقت کا کوئی کرشمہ دکھائے تو یقیناً حضور پرنور ﷺ بھی اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ قرآن کی اور صاحب قرآن ﷺ کی سچائی کی دلیل ہے۔ پھر آپ کی سنت پر چلتے ہوئے حضور کے سچے امتی کو بھی اللہ کا شکر ہی ادا کرنا چاہئے اور فرحت و مسرت کا اظہار کرنا چاہئے مگر حافظ سعید جو حیات النبی ﷺ کا منکر ہے، قرآنی فیوض و برکات سے خود محروم ہے، اور عقل ناقص میں ایسا محصور ہے کہ علم و دانش کے اجالوں سے دور ہے، بیچارہ کیا سمجھے کہ توحید کیا ہے، توحید کے تقاضے کیا ہیں، توحید اور قرآن کی قوت کیا ہے کیونکہ اس کا ذہن تاریک ہے، اس کی زبان بھی دراز ہے اور رسی بھی دراز ہے۔

بعض دوسرے بزرگوں کی قرآنی طاقتیں:

اوپر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ جتنا علم قرآن ہوگا، اتنا ہی صاحب علم طاقتور ہوگا۔ سب بزرگوں کا علم برابر نہیں، لہذا طاقتیں بھی برابر نہیں، تاہم یہ حقیقت ہے کہ باطل ان میں سے کسی کے سامنے آیا تو لرزہ براندام ہو گیا۔ باطل کی قوتوں میں سے ایک ہے، جادو کی طاقت۔ آپ جانتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ بھی جادوگروں سے ہوا تھا اور جادوگروں نے جو کمال دکھایا تھا وہ بھی ماوشما کے بس سے باہر تھا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے جن کا عصا ان تمام تکلفات کو حرف غلط کی طرح مٹا سکا، ورنہ دوسرے ناظرین تو دبک گئے تھے۔

اولیائے اسلام کا مقابلہ بھی جادوگروں سے ہوا تھا تو وہ کوئی عام قسم کے جادوگر نہیں تھے بلکہ سرکاری سطح پر ان کی تلاش کی جاتی تھی اور پورے ملک میں جو سب سے بڑا شعبدہ باز ہوتا تھا، انہی کے مقابلے میں لایا جاتا تھا جیسا کہ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں ہوا۔ یہاں چند ایسے ہی واقعات درج کرتے ہیں جن میں قرآنی طاقتوں اور شیطانی طاقتوں کے مقابلے کا حال ہوگا۔

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ کی کرامت:

آپ کے ہاتھ پر سب سے پہلے رائے راجو مسلمان ہوا تو مسلمان ہونے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ وہ کس طرح مسلمان ہوا سنئے:

> ''ایک روایت کے مطابق رائے راجو ایک ہندو جوگی کا نام تھا۔ جس نے اپنی ریاضت سے کرشموں اور شعبدوں پر قابو پا لیا تھا۔ جس جگہ حضرت سید علی ہجویری مقیم تھے۔ اس کے چند گز کے فاصلے پر اس ہندو جوگی کی کٹیا تھی۔ آس پاس

کے سب گوالے دودھ دوہنے کے بعد سب سے پہلے اس ہندو جوگی کو دودھ دے کر آتے تھے۔ اگر کوئی ایسا نہ کرتا تو اگلے روز اس کی بھینسوں کے تھنوں سے دودھ کی بجائے خون نکلنے لگتا۔

ایک دن ایک بوڑھی عورت تازہ دودھ کی مٹکی لئے حضرت سید علی ہجویری کے سامنے سے گزری۔ تو آپ نے آواز دے کر بلا لیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ دودھ قیمت لیکر دے جاؤ۔ بوڑھی عورت نے جواب دیا۔ ''شاید آپ جانتے نہیں، کہ یہ دودھ رائے جوگی کا ہے۔ اور اسے ہی دیا جاسکتا ہے، اگر اس کو نہ پہنچایا گیا تو ہمارے جانوروں کے تھنوں سے خون آنا شروع ہوجائے گا۔

حضرت سید علی ہجویری یہ سن کر مسکرا دیئے اور پھر فرمایا ''اگر تم یہ دودھ دے جاؤ گی تو جانوروں کا دودھ دوگنا ہوجائے گا۔''

بوڑھی یہ سن کر رک گئی اور پھر سوچ میں پڑ گئی۔ پھر یہ دیکھ کر کہ کہنے والی شخصیت بڑی ہے۔ اس کی بات جھوٹی نہیں ہوسکتی۔ اس نے دودھ کا برتن حضرت سید علی ہجویری کی طرف بڑھا دیا۔

آپ نے بقدر ضرورت اس میں سے پی لیا۔ بوڑھی عورت شام کو جب دودھ دوہنے لگی۔ تو اس کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ جب اس نے دیکھا کہ گھر کے تمام برتن بھر چکے

ہیں۔لیکن تھنوں سے دودھ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔آناً فاناً یہ بات ہمسایوں میں اور گردونواح میں پھیل گئی۔

اگلے روز سب لوگ اپنے اپنے دودھ کے برتن لے کر حضرت سید علی ہجویری کے حضور حاضر ہو گئے آپ مسکرا کر ان کا دودھ لیتے اور کچھ پی لیتے۔جب شام ہوئی تو ان لوگوں نے دیکھا کہ ان کے جانوروں کے تھنوں میں بے حدوحساب دودھ آ گیا ہے۔

رائے راجو جوگی نے جب دیکھا کہ اس کے پاس لوگوں نے دودھ لانا بند کر دیا ہے۔تو اسے بڑا طیش آیا،اس نے فوراً حضرت سید علی ہجویری سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ آپ کے پاس آ کر اس نے کہا۔آپ نے ہمارا دودھ بند کرا دیا ہے لیکن کوئی اتنا بڑا کمال نہیں کیا۔آپ کے پاس اگر کوئی اور کمال ہو تو مجھے دکھائیں۔

حضرت سید علی ہجویری اس کی بات سن کر مسکرا دیئے اور کہنے لگے میں تو اللہ تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ ہوں کوئی شعبدہ باز تھوڑا ہی ہوں جو کہ تجھے اپنے کمال دکھاتا پھروں۔ ہاں اگر تمہارے پاس کوئی کرشمہ ہے تو دکھلاؤ،جوگی نے جواب دیا تو لو دیکھو میرا کرشمہ۔

یہ کہا اور اپنے علم کے زور پر ہوا میں اڑنے لگا۔ حضرت سید علی ہجویری اس کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھ کر ہنسنے لگے۔

پھر آپ نے اپنی جوتیوں کو ہاتھ سے اٹھا کر ہوا میں پھینک دیا۔ وہ رائے جوگی کے ساتھ ساتھ ہوا میں اڑنے لگیں، جوگی نے جو یہ کرامت دیکھی تو فوراً نیچے اتر آیا، اور حضرت سید علی ہجویری کے پاؤں میں گر کر التجا کرنے لگا۔ کہ مجھے اسی وقت مسلمان کر لیجئے۔

حضرت سید علی ہجویری نے اسے مسلمان کر لیا، اور پھر اس کی روحانی تربیت کی اس کا نام شیخ ہندی رکھا، وہ تمام زندگی سید علی ہجویری کا مرید خاص رہا۔ شیخ ہندی کے انتقال کے بعد اس کی اولاد حضرت سید علی ہجویری کے مزار مبارک کی مجاور بنی۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ آج تک یہ سلسلہ قائم ہے۔

(محفل اولیاء)

<u>خواجہ کی فتوحات:</u>

اب آیئے سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی المعروف خواجہ غریب نواز علیہ الرضوان کی فتوحات کی طرف۔ یہاں صرف تین واقعات دیئے جاتے ہیں، پہلا دہلی میں باقی دو اجمیر میں رونما ہوئے۔

'جس وقت خواجہ بزرگ پہلے پہل دہلی میں آئے تو ایک شخص بغل میں چھری دبائے ہوئے حملہ کی نیت سے سامنے آیا، حضرت نے فرمایا آیا ہے تو اپنا کام کر۔ وہ یہ الفاظ سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگا۔ قدموں پر گرا۔ اور اسی وقت مسلمان

ہو گیا، یہ کرامت دیکھتے ہی بہت سے افراد مسلمان ہو گئے۔

حضرت خواجہ اجمیر شریف میں بالکل نو وارد تھے کہ باہر جا کر آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے روکا کہ یہاں مہاراج کے اونٹ بیٹھتے ہیں۔ آپ اٹھ کر تالاب انا ساگر پر جا بیٹھے۔ جہاں صد ہا بت خانے تھے، اگلے روز اونٹوں کو اٹھانا چاہا وہ وہاں سے نہ اٹھ سکے۔ اور جب لوگوں نے آ کر معافی مانگی تو اونٹ اٹھ سکے۔ لوگوں نے راجہ سے جا شکایت لگائی کہ غیر مذہب کے کچھ لوگ ہماری پرستش گاہ کے قریب آ ٹھہرے ہیں۔ راجہ نے حکم دیا کہ پکڑ کر نکال دو۔ سرہنگان راجہ جو پہنچے اور ہجوم کیا تو حضور نے آیۃ الکرسی خاک کی ایک چٹکی پر پڑھ کر پھینک دی۔ جس پر پڑی وہ وہیں کا وہیں بے حس وحرکت ہو کر رہ گیا تیسرا ہی روز تھا کہ راجہ اور تمام اہل شہر تالاب پر پوجا کیلئے جمع ہوئے رام دیو مہنت ایک جماعت کثیر کے ساتھ آپ کو بجبر اٹھانے کیلئے بڑھا۔ نظر جو اٹھائی تو جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اسی وقت پاؤں پر گرا اور اسلام قبول کر لیا، پہلا مسلمان تھا، جو آگے چل کر بڑے مرتبے پر فائز ہوا۔

تالاب سے اٹھے تو ایک آفتابہ میں پانی بھر لیا، تو کل تالاب کا پانی خشک ہو گیا، راجہ گھبرا گیا اور جے پال جوگی کو جوارض ہند کا سب سے نامور اور بڑا جوگی تھا بلوایا۔ وہ مرگ

چھالا پر ڈیڑھ دو ہزار چیلوں کو ساتھ لے کر بسرعت اجمیر پہنچ گیا اور ایک خوفناک قوت کے ساتھ مقابلہ کیلئے بڑھا، اسطرح کہ جادو کے شیر اژدھے ساتھ تھے اور سب آگ کے چکر پھینکتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ مخلوق عظیم ساتھ تھی۔ ہمراہی یہ دہشت خیز سماں دیکھ کر گھبرائے۔ آپ نے سب کے گرد حصار کھینچ دیا۔ اب ایک طرف سے سانپ بڑھنے شروع ہوئے۔ دوسری طرف سے شیر چلے اوپر سے اور سامنے سے آگ برسنی شروع ہوگئی۔ دہشت ناک سماں تھا۔ اہل شہر تک لرز رہے تھے۔ کوئی حصار کے اندر قدم نہ رکھ سکتا تھا۔ آپ نماز میں مصروف تھے۔ جس کے بعد آپ نے ایک مٹھی خاک جو پھونک کر پھینکی تو سارا طلسم فنا ہو کر رہ گیا، اب میدان صاف تھا اور جے پال نے ہزیمت زدہ و مطیع ہو کر اسی وقت پاؤں پر گر کر معافی مانگی، مسلمان ہوا اور مرتبہء کمال کو پہنچا۔ اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ اسے 'پرواز' کا پورا ملکہ تھا۔ چنانچہ اڑا تو افلاک کی بلندیوں میں جا داخل ہوا مگر حضور کی کھڑاویں اسے مارتی اتار لائیں۔ اللہ کی دین ہے کہ وہ انتہائی شقاوت پسندوں اور بدبختوں کو ہدایت دے کر آن کی آن میں انتہائی سعید بنا دیتا ہے۔" (محفل اولیاء)

سلہریے کیسے مسلمان ہوئے:

جناب ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی لکھتے ہیں۔

''غلام دستگیر (علیہ الرحمۃ) کی تحقیق کے مطابق حضرت (قطب العالم حضرت عبد الجلیل چوہڑ بندگی علیہ الرحمۃ) 880ھ بمطابق 1475ء کے قریب لاہور تشریف لائے، یہ سلطان بہلول لودھی کا زمانہ تھا، سلطان کو ان دنوں راجہ سین پال سلہریہ کی بغاوت نے فکر مند کر رکھا تھا، سلہریہ ریاست اس وقت اس رقبہ پر تھی کہ جس میں اب پسرور، نارووال، پٹھان کوٹ، شکر گڑھ اور جموں وغیرہ واقع ہیں۔ راجہ سین پال نے خراج دینا بند کر دیا، تو سلطان نے اس کی سرکوبی کیلئے لشکر بھیجا، جس نے پہلے راجے کو سلطان کا یہ پیغام پہنچایا کہ وہ خراج ادا کرے یا مسلمان ہو جائے، راجہ نے لڑنے کو ترجیح دی، لیکن جلد ہی شکست کھا کر بھاگ نکلا اور جموں کے پہاڑوں میں روپوش ہو گیا، ان پہاڑوں میں اس کی ملاقات جے پال نامی ایک جوگی سے ہوئی جس کے بارے میں مشہور تھا کہ استدراج میں کوئی ہندو جوگی اس کا ہمسر نہیں، استدراج اس خارق العادت عمل کو کہتے ہیں جو کسی غیر مسلم سے سرزد ہو، راجہ سین پال اس جوگی کے پاس گیا اور اپنی تمام رام کہانی اسے سنائی اور پھر منت کی کہ وہ کوئی ایسا عمل پڑھے جس سے مجھ پر آئی ہوئی بلا ٹل جائے، جے پال جوگی نے اسے تسلی دی اور وعدہ کیا کہ میں تمہارا یہ کام کر دوں گا، اور تمہاری سلطنت بھی تمہیں واپس لا دوں گا اس کے بعد وہ سیدھا لاہور پہنچا اور سلطان بہلول

لودھی کی خدمت میں باریاب ہو کر عرض کی کہ اللہ تعالیٰ
رب العالمین ہے، اس نے اپنے بندوں کو بادشاہوں کے قبضہ
میں اس لئے دیا ہے کہ وہ ان میں انصاف کریں، اگر جہاں
پناہ اس فقیر کی گزارش پر غور کا وعدہ فرمائیں تو میں کچھ عرض
کرنے کی جسارت کروں، سلطان کو جوگی کا یہ انداز پسند آیا،
اور فرمایا تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو بلاخوف کہو جے پال نے عرض
کی، اگر جہاں پناہ اپنی رعایا کو ان کی رضا و رغبت سے دائرہ
اسلام میں لانا چاہتے ہیں تو کسی مسلمان عالم کو میرے سامنے
پیش کریں تاکہ وہ مجھ سے مناظرہ کرے اور حق و باطل میں
امتیاز ہو سکے۔ اگر مسلمان عالم مجھ پر غالب آگیا تو میں تمام
قوم سلہریہ کے ساتھ اسلام قبول کرلوں گا ورنہ مجھ سے وعدہ
فرمائیں کہ آپ آئندہ راجہ سین پال سے مزاحمت نہیں فرمائیں
گے۔ سلطان نے جوگی کی بات مان لی اور اپنے وزیر دولت
خاں سے کہا کہ کوئی صاحب حال تلاش کرو۔ جو اس جوگی کو
لاجواب کر سکے۔ دولت خاں حضرت شاہ کاکو رحمۃ اللہ علیہ کی
خدمت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ عرض کیا۔ لاہور ریلوے
اسٹیشن کے قریب ہی جہاں آج کل مسجد شہید گنج ہے۔ حضرت
شاہ کاکو کی خانقاہ تھی، حضرت نے فرمایا میں اب بوڑھا اور کمزور
ہو گیا ہوں۔ تم قطب عالم شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی کی خدمت
میں جاؤ، وہ لاہور تشریف لا چکے ہیں۔ حضور سرورِ عالم ﷺ کی

طرف سے یہ ولایت اب ان کے سپرد ہو گئی ہے۔دولت
خاں سیدھا حضرت قطب العالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔
آپ نے فرمایا سلطان سے کہو کہ وہ خاطر جمع رکھیں انشاء اللہ
تمام ریاست جے پال جوگی سمیت مسلمان ہو جائے گی ۔
اگلے روز دربار آراستہ ہوا، حضرت قطب العالم تشریف لائے۔
سارا شہر حق و باطل کے اس معرکے کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گیا،
پہلے جوگی نے اسلام پر کچھ اعتراضات کیے، جس کا جواب
دینے کے لئے حضرت نے مدلل تقریر فرمائی اور ہر اعتراض کا
ایسا مسکت جواب ارشاد فرمایا کہ جوگی کچھ کہنے کے قابل نہ
رہا۔آخر اس نے کہا آؤ ظاہر کو چھوڑ کر باطن کی طرف رجوع
کریں ،اب دونوں مراقبے میں چلے گئے، جوگی نے تمام
روئے زمین کی سیر کرائی پھر حضرت سے کہا کہ اب آپ میں
کوئی باطنی کمال ہے تو وہ دکھائیں ۔قطب العالم نے ارشاد
فرمایا ،آنکھیں بند کرو ،پھر آپ جوگی کو آسمانوں اور عالم
لاہوت کا مشاہدہ کراتے ہوئے جنت الماویٰ کے دروازے پر
لے آئے۔عالم لامکاں کی تجلیات نے جے پال کو دم بخود کر
دیا تھا۔اب اس کی روح جنت الماویٰ میں داخل ہونے کے
لئے بڑھی تو دروازہ بند ہو گیا۔قطب العالم نے فرمایا اگر تو
کلمہ شہادت پڑھ لے تو جنت کی سیر بھی کر سکتا ہے ۔اس پر
جوگی نے با آواز بلند کلمہ شہادت پڑھا، جسے تمام اہل

دربار اور وہاں موجود لوگوں نے سنا، مراقبہ سے سر اٹھاتے ہی جے پال جوگی اپنی قوم سے مخاطب ہوا اور کہا عزیزو! مذہب اسلام سچا اور برحق ہے، میں تو اس سچے دین میں داخل ہو چکا ہوں، جو مجھ سے ارادت رکھتا ہے وہ بھی کلمہ شہادت پڑھ لے اور اپنے تاریک سینے کو اسلام کے نور سے منور کرے۔ یہ کہہ کر اس نے دوبارہ سب حاضرین کے سامنے کلمہ شہادت پڑھا، جسے سنتے ہی تمام قوم سلہریہ اور راجہ سین پال نے بھی کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے۔'' (اذکار قلندریہ صفحہ 131 بحوالہ شاہ رکن عالم ملتان رحمۃ اللہ علیہ از نور احمد فریدی صفحہ 317)

حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کا تصرف:

محفل اولیاء کے مصنف لکھتے ہیں:

''ہندو فقراء کا ایک گروہ آپ کی خدمت میں آیا اور بت خانہ اور بتوں کے جواز و اہمیت پر بحث شروع کر دی۔ فرمایا تم انہیں پوجتے ہو، ذرا ان سے اپنی تعریف تو کراؤ۔ پھر آپ نے قریب ہی بت خانہ میں جا کر بت کو اشارہ کیا، وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر فوراً آپ کے سامنے آ گیا اور آپ کی تعریف کی، یہ زندہ کرامت دیکھ کر تمام ہندو فقراء اور بہت سے ہندو اسی وقت مسلمان ہو گئے۔'' (معارج الولایت)

حضرت نوشاہ گنج بخش کا واقعہ:

محفل اولیاء میں ہے

''ایک مرتبہ ایک سادھو ہندو مذہب حضرت نوشاہ عالیجاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس وقت آپ دریائے چناب کے کنارے پر سیر کوتشریف لے گئے ہوئے تھے،سادھو نے کہا آپ کرامت دیکھیں یا دکھائیں ۔آپ نے فرمایا تم درویش آدمی ہوتم ہی کوئی کرامت دکھاؤ۔اس نے پہلے اپنے آپکو بچے کی صورت میں دکھایا، پھر جوان بن گیا۔پھر ضعیف کی شکل بن گیااور کہا کہ میں نے بارہ بارہ سال کے تین چلے کئے ہیں اور یہ مرتبہ حاصل کیا ہے، کہ تین شکلیں تبدیل کرسکتا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ تو نے شکل تبدیل کرنا سیکھا تو کیا کمال حاصل کیا ہے، بلکہ عمر ضائع کر دی ہے۔آپ نے دریا کی طرف منہ کر کے اللہ ہو کا نعرہ لگایا تو دریا کے پانی سے ہو ہو کی آواز آنے لگی ۔ بلکہ درختوں کے پتوں اور فضا سے بھی یہی صدا اٹھی چنانچہ یہ تصرف و کرامت دیکھ کر سادھو بمعہ چیلوں کے مسلمان ہوگیا۔اور آپ کے مریدوں میں داخل ہوگیا۔''
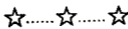
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
9
صفحہ نمبر 202
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

اوپر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ محبوبان خدا کے کمالات وتصرفات جادوگروں، نجومیوں اور کاہنوں کے برعکس کفروشرک کی دعوت نہیں دیتے بلکہ وہ اللہ واحد و یکتا کی قدرت کاملہ کا پرچار کرتے ہیں اور ان کے کمالات کی بنیاد کلام خداوندی کی طاقتوں پر ہوتی ہے، جس کا اللہ کی کتاب سے جتنا تعلق ہوگا، وہ اتنا ہی طاقتور ہوگا اور جو جتنا دور ہوگا، اتنا ہی کمزور ہوگا۔ انسانوں میں اللہ کے نبی علیہم السلام سب سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں کیونکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے، وحی کا برداشت کرلینا خود بڑی طاقت کی علامت ہے، قرآن پاک میں ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ (الحشر.....۲۱)

ترجمہ اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تُو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے (کنزالایمان)

ذرا غور فرمایئے، جس قرآن کو پہاڑ برداشت نہ کرسکیں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں، وہ حضور ﷺ پر نازل ہوا، قرآن فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ (ال عمران..... ۷)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری

کتنی طاقت ہے اللہ کے حبیب ﷺ کی کہ نزول قرآن پاک برداشت کرلیا، مگر یہ طاقت تو وہ ہے جو حضور ﷺ کو نزول قرآن پاک سے پہلے عطا فرمائی گئی تھی تاکہ آپ قرآن پاک کا نزول برداشت کرسکیں، پھر قرآن کا بے پناہ علم دیا گیا تو طاقتوں میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ولی تھے،

محض کتاب زبور یا تورات کے اس علم کی بنا پر (جس سے انھیں نوازا گیا تھا) دوسرے ملک سے تختِ بلقیس آنکھ جھپکنے سے پہلے لے آتے ہیں اور یونہی یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو قرآنی علم نے اتنا طاقتور بنا دیا تھا کہ اگر پہاڑوں پر اپنا بھید ڈالیں تو وہ بھی چکنا چور ہو کر ریت کے ذرات میں مل جائیں، سوچئے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا علم قرآن یقیناً حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کے علم زبور و تورات سے زیادہ طاقت ور ہے تو کسی صحابی کے علم قرآن میں کتنی طاقت ہوگی اور پھر وہ مقدس ہستی جس پر قرآن پاک نازل ہوا نیز جسے اللہ نے خود قرآن پاک سکھایا اور جسے بنی نوع انسان کو قرآن سکھانے کیلئے بھیجا، اس کی طاقت کا کون اندازہ کر سکتا ہے، اگر ایسی شخصیت قدسیہ درختوں کو چلا دے، چاند کو چیر دے اور ڈوبا ہوا سورج لوٹا دے تو کیا تعجب۔

قربِ خداوندی:

انبیاء کرام علیہم السلام ہوں یا اولیائے عظام رضی اللہ عنہم، ان سب کی طاقتوں کا دارومدار قربِ خداوندی پر ہے، پھر یہ قرب اور علم و عرفان خداوندی لازم وملزوم ہیں، یعنی جسے اللہ کا جتنا قرب میسر ہے، اتنا ہی اسے علم و عرفان حاصل ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں جسے اللہ کا جتنا علم و عرفان حاصل ہے۔ اسے اتنا ہی قرب میسر ہے، اب اس آیت پر غور فرمایئے جو اولیاء اللہ کی منقبت میں ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ۝ (یونس ۔۔۔ ۶۲)

ترجمہ: سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم (کنزالایمان)

بلا شبہ اس آیت میں اولیاء اللہ کی سیرت کا ہر پہلو مل سکتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ان کی عظمت کا پہلو تو بالکل ظاہر ہے۔ یعنی انھیں کوئی خوف

نہیں، آخر کیوں؟ اس لئے کہ وہ اللہ کے ولی یعنی مقرب ہیں۔

دنیا و آخرت کی سب سے بڑی طاقت اللہ کا قرب (وولایت) ہے، جو جتنے قرب پر فائز ہے، اتنی ہی بڑی طاقت کا مالک ہے۔ اللہ والوں کے مقابلے میں دنیا والے بالکل ہیچ ہیں کیونکہ اللہ کے مقابلے میں دنیا کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں۔

منکرین کی بدبختی:

پھر جس طرح اللہ والوں کے مقابلے میں دنیا والوں کی طاقت ہیچ ہے یونہی اللہ والوں کے سامنے دنیا والوں کا علم بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ محبوبانِ خدا کے منکر پر اللہ کی مار ہے۔ اللہ ان کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے (بخاری شریف) اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہابیوں کے مشہور عالم دین مولانا عبدالجبار غزنوی کے مطابق اللہ جس کے خلاف اعلان جنگ کرے، اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے، ایمان سلب ہو گیا تو ان کی سب صلاحیتیں بیکار ہو گئیں، سو یہ بہرے ہوتے ہیں اسلئے حق کی آواز کا ادراک نہیں کر سکتے، یہ گونگے ہوتے ہیں حق ان کی زبان پر آ نہیں سکتا، یہ اندھے ہوتے ہیں کہ نورِ حق کی تجلیاں دیکھ نہیں سکتے۔ اور جب سمعی بصری طاقتیں بے کار ہو گئیں تو ان کا دینِ حق کی طرف پلٹنا ممکن نہ رہا، ہاں ہاں یہ ہے مفہوم قرآن

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ (البقرہ ۱۸)

ترجمہ: بہرے، گونگے، اندھے تو پھر وہ (حق کی طرف) آنے والے نہیں (کنزالایمان)

ان کی اندھی اور اوندھی موت کا تماشا دیکھئے جس نبی مکرم ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں، اسی کے خلاف سب سے زیادہ محاذ آرائی کرتے ہیں، بات کوئی ہو اور

کہیں سے شروع کریں، ان کی تان شان نبی ﷺ کے انکار پر ہی ٹوٹتی ہے، آپ نے کسی عاشق رسول ﷺ کو دیکھا ہوگا، وہ بہانے بہانے ادھر اُدھر کی بات کر کے پھر شان رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ آتا ہے اور اس کی گفتگو کا محور حضور پر نور ﷺ کا ذکر خیر ہی ہوتا ہے، اس کے برعکس حضور ﷺ کا گستاخ و بے ادب، بات کوئی کر رہا ہو، آخر کار اس کی تان گستاخیٔ رسول پر ہی ٹوٹتی ہے۔ اس کی تازہ مثال الدعوۃ (اگست ۲۰۰۱) میں شائع ہونے والی ایک تحریر ہے، ''مراقبوں والا نیا روحانی نظام'' جسے کسی قاضی کاشف نیاز نے لکھا ہے۔ چند سطروں سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ کراچی کے کسی شمس الدین عظیمی کی کتاب 'مراقبہ' اور روحانی ڈائجسٹ پر تبصرہ مقصود ہے۔ عنوان ساتھ ہی نیچے لکھا ہے۔

'مسلمانوں میں ہندوازم اور بدھ ازم پھیلانے کی سازش'

یہ ان کا انداز ہے کہ وہ معمولات جو اولیائے کرام، صوفیائے عظام اور محدثین فخام میں مروج رہے ہیں، یہ عقل وایمان کے اندھے انھیں شرک و بدعت سے ہی تعبیر کرتے ہیں، مثلاً یہی مراقبہ، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہم الرضوان جیسے بزرگ نہایت ہی مفید گردانتے رہے ہیں، یہ بیچارہ انہی کو اپنی گندی فطرت کے مطابق ہندومت اور بدھ مت پھیلانے کی سازش قرار دے رہا ہے۔ گذشتہ قسط میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ مراقبہ والوں نے کفر کے کن کن ستونوں کو گرا دیا مگر حافظ سعید اینڈ کمپنی کو اصرار ہے کہ یہ سب کفر وشرک پھیلاتے رہے ہیں اگرچہ خود بھی حسب ضرورت قبروں پر جا کر مراقبہ کر لیتے ہیں (دیکھیے کرامات اہلحدیث از مولوی عبدالمجید سوہدروی)،

خرد کا نام جنوں رکھ دیا ، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بدبختی کی انتہا دیکھئے بات چلی تھی مراقبوں سے اور تان ٹوٹی انکار علم حبیب ﷺ پر توبہ توبہ کتنا بغض ہے اسے محبوب کبریا ﷺ سے، اللہ اسے غارت کرے، اسی قسم کے بدبخت گروہ سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا تھا۔

وہ حبیب پیارا تو عمر بھر کرے فیض وجود ہی سربسر
ارے تجھ کو کھائے تپ سقر ترے دل میں کس سے بخار ہے

چنانچہ اس کی ہرزہ سرائی ملاحظہ ہو

اگر مراقبہ سے غیب کی باتیں معلوم کی جاسکتیں تو جب نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر واقعہ افک میں الزام لگا تو آپ ﷺ مراقبہ کر کے اس واقعہ کی فوراً حقیقت بتا دیتے، لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا (الدعوۃ ص ۲۰)

یہ ہے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر ان کے ایمان کا حال کہ حضور پر نور ﷺ کو اپنی زوجہ محترمہ تک کی بریت کا علم نہیں، ادھر برصغیر کے اولین وہابی مولوی محمد اسماعیل کو دیکھئے اپنے مریدوں کو کائنات کے ذرے ذرے کا علم حاصل کرنے کا طریقہ کس طرح دکھا رہے ہیں۔

"برائے کشف ارواح و ملائکہ ومقامات آنہاد امکنہ و آسمان و جنت و نار واطلاع برلوح محفوظ شغل دورہ کند وطریقش در فصل اول مفصلاً مذکور شد پس استعانت ہماں مشغل بہر مقامیکہ از زمین و آسمان بہشت و دوزخ خواہد متوجہ شدہ سیر آں

مقام نماید و احوال آنجا دریافت کند و با اہل آں
مقام ملاقات سازد"

دیکھئے اور شرمایئے کہ شغل دورہ کرنے والا کوئی ہو، اسے ارواح، ملائکہ ان کے مقامات، زمین و آسمان، لوح محفوظ، جنت و دوزخ جہاں کی سیر کرنا چاہے کرسکتا ہے مگر نبی الانبیاء علیہم السلام کو نہ نبوت کے نور کے ساتھ، نہ مراقبے اور نہ شغل دورہ سے یہ علم و سیر حاصل ہو سکے۔ استغفر واللہ۔

علم غیب کے منکر:

رہ گیا حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعۂ افک، تو پہلے دور سے لے کر آج تک کے سارے منافقین نے اسے رٹ لیا ہے۔ اور بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہاں اس کے تفصیلی جواب کی گنجائش نہیں، مختصر یہ کہ حضور ﷺ کو یقیناً اس کا علم تھا چنانچہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے وحی اترنے سے پہلے ہی فرمادیا تھا۔

وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ اِلَّا خَیْراً

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ انمار جلد:۲ ص۵۹۵)

ترجمہ: اللہ کی قسم میں نے اپنی اہلیہ کے بارے میں خیر کے
سوا کچھ نہیں جانا

صرف حضور پاک ﷺ ہی نے نہیں، اکابر صحابہ نے اپنے اپنے رنگ میں استدلال کیا اور سب نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی بریت کو حتمی و یقینی سمجھا۔ پھر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کا ہر ہر ورق پکار پکار کر ان کی

عصمت کی گواہی دے رہا تھا، اسی لئے قرآن پاک نے منافقوں کی مذمت کے ساتھ ساتھ ان سادہ دل مسلمانوں کی بھی سرزنش کی جنھیں اتنی واضح حقیقت کے بارے میں شبہات پیدا ہوئے، چنانچہ قرآن پاک نے فرمایا

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ
بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ (النور.....۱۲)

ترجمہ: کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا اور کہتے یہ کھلا بہتان ہے (کنزالایمان)

گویا ایمان وایقان کا ہی نہیں عقل ودانش کا بھی یہی تقاضا تھا کہ جس طرح بعض اکابر صحابہ نے کھل کر حضرت سیدہ کی بریت کی بات کی تھی، باقی مسلمان بھی کرتے، انصاف سے سوچئے جس بصیرت کی عام صحابہ سے توقع کی جارہی ہے اور جس کا ثبوت خواص نے پیش کیا، وہابیوں کے نزدیک اتنی بصیرت خود رسول خدا ﷺ کو بھی معاذ اللہ حاصل نہیں تھی۔ رہ گیا حضور پرنور ﷺ کا رنجیدہ خاطر ہونا تو الزام درست ہو یا نادرست، صاحب کردار ضرور پریشان ہوجاتا ہے۔ وہ لوگ جنھیں شرم وحیا سے واسطہ نہ ہو، ان باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے، ورنہ باشعور وباغیرت لوگ یہ جان کر بھی کہ ان کی عزت کے خلاف جھوٹی تہمت گھڑی گئی ہے، ضرور پریشان ہوجاتے ہیں اور حبیب خدا ﷺ کا کافروں اور مشرکوں کی غلط باتوں سے پریشان ہونا تو قرآن پاک سے بھی ثابت ہے۔ مثلاً

وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ (الحجر:۹۷)

ترجمہ: بیشک ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کی (بیہودہ) باتوں سے تنگدل ہوجاتے ہیں۔

برادرانِ اسلام، ذرا غور کیجئے 'الدعوۃ' پارٹی کا طرزِ فکر وطرزِ عمل کہ ان بدبختوں کو حضور پرنور ﷺ کی قسم پر بھی یقین نہیں یعنی اس اصدق الصادقین ﷺ کی قسم پر یقین نہیں جنھیں ابولہب اور ابوجہل بھی الصادق اور الامین کہتے ہیں۔

اس مضمون میں قاضی غیر عادل نے ستر قاریوں کے شہید ہونے پر بھی حضور پرنور ﷺ کے علم کی نفی کی ہے۔ اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کو علم ہوتا کہ کفار ان قاریوں کو شہید کردیں گے تو انھیں نہ بھیجتے، یہ ہے نجدی ذہنیت۔ یہ بھی دیکھئے کہ اس ذہنیت نے یہ طرزِ استدلال کہاں سے سیکھا ہے۔ چنانچہ سنئے، برصغیر میں قیامِ پاکستان سے پہلے ایک ہندو مناظر تھا دیانند۔ اس نے اپنے مذہب کی حمایت اور دوسرے مذاہب کی تردید میں کتاب لکھی جس کا نام ستیارتھ پرکاش تھا، اس میں وہ مسلمانوں کے اس عقیدے پر کہ اللہ عالم الغیب ہے، تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر اللہ عالم الغیب ہوتا تو نبیوں کو اس نے ایسی قوموں کی طرف کیوں بھیجا جنھوں نے انھیں شہید کردیا۔ دیکھا آپ نے تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (ان کے دل ایک دوسرے سے مشابہ ہوگئے) کا جلوہ۔ ان بدبختوں کو کون سمجھائے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ایک ایک کام میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں جنھیں سمجھنے والے بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتے، رہ گئے دیانندی اور نجدی، یہ تو بیچارے پہلے دن ہی سے ناسمجھ ہیں۔ چنانچہ ان صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم نے جس جس انداز میں شوق شہادت کا مظاہرہ کیا، بعد میں آنے والوں کیلئے از حد ہمت افروز اور ولولہ خیز ہے۔ (دیکھئے تفصیل کیلئے الکلمۃ العلیا) پھر ان سب کے علاوہ حضور پرنور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روانگی سے پہلے اشارتاً فرما بھی دیا تھا (جیسا کہ صحاح کی بعض روایات میں ہے) اِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْهِمْ اَهْلَ نَجْدٍ (بیشک میں ان کے بارے میں اہل نجد سے ڈرتا ہوں) یہ قاتل اور ساتھ لے جانے والے نجدی ہی تو تھے، اب بھی نجد اسلام اور مسلمانوں کیلئے خطرے کا باعث ہے (چنانچہ سعودی عرب نے اسلام کے بدترین دشمن کو سر پر پڑھا لیا ہے اور اس کے اشارۂ ابرو پر ناچتا ہے) گویا نجدیوں کے بارے میں زبان رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے نکلا ہوا ایک ایک جملہ کتنا عمیق و وسیع ہے۔ 'الدعوۃ' کے کارکنوں کو غور کرنا چاہئے کہ انھیں حضور ﷺ کے علم غیب سے انکار ہے اور ادھر حضور ﷺ ایک مختصر سے جملے میں نجدیت کی ساری تاریخ سمیٹ رہے ہیں۔

یہاں زیادہ وضاحت کی گنجائش نہیں، مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ قرآن پاک کی بعض آیتوں میں یہ مضمون ملتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو علم غیب نہیں اور بعض آیتوں میں یہ وضاحت ہے کہ اللہ نے اپنے رسولوں کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن پاک میں تضاد نہیں تو بظاہر یہ اختلاف کیوں۔ حقیقت یہ ہے کہ علمِ غیب کے انکار والی اکثر آیات کا رخ کاہنوں اور نجومیوں کی طرف ہے کہ وہ علم غیب نہیں جانتے لہذا جادوگروں، کاہنوں اور نجومیوں کے غیب جاننے کے دعوے غلط ہیں، غیب تو وہ جانے جسے اللہ اس کا علم بخشے۔ اور جنھیں وہ علم غیب بخشتا ہے، وہ کون ہیں، اس کے رسول نبی اور دوسرے مقرب بندے، چنانچہ یہی مفہوم ہے دوسری آیات

کا۔ نیز کہیں حضور ﷺ سے علم غیب کے دعویٰ کی نفی کرائی گئی تو اس میں تواضع کی تربیت بھی مقصود ہے اور اس حقیقت کا اظہار بھی کہ اللہ کے سوا ذاتی طور پر کوئی غیب نہیں جانتا، اور یہی عقیدہ ہے اہل سنت کا، اللہ علیم کا کہ ہر کمال غیر محدود اور ذاتی، باقی سب کا کمال اس کے آگے محدود اور وہ بھی عطائی۔

منصب نبوت:

حقیقت یہ ہے کہ نبی کا علم غیب اس کی نبوت کی ہی دلیل نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے علم غیب، بلکہ اس کے موجود ہونے کی دلیل بھی ہوتا ہے نبی بظاہر لکھا پڑھا نہ ہونے کے باوجود جب کائنات کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھاتا ہے تو عقل اس کی توجیہ اس کے سوا کیا کرسکتی ہے کہ فی الواقعہ اس (نبی) کا تعلق کسی ایسی ذات سے ہے جو ہمہ دان ہے اور جب نبی اپنے معجزات، تصرفات کا جلوہ دکھاتا ہے تو خلوص کے ساتھ سوچنے والے کو کوئی شک نہیں رہتا کہ یقیناً اس (نبی) کو یہ طاقت و قدرت بخشنے والا قادر مطلق ہے۔ چنانچہ لفظ نبی نبا سے مشتق ہے یا نبو۔ سے نبا (یعنی خبر) سے مشتق ہو تو نبی سے مراد وہ شخص ''جو اللہ سے خبریں لے اور دنیا کو خبریں سنائے''۔ نبو (یعنی بلندی) سے مشتق ہو تو مراد ہے ''ہر غیر نبی سے بلند شان والا''، دنیا کے انس و جن اور آسمان کے فرشتے وہ عظمت وقدرت نہیں رکھتے جو اللہ کے نبی کو حاصل ہوتی ہے، چنانچہ متکلمین نے آج تک 'نبوت' کا جو مفہوم جس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے، اس کا انداز ملاحظہ ہو، زرقانی شریف میں حضرت علامہ غزالی قدس سرۂ سے منقول ہے۔ (اردو ترجمہ) یف میں

''نبوت ایک ایسا وصف ہے جو صرف نبی میں ہوتا

ہے، دوسرے میں نہیں۔ اور اسی ضمن میں وہ مخصوص قسم کے خواص سے مختص ہوتا ہے"

ا...... جو امور اللہ جل جلالہ اور اس کی صفات نیز ملائکہ اور آخرت کے ساتھ متعلق ہیں، نبی ان کے حقائق کا عارف ہوتا ہے اور دوسروں کو کثرت معلومات اور زیادتی کشف و تحقیق میں اس سے کچھ نسبت نہیں۔

۲...... ان کی ذات میں ایک ایسا وصف ہوتا ہے جس سے معجزات وغیرہ واقع ہوتے ہیں جس طرح ہمیں حرکات ارادیہ کا اختیار ہے۔

۳...... نبی میں ایک ایسا وصف ہوتا ہے جس سے وہ ملائکہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جس طرح انکھیارا اندھے سے ممتاز ہوتا ہے۔

۴...... نبی کو ایک ایسا وصف حاصل ہوتا ہے جس کے باعث وہ غیب کی آئندہ باتوں کا ادراک کر لیتا ہے۔

اس تاریخی حقیقت کو کون نہیں جانتا کہ جلال الدین اکبر کے زمانے میں ابوالفضل اور فیضی نے جب فلسفے کے زور پر مقام نبوت سے بغاوت کی تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے متکلمین کے انداز میں نبوت کی حقیقت کو سمجھانے کی کوشش کی (اس وقت آپ کی عمر مبارک صرف اکیس بائیس سال تھی) اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ نبوت عقل سے بلند ایک مقام ہے جہاں ایسی آنکھ کھل

جاتی ہے جو غیب دیکھے۔

امام غزالی اور اسی طرح امام ربانی علیہما الرضوان نے نبوت کی تعریف اور نبی کی پہچان کے بارے میں جو فرمایا، آپ بڑی آسانی سے انبیائے کرام علیہم السلام کے کمالات وتصرفات کی روشنی میں اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ قرآن پاک کا مطالعہ کریں اور انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات دیکھتے جائیں۔ ہمارے دور میں جن لوگوں نے اپنی نام نہاد توحید کی آبرو بچانے کیلئے نبیوں کے علم غیب کا انکار کیا ہے، انھوں نے بھی اپنی کتابوں میں حضور ﷺ کی پیشگوئیاں درج کی ہیں بلکہ بعض نے اسی عنوان سے پوری پوری کتاب لکھ دی ہے۔ یہ پیشگوئی کیا ہے، مستقبل کے بارے میں پیشگی خبر، اور لکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو حضور ﷺ نے فرمادیا، ہوکے رہے گا۔ تو فرمائیے یہ غیب ہی تو ہے گویا علم غیب نہ مانتے ہوئے بھی اسے مان رہے ہیں۔ گذشتہ دنوں عزیز القدر محمد کاشف کو ایک اپنے علم کا مدعی اور نبی علیہ السلام کے علم کا منکر حضور ﷺ کی ایک پیشگوئی سنانے لگا تو انھوں نے پوچھا کہ علم غیب اور پیشگوئی میں کیا فرق ہے؟ وہ بیچارہ مبہوت ہوکے رہ گیا۔

ختم نبوت اور مرزا:

'الحقیقہ' کا موجودہ شمارہ 'ختم نبوت نمبر' ہے۔ خیال یہ تھا کہ ختم نبوت میں نقب لگانے کی ناکام کوشش کرنے والے مرزا قادیانی کے کذاب ودجال ہونے کا ذکر کیا جاتا مگر 'الدعوۃ' کے قاضی کی ہرزہ سرائی آڑے آگئی اور بات لمبی ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اپنے پاک بندوں کو قسما قسم کمالات عطا فرماتا ہے اور یہ ان کے قرب خداوندی بلکہ توحید خداوندی کے دلائل ہوتے ہیں، اس کے برعکس وہ

اپنے دشمنوں کو ذلیل کرنے کیلئے انھیں قدم قدم پر جھوٹا ثابت کرتا ہے۔ مرزا قادیانی کا بھی یہی حال تھا، وہ اپنے دور کا سب سے بڑا ملعون، مکار اور کاذب تھا اس لئے اس کا جس سچے بلکہ جھوٹے سے بھی مقابلہ ہوا، چت گرا اور خوب ذلیل ہوا۔ مسلمان تو مسلمان ہیں، اس نے اگر کسی ہندو عیسائی، یہودی وغیرہ سے بھی مقابلہ کیا اور کوئی پیشگوئی کی تو خدا نے اس کی پیشگوئی کو پورا نہیں ہونے دیا، کیونکہ اس کے مقابلے میں آنے والا غیر مسلم بھی زیادہ سے زیادہ کاذب اور داجل تھا تو مرزا قادیانی کذاب اور دجال تھا جیسا کہ حضور پر نور ﷺ نے اپنے بعد دعویٰ نبوت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرزا کے کذاب و دجال ہونے کا ایک اہم ثبوت اس کی یہی جھوٹی پیشگوئیاں ہیں۔ چند ایک ملاحظہ فرمائیے۔

۱...... مرزا قادیانی کی بیوی حاملہ تھی، اس نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک اشتہار شائع کیا (جو تبلیغ رسالت ج ۱ ص ۵۸ میں درج ہے) کہ عنقریب ایک لڑکا پیدا ہوگا جو نہایت اعلیٰ صلاحیتوں والا ہوگا، بقول اس کے اس خوبصورت لڑکے کو قادر مطلق کی قدرتوں کا نشان ٹھہرایا گیا۔ پھر ۱۸ اپریل ۱۸۸۶ء کو لڑکا اسی حمل سے ہوگا یا قریبی یعنی دوسرے حمل سے۔ مگر پہلے حمل سے لڑکی پیدا ہوئی اور یہ آنے والا جو مرزا کے نزدیک مصلح موعود تھا، آتے آتے ۱۸۹۹ء میں آیا مگر وہ نو سال بھی پورے نہ کرسکا اور مر گیا۔

۲...... ایک رشتہ دار نوجوان خاتون محمدی بیگم کے ہاتھوں دل بیقرار ہوا تو اشتہار شائع کردیا کہ اس کا نکاح مرزا کے ساتھ ہوگا بلکہ آسمانوں پر ہوچکا ہے۔ پھر راستے میں رکاوٹ ڈالنے والوں پر عذاب آئے گا مگر اس کے دشمنوں کو پیش گوئی کے

مطابق موت آئی اور نہ محمدی بیگم کا نکاح مرزا کے ساتھ ہوا۔ بلکہ مرزا کے مرنے کے کئی سال بعد بھی محمدی بیگم اور اس کا شوہر زندہ رہے۔

۳..... جنوری ۱۹۰۳ء میں مرزا قادیانی کی بیوی حاملہ تھی۔ مرزا نے اپنی کتاب مواہب الرحمٰن کے ص ۱۳۹ پر اس حمل سے پانچویں لڑکے کی پیدائش کی پیشگوئی کی مگر حمل سے ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء کو لڑکی پیدا ہوئی جو چند ماہ کی عمر پا کر فوت ہوگئی۔

۴..... مئی ۱۹۰۴ میں مرزا کی بیوی حاملہ تھی، پیشگوئی داغی گئی کہ شوخ وشنگ لڑکا پیدا ہوگا (البشرے ۲ ص ۹۴) مگر ۲۴ جون ۱۹۰۶ء کو، پھر لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام امتہ الحفیظ رکھا گیا۔

۵..... مرزا کا دست راست مولوی عبدالکریم بیمار تھا، اس کی صحت کے متعلق زور شور سے پیشگوئیاں کی گئیں، مگر ایک بھی پوری نہ ہوئی۔

۶ ..... ایک مرید تھا منظور محمد۔ اس کی بیوی حاملہ تھی۔ فروری ۱۹۰۶ء میں، پھر جون ۱۹۰۶ء کو پیشگوئی کی کہ لڑکا پیدا ہوگا، اور اسے خدا کا نشان ٹھہرایا، اس کے دو نام بھی الہام کے ساتھ رکھ دیئے بشیر الدولہ اور عالم کباب۔ مگر وقت آنے پر لڑکی پیدا ہوئی۔

۷..... مرزا نے اپنے لڑکے مبارک احمد نامی کے بارے میں پیشگوئی کی تھی کہ "وہ عمر پانے والا لڑکا ہے مگر وہ بھی قریباً ۹ سال کی عمر میں مرگیا، اس کو مصلح موعود بھی کہا تھا اور ایک پیشگوئی میں یہ بکا تھا

كَانَ اللّٰهُ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

ترجمہ: گویا کہ اللہ ہی آسمان سے اتر آیا ہے۔

ایک پیش گوئی کے مطابق 'غلام حلیم' وغیرہ بھی کہا گیا۔

۸.....یہی مبارک احمد ایک دفعہ بیمار پڑ گیا۔ مرزا نے صحت کی پیشگوئی کی مگر غلط نکلی۔

۹.....اپنی عمر کے بارے میں کئی بار پیشگوئیاں کرتا رہا جو سب کی سب جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوئیں۔

۱۰.....مولوی محمد حسین بٹالوی (غیر مقلد) کے بارے میں پیش گوئی کی تھی کہ عنقریب مرزائی ہو جائیں گے، مگر ایسا نہ ہو سکا۔

۱۱..... اپریل اور مئی ۱۹۰۵ء میں پے در پے کئی اشتہارات شائع کیے جن میں شدید زلزلے کی پیشگوئی بار بار کی گئی۔ خود بھی اہل وعیال سمیت مکان چھوڑ کر باغ میں جا ڈیرا لگایا مگر زلزلہ پھر بھی نہ آیا۔

ہم نے نہایت اختصار سے اس کی غلط پیشگوئیوں کا ہلکا سا نمونہ پیش کیا ہے۔ ورنہ اس بحر کی تہہ کہاں۔ اسے جھوٹ بولنے کی ایسی عادت تھی کہ خود سراپا کذب بن گیا تھا۔

اس کے مقابلے میں ہر مکتب فکر کے لوگ آئے۔ اسلام کا دفاع کرنے والوں میں جید علماء موجود تھے۔ وہ مشائخ وصوفیاء جن کا نام اس معاملے میں از حد روشن ہے، ان میں فخر چشت اہل بہشت حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ بہت نمایاں ہیں۔ حافظ سعید غور کرے اس وحدت الوجودی صوفی کی قیادت پر اہل سنت ہی نے نہیں، دیو بندی اور غیر مقلد علماء نے بھی اعتماد کیا اور عبدالجبار غزنوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری جیسے لوگوں نے اعلیٰ حضرت گولڑوی کو اپنا قائد تسلیم کیا۔ پیر صاحب نے صوفیہ کی خوب نمائندگی کی اور نبوت کے جھوٹے مدعی کے مقابلے میں اپنی علمی برتری کا لوہا ہی نہیں منوایا بلکہ تصرفات کے جلوے

سے بھی اسے مبہوت و مقہور اور اپنوں کو مطمئن کیا، اس سلسلے میں ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے جس سے اہل تصوف کی برکات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۸۹۸ء میں مرزا قادیانی منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں ایک جم غفیر کی موجودگی میں مینار پاکستان والی جگہ پر سٹیج لگائی گئی تھی اور وہ بار بار اعلان کر رہا تھا کہ کوئی اس سٹیج پر آ کر مقابلہ کرے اور حق واضح کرے۔ اعلیٰ حضرت گولڑوی لاہور ہی میں تھے۔ سنا تو تشریف لے گئے، سٹیج پر چڑھ کر فرمایا کہ اسے مسیح موعود (نبی) ہونے کا دعویٰ ہے جبکہ اللہ نے اپنے فضل خاص سے جناب رسول مقبول ﷺ کے اس غلام ابن غلام ابن غلام کو اپنی ولایت سے سرفراز فرمایا ہے۔ نبی کا درجہ ہر حال میں ولی سے بالاتر ہوتا ہے یہ میرے سوالات کو پورا کر کے اپنی صداقت کا ثبوت دے ورنہ میں اس کی تردید کی غرض سے بفضل خدا ان سوالات کا جواب دوں گا۔

۱......مرزا قادیانی حکم دے کہ دریائے راوی اپنا موجودہ رخ تبدیل کر کے فی الفور اس پنڈال کے ساتھ بہنا شروع کر دے یا میں ایسا کر دکھاتا ہوں۔

۲......ایک نہایت پاکباز کنواری لڑکی کو پنڈال کے نزدیک چوطرفہ پردہ میں رکھ کر دعا کی جائے کہ (بغیر مرد کے اختلاط کے) اللہ کریم اسے یہیں ایک لڑکا دے جو اس کی نبوت یا میری ولایت کی تصدیق کرے۔

۳......اپنے لعاب دہن سے باہر کڑوے پانی کے کنوئیں کو میٹھا کر دے یا پھر میں کر دیتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ سبحان اللہ۔

مرزا کے پاس ان کا کوئی جواب نہیں تھا، اور وہ بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔

حقیقت یہی ہے کہ قادیانیت ہو یا کوئی اور فتنہ، صوفیاء کرام کا سیرت و کردار اور علم و

عرفان اسے دبانے میں مرکزی کردار ادا کرتا رہا ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام پر جب بھی کوئی نازک وقت آیا اور ظاہری اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا، تو صوفیائے کرام ہی نے اکثر و بیشتر ان طوفانوں کا منہ موڑا جو (معاذ اللہ) اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے اٹھتے رہے ہیں، چنانچہ مشہور مستشرق۔ ایچ، آر۔ گب نے آکسفورڈ یونیورسٹی کی مجلس کے سامنے ایک تقریر کے دوران کہا

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا، مگر بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیا کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اپنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی'' (مقالات ضیاء الامت ج ۱)

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
10
صفحہ نمبر 220
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

محبوبانِ خدا کے کمالات و تصرفات ایک اور انداز سے بھی سمجھے جا سکتے ہیں، اور وہ ہے ان کی 'عبدیت' کا پہلو۔ یعنی اللہ والے اللہ کی بارگاہ میں خود کو 'عبد' کی حیثیت سے ہی پیش کرتے ہیں اور ہر وقت بندگی کے تصور میں ڈوبے رہتے ہیں۔ عبد کا معنی ہے غلام، غلام مالک کے سامنے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، اس کا اپنا کوئی ارادہ اور پروگرام نہیں ہوتا۔ جہاں مالک رکھے، اسے رہنا ہوتا ہے، جو کھلائے اسے کھانا ہوتا ہے، جو پہنائے اسے پہننا ہوتا ہے۔ اللہ کا بندہ اللہ کی رضا کا بندہ ہوتا ہے، مالک حقیقی کی رضا جوئی کے سوا اس کا کوئی مدعا نہیں ہوتا اور کسی چیز کو بھی وہ اپنی مِلک نہیں سمجھتا۔ وہ سراپا خلوص، سراپا اطاعت اور سراپا عجز و تواضع ہوتا ہے۔ وہ خود کو اپنے اللہ کے حضور انتہائی انکسار و بیچارگی کے ساتھ پیش کرتا ہے اور جوں جوں اس کے انکسار و تواضع میں ترقی ہوتی جاتی ہے، وہ بندۂ محبوب بنتا جاتا ہے اور قرب کی اعلیٰ منازل پر فائز ہوتا جاتا ہے۔ وہ بارگاہِ خداوندی میں جتنا 'پست' ہوتا ہے، اللہ اس کو اتنا ہی یعنی اسی حساب سے بلند کر دیتا ہے۔ عبادت اصل میں تکبر اور رعونت کی ضد ہوتی ہے۔ عبدیت گویا اسی عبادت و بیکسی و تواضع کا دائمی شعور ہے جو ہر وقت بندے کے فکر و نظر پر چھایا بلکہ رگ و ریشہ میں سمایا رہتا ہے۔ بندے کا احساس بندگی و بیچارگی مالک کے حضور اس کی مقبولیت اور محبوبیت کی بنیاد بنتا جاتا ہے۔ جوں جوں مقبول و محبوب ہوتا جاتا ہے، اس پر مالک کے انوار و تجلیات کی بارش ہوتی جاتی ہے اور وہ کمالاتِ قدرت کی جلوہ گاہ بنتا جاتا ہے۔ حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ کا سارا فلسفہ ءخودی اسی نکتے کے گرد گھومتا ہے۔ اسی تناظر میں انھوں نے بندۂ مومن کی قوت کے اسرار واشگاف کیے ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب وکار آفریں، کار کشا، کار ساز
خاکی ونوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دِل بے نیاز

اس سارے مضمون کی بنیاد محبوبِ اعظم سلطانِ افخم حضور پرنور ﷺ کی یہ حدیثِ مقدس ہے؛

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ

(مشکوٰۃ، کتاب الآداب: جلد:۳ص۷۶)

ترجمہ: جواللہ کے لئے تواضع اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بلند فرما دیتا ہے۔
یہ تواضع عبدیت ہی تو ہے۔ جو اس میں جتنا آگے ہے، اتنا ہی قرب میں آگے، اتنا ہی کمالات وتصرفات میں آگے۔ اگر غور کیا جائے تو قرآنِ حکیم میں اس کے واضح اشارے ملتے ہیں مثلاً انبیائے کرام علیہم السلام کے تذکار میں عبادنا، عبدہ وغیرہ تعارفی الفاظ آتے ہیں۔ ایسے الفاظ وتراکیب میں ان کی عبدیت وتواضع کا ذکر فرما کر گویا ان کی عظمت اور رفعت کا فلسفہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ (انبیاء علیہم السلام) ہمارے بندے ہیں، ہمارے اطاعت گزار، ہمارے وفا شعار، ہماری توحید سے آراستہ، ہمارے قرب پر فائز، انھوں نے بندگی کا لبادہ اوڑھا، ہم نے 'ربوبیت' کا جلوہ دکھایا۔ گویا جو کچھ وہ کر سکتے تھے، انھوں نے ہماری رضا کے لئے کیا اور جیسے ہمیں اپنے بندوں کو نوازنا ہوتا ہے، ہم نے نوازا۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے مقابلے میں ڈٹ جانا حتیٰ کہ آتشِ نمرود کی بھی پروانہ کرنا ان کی شان بندگی ہے اور اس آگ کو گلزار بنادیا جانا اللہ کی شان ربوبیت کا جلوہ ہے۔ یہی حال دوسرے

انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات و کمالات کا ہے۔ قرآن پاک میں مفسرین کے نزدیک جہاں عبدہ (یعنی اللہ کا بندہ) جیسی ترکیب وارد ہوئی ہے، جس شخصیت کے بارے میں ہو، ساتھ اس کا نام نامی بھی ظاہر کر دیا گیا مثلاً عبدہ زکریا یعنی اس (اللہ) کا بندہ زکریا (علیہ السلام) مگر جہاں عبدہ کے بعد نام کی تصریح نہیں کی جاتی وہاں اس سے مراد حضور سرور انبیاء علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کی ذات ستودہ صفات ہوتی ہے۔ گویا اللہ کا قرآن اس نکتے کی وضاحت فرما رہا ہے کہ حضور ﷺ سراپا عبدیت ہیں اور آپ بندگی و تواضع میں بھی سب پیغمبروں سے بہت آگے ہیں۔ جب آپ سراپا عبدیت و عبادت اور ایسا کمال قرب و وصل ہیں کہ دنیا بھر میں جسے، جہاں، جتنی عبدیت و عبادت کی توفیق اور زمانے بھر میں جسے، جہاں، جتنا قرب و وصل خداوندی نصیب ہوتا ہے، آپ ہی کی برکت، توجہ اور رحمت سے ہوتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو آپ کے رحمۃ للعلمین ہونے میں یہ پہلو سب سے زیادہ اہم اور فیضبار ہے۔ آیئے اسی نقطہ نظر سے اب آیہ معراج پر غور کریں۔ فرمایا جا رہا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (بنی اسرائیل:1)

ترجمہ: پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ

سنتا دیکھتا ہے۔ (کنزالایمان)

گویا معراج لا مکانی کسے عطا ہوئی، اسے جو عبدہ ہے یعنی عبدیت تامہ کے مقام پر فائز ہے اور کیوں ہوئی، عبدیت کی بنا پر۔ جب عبدیت مکمل ہے تو معراج (قرب و وصل) بھی مکمل ہونا چاہیے تھا چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ حضور پر نور ﷺ تواضع میں سب سے آگے ہیں تو رفعت میں بھی سب سے آگے ہونے چاہئیں۔

ہمارے ہاں علماء حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی معراج کا ذکر کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے، وہاں انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا،

رَبِّ اَرِنِیْ
(اے میرے رب تو مجھے اپنا آپ دکھا)

جواب ملا۔

لَنْ تَرَانِیْ
(تو مجھے نہیں دیکھ سکتا)

یقیناً ایسا ہی ہوا کیونکہ جس ذات پاک نے لن ترانی فرمایا تھا، خود اسی نے یہ واقعہ قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے۔ مگر اس کی وجہ کیا ہے، یہی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی محبت و عشق خداوندی کی بیقراری کے باوجود حضور پرنور ﷺ کے مقام بندگی پر فائز نہیں تھے۔ جو اس عبدیت میں کامل ترین تھا، کامل ترین معراج کا وہی مستحق ہو سکتا تھا اور جو عبدیت کے جس درجے پر تھا، اُسے اسی درجے کی معراج میسر آئی۔ کلیم و حبیب علیہما السلام کی عبدیتوں میں فرق دیکھنا ہو تو ان دو آیتوں پر غور فرمائیے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ○ (المائدہ:۲۵)

ترجمہ: (موسیٰ نے) عرض کی کہ مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو فاسقوں سے جدا رکھ ۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ نے اپنی قوم کو جبارین سے مقابلہ کرنے کا ربانی حکم سنایا، قوم نے انکار کیا تو آپ نے اس آیت کے مطابق فرمایا، اے رب کریم، میرے بس میں تو صرف اپنا آپ ہے یا میرا بھائی (ہارون علیہ السلام) ہے اور کسی پر میرا اختیار نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا، حق فرمایا اور اللہ سے جو عرض کی، درست کی۔ مگر آپ کی بندگی ابھی خود کو اور بھائی کو اپنے ملک میں ضرور سمجھتی ہے۔

اب آیئے دوسری آیت کی طرف

قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ ط

(یونس ۴۹)

ترجمہ: تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا (ذاتی) اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے) (کنزالایمان)

گویا اپنی جان بھی مکمل طور پر اللہ ہی کے سپرد ہے اور یہی نہیں اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے کسی بھی چھوٹے بڑے نفع یا نقصان کو اپنی ملک سے خارج کیا جا رہا ہے۔ یہ ہے عبدیت تامہ، جو اور تو اور کسی پیغمبر علیہ السلام کو بھی عطا نہیں ہوئی۔ عقیدہ تو سب کا یہی ہے کہ ہر نفع ونقصان کا مالک اللہ ہی ہے مگر

اسے کامل طور پر فکر ونظر میں جمالینا ہی اپنی عبدیت کا دائمی شعور واحساس ہے

پہلے لفظ قل پر بھی غور کیجیے یعنی اے محبوب تو کہہ یا کہا کر۔ گویا اللہ خود اپنے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی تربیت فرمارہا ہے اور اپنی بارگاہ کے آداب نیز عبدیت کے تقاضے سکھا رہا ہے۔ اب دیکھئے حدیث پاک۔

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ

(کنز العمال باب فی ذکر النبی ﷺ جلد:۱۱ص ۴۰۶، رقم الحدیث ۳۱۸۹۵ سبل الھدیٰ باب فی فصاحۃ جلد:۲ص ۹۳، فیض القدیر جلد:۱ص ۲۲۴ برقم ۳۱۰)

ترجمہ: میرے رب نے مجھے ادب سکھایا تو خوب ادب سکھایا۔

یہی حسن تادیب ہے جس کے نتیجے میں حضور پرنور ﷺ بار بار فرمایا کرتے تھے

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ (بے شمار احادیث کا آغاز)

(بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر جلد۲:ص ۶۰۸، کتاب الاذان باب وجوب الصلوۃ الجماعۃ جلد:۱ص ۸۹، مسلم کتاب الامارۃ باب تحریم ھدایا العمال جلد:۲ص ۱۲۳)

ترجمہ: اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔

سورہ یونس کی جو آیت اوپر گزری ہے اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں جن میں اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو تواضع سکھائی ہے۔ اس قسم کی آیات یقیناً حضور پرنور ﷺ کی تواضع اور یوں آپ کی بلندئ مقام کی مظہر ہیں مگر افسوس منافقین نے ان سے آپ کی بے اختیاری، بے بسی اور بے چارگی کا مضمون ہی اخذ کیا ہے۔ کاش ایمان اور تقویٰ سے آراستہ ہو کر قرآن پاک پر غور کرتے اور پھر نقطے نقطے میں آپ کی عظمت شان کے جلوے دیکھ سکتے۔ بندہ کہے، میں کچھ نہیں، سب کچھ مرے مالک کا ہے، اور مالک فرمائے میں نے سب کچھ تجھے بخش دیا۔ کتنے مزے کی بات

ہے۔اللہ کا بندہ اپنی بندگی نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کرے۔

لَا اَمْلِکُ میں مالک نہیں اور رب فرمائے

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ٥

ترجمہ: بے شک ہم نے تجھے خیر کثیر کا مالک کردیا

اسی طرح دیکھئے اللہ کے ادب سکھانے کا ایک اور موقع

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (الکھف ...... ۱۱۰)

ترجمہ: تم فرماؤ میں بشریت میں تم جیسا ہوں۔

قل (تم فرماؤ) کا لفظ اللہ کے حسن تادیب کا مظہر ہے۔اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو اس آیت میں تواضع سکھائی ہے۔حضور پاک ﷺ نے اپنے رب کی بارگاہ سے تواضع سیکھی اور اسے اپنایا،مگر رب نے اپنی طرف سے کیا فرمایا، سنیں

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ٥ (المائدہ ...... ۱۵)

ترجمہ: بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آیا اور روشن کتاب (کنزالایمان)

مختصر یہ کہ حضور پرنور ﷺ کی تواضع اور بندگی کا تقاضا تو ہے اپنی بشریت کا اظہار مگر رب کی ربوبیت کے اظہار کا سلیقہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے نور کا اعلان کردیا جائے۔جوں جوں بندگی و تواضع بڑھتی جائے گی، بندہ نوازی بھی بڑھتی جائے گی۔

پھر آیئے واقعہ معراج کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب سے

اس کا دیدار مانگا اور نفی میں جواب ملا مگر کسی آیت یا حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور پرنور ﷺ نے رب سے دیدار کا سوال کیا ہو ظاہر ہے موسیٰ علیہ السلام کو رب سے جتنی محبت ہے اس سے کہیں زیادہ حضور پرنور ﷺ کو اپنے رب سے پیار ہے۔ زیادہ پیار ہونے کے باوجود دیدار کا سوال نہ کرنا انتہائے ادب اور حضور ﷺ کی طرف سے انتہائے تواضع ہے۔ ہاں آپ نے دعا کی تو کیا کی

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ

اے اللہ! ہمیں چیزیں دکھا جیسی کہ وہ ہیں

دیدار رب کا سوال نہ کرنا، حقیقت اشیاء دکھانے کی التجا کرنا دونوں میں آپ کا ادب وانکسار تھا تو اللہ کی محبوب نوازی دیکھئے بغیر سوال کئے دیدار سے نوازا اور وہ بھی اس طرح کہ کوئی حجاب نہ رہا پھر جب اپنے رب کو دیکھ لیا، کچھ بھی مخفی نہ رہا......

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود (اعلیٰحضرت)

اور یہ دیکھنا کیسا تھا

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (النجم۔۱۱)

ترجمہ: (دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا)

یعنی آنکھوں نے دیکھا اور دل نے تصدیق کی (کہ ٹھیک دیکھا ہے)

وہ جس نے منتہائے حسن معنیٰ اس طرح دیکھا
نگاہیں رو برو اور فاصلہ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى

علماء فرماتے ہیں کہ اصل دیکھنا یہی ہے کہ دل آنکھ کی تصدیق کرے مثلاً صبح سورج کو آنکھ نے چھوٹا سا دیکھا تو دل نے کہا وہ تو ساری زمین سے بھی کئی گنا زیادہ ہے۔

مگر آج کی شب کیا ہوا۔ آنکھ محوِ جمالِ یار ہے اور دل سرگرمِ تصدیق۔ محبوب ﷺ کے ادب و عشق کا تقاضا بھی یہی تھا کہ کسی اور طرف قلب و چشم متوجہ نہ ہوں۔ چنانچہ ایسی قوتِ دید بھی عطا ہوگئی کہ

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (النجم۔۱۷)

ترجمہ: آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی

نور العرفان میں ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے رب کی ذات کو دیکھا، نہ آنکھ جھپکی نہ دل گھبرایا۔ پھر یہ دیدار ایک بار نہیں ہوا، حضور پرنور ﷺ بار بار آتے جاتے رہے اور دیدار کرتے رہے۔ (تفسیر صاوی)

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰیO وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰیO (النجم۔۱۲،۱۳)

ترجمہ: کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انھوں نے تو وہ جلوہ دوبار دیکھا۔

قصرِ دنیٰ تک کس کی رسائی
جاتے یہ ہیں، آتے یہ ہیں

(اعلیحضرت)

یہ سارا سفر معراج بلکہ اعراج، یہ طویل ترین مسافت جو قلیل ترین مدت میں طے ہوئی، اگر عبدیت تامہ کی وجہ سے ہوئی تو لامکاں میں جو وحی خاص ہوئی وہ بھی اسی (عبدیت) کے حوالے سے مذکور ہوئی ہے

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰیO (النجم ۱۰)

ترجمہ: سو وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی

یہ دو تین لفظ پھر اس حقیقت کو وضاحت سے بیان کر رہے ہیں کہ یہ عبدیت اگر از حد خصوصی ہے تو یہاں جو وحی ہوئی، وہ بھی از حد خصوصی ہے، نہ عبدیتِ تامہ میں کوئی دوسرا اس حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شریک ہے اور نہ اس وحی کے اسرار میں کسی اور کی شرکت گوارا ہے۔

غنچے مااوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبلِ سدرہ تو ان کی بو سے محروم نہیں!

موسیٰ علیہ السلام اور حضور سرور کائنات ﷺ کی معراج میں جو فرق ہے، اس کا اظہار یوں بھی ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا اپنا جذبۂ دل تھا جو انھیں طور کی طرف لے جا رہا تھا مگر یہاں اسریٰ (اس نے سیر کرائی) کا لفظ بتا رہا ہے کہ محبوب ﷺ کو سیر کرانے کا پروگرام خود رب نے بنایا۔ اوپر گزر چکا ہے عبد کا اپنا ارادہ اور پروگرام نہیں ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام کا خود جانا ارادے کی موجودگی کا پتا دیتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلایا جانا آپ کی عزت افزائی کے علاوہ آپ کے ارادے کا اللہ کے ارادے میں فنا ہونے کی دلیل ہے۔

طور اور معراج کے قصے سے ہوتا ہے عیاں
اپنا جانا اور ہے، ان کا بلانا اور ہے

بلکہ حدیثِ پاک کے مطابق جبریل علیہ السلام نے جس انداز میں ربانی دعوت کا پیغام سنایا، وہ تو بالکل ہی انوکھا ہے

یَا مُحَمَّدُ اِنَّ رَبَّکَ لَمُشْتَاقٌ اِلیٰ لِقَائِکَ (اوکما قال)

ترجمہ: اے محمد! بیشک تیرا رب تیری ملاقات کا مشتاق ہے۔

غرض 'عبدیت' اللہ کا ہو جانا ہے اس میں توحید ہے، توکل ہے، تفویض

ہے، عجز و تواضع ہے، رضا بقضاء ہے (یعنی رب کے فیصلے پر راضی رہنا)، صبر و قناعت ہے، شکر و امتنان ہے۔ لہٰذا یہی سبب اور وسیلہ روحانی ترقی، قربِ خداوندی اور وصلِ مولیٰ کا ہے۔ یہی عبدیت کمالات و تصرفات کی بنیاد ہے۔ اسی 'عبدیت' کے حصول کی ترغیب قرآنِ پاک نے دی، اسی جذبہء عبدیت کا اصل تعارف اللہ کے انبیاء ورسل علیہم السلام نے کرایا، اسی کی کما حقہ، دعوت حضور پر نور ﷺ نے دی، صوفیہ کی صحبت و بیعت اور محنت و ریاضت کا مقصود بھی اسی کی تربیت ہے۔ یہی عبدیت ہے جو انسان کے مقامِ خلافت کی بنیاد ہے، یعنی جس میں جتنی عبدیت ہوگی، اتنا ہی اسے اوجِ خلافت حاصل ہوگا۔

منکرینِ اولیاء نے محبوبانِ خدا کے تصرفات و کمالات کو شرک اس لئے سمجھا کہ ان کے نزدیک ان تصرفات و کمالات سے بندہ اللہ کے مقابلے میں آجاتا ہے۔ چونکہ وہ خود عبدیت کے نور سے محروم ہوتے ہیں اور ان کے روئیں روئیں میں بغاوت و رعونت کی ظلمات نے ڈیرے ڈالے ہوتے ہیں اس لئے وہ اسلام کے روحانی نظام کو بالکل نہیں سمجھ سکتے اور قرآنی آیات و تعلیمات کے نور میں سفرِ حیات طے کرنے کے بجائے فکر و نظر کے تاریک ترین غاروں میں ناک ٹوئیاں مارتے مارتے مرجاتے ہیں۔

جن دوستوں نے اس مضمون یعنی توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات و تصرفات کی گذشتہ قسطوں کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ہم نے بار بار ان کمالات کو کمالاتِ قدرت کا پرتو اور مظہر ثابت کیا ہے بلکہ ہمارے نزدیک یہ کمالات جہاں بندے کی روحانی عظمت کی دلیل ہوتے ہیں۔ وہاں خود رب قدیر و کریم کی قدرت و رحمت کے دلائل بھی ہیں۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی

آیت پر جو اوپر درج ہو چکی ہے یعنی سُبْحٰنَ الَّذِیْ ...... الخ ۔ غور کریں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جہاں واقعہ معراج حضور پر نور ﷺ کی عبدیت تامہ کی دلیل ہے، وہیں قدرت خداوندی کی وسعتوں کا ثبوت بھی پیش کرتی ہے۔ لفظ سبحٰن ان تمام لوگوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ کر رہا ہے جن کے نزدیک معراج کا واقعہ ناممکن ہے۔ منکرین کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ معراج پر لیجانے کا دعویٰ تو خود اللہ قادر مطلق کر رہا ہے۔ اب اس سے انکار ہے تو حضور ﷺ کے جاسکنے کا ہی انکار نہیں۔ اللہ کے لے جاسکنے کا انکار بھی ہے۔ اور اگر اللہ نہیں لے جا سکتا تو یہ عیب ہے اور اللہ ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ دوسرے لفظوں میں جو اللہ کی قدرتِ مطلقہ پر ایمان رکھتے ہیں، انھیں معراج کے بارے میں کوئی شک و تردد نہیں۔ شک و تردد میں وہ مبتلا ہوں جو اسے قادرِ مطلق نہیں مانتے۔ (دیکھئے تفصیل کیلئے معراج النبی از علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ)

سچی بات یہ ہے کہ سبحٰن نے کئی عقدے کھول دیئے ہیں اور منکرین کی باغیانہ سوچ کے بارے میں ہمیں مطمئن کر کے رکھ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محبوبانِ خدا کے کمالات کے منکر اصل میں ان کمالات کے منکر نہیں بلکہ انھیں کمالات دینے والے 'اللہ' کریم و قادر کے فیضان و کمال قدرت کے منکر ہیں۔ (جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے) مثلاً ہم کہتے ہیں حضور ﷺ کو اللہ نے ذرے ذرے کا علم عطا فرمایا ہے، منکرین کو انکار ہے کیوں؟ اس لئے کہ ان کے نزدیک اللہ یہ علم کسی کو دے ہی نہیں سکتا۔ ہم کہتے ہیں حضور پرنور ﷺ اللہ کے فضل سے حاضر و ناظر ہیں۔ منکروں کے نزدیک اللہ کے پاس اتنا فضل نہیں ہے کہ وہ اپنے محبوب ﷺ کو حاضر و ناظر بنا سکے۔ اگر یہ لوگ خدا کی قدرتوں پر سچے دل سے ایمان لے

آئیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ یہی حال کرامات کا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضور غوث اعظم قدس سرہ نے خداداد قوت سے ڈوبی ہوئی کشتی پار لگا دی۔ منکرین کو انکار ہے تو اس لئے کہ خدا یہ قوت کسی کو نہیں دیتا یا نہیں دے سکتا۔ لفظ سبحٰن ہماری طرف سے بھی انھیں جواب دے رہا ہے کہ اگر خدا یہ طاقتیں عطا فرمانے پر قادر نہیں تو یہ اس کی قدرت میں عیب ہے اور اللہ قادرِ مطلق سبوح و قدوس ہے یعنی ہر عیب ونقص سے پاک ہے۔

اولیاء اللہ کی صحبت وغلامی کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ بندہ ان کی کرامات وتصرفات کے آئنوں میں اللہ کی قدرت ورحمت کے جلوے دیکھتا ہے اور یوں اس کا ایمان تازہ ومضبوط ہوتا جاتا ہے۔ حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ نے تصوف کا ایک فائدہ یہ بھی بتایا ہے کہ ایمان بالغیب ترقی کر کے ایمان بالشہادت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے یا یوں سمجھئے علم الیقین عین الیقین اور کبھی حق الیقین میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ تو اپنوں کا حال ہے، غیروں کو بھی اس سے فائدہ پہنچتا ہے بشرطیکہ ان کی فطرت ابوجہلی وابولہبی نہ ہو۔ انبیائے کرام کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامات دیکھ کر غیر مسلم حتیٰ کہ خدا کے وجود کے منکرین بھی مسلمان ہو جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے آنکھوں سے قدرتِ خداوندی کا جلوہ دیکھ کر سوائے ایمان واسلام کے کوئی اور راستہ نظر ہی نہیں آتا۔

خدا کا شکر ہے ہمیں بھی صاحب معراج ﷺ کی آل پاک سے نسبت غلامی حاصل ہے۔ آفتاب ولایت حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ العزیز نے اپنے خداداد کمالات وتصرفات سے ہزاروں کا ایمان بچایا۔ بالیقین آپ حضور سرور کون و مکاں علیہ افضل الصلوۃ والسلام کی نسل پاک میں نہایت ممتاز مقام پر فائز تھے،

ہاں ہاں وہی نسلِ پاک جس کے بارے میں اعلیحضرت بریلوی قدس سرہ نے بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں یوں عرض کی

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانا نور کا

آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے تقریباً چار سال بعد پیدا ہوئے اور انگریزی دور کے اختتام سے قریباً آٹھ سال پہلے راہئی ملک بقا ہو گئے۔ وہ بزرگانِ دین جنھوں نے دورِ فرنگ کی تباہ کن ملحدانہ فکری یلغار سے قوم کو محفوظ رکھا، آپ ان کے ہراول دستے میں تھے۔ آپ کی نظر کے پروردہ بظاہر غیر معروف لوگ بھی انوارِ شریعت کے پاسبان اور آدابِ طریقت کے محافظ تھے۔ حق یہ ہے کہ حضرت ملا جامی علیہ الرحمۃ نے یہ جو فرمایا ہے

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند
کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

(یعنی نقشبندی بزرگ عجیب قسم کے قافلہ سالار ہوئے ہیں جو قافلے کو ایک مخصوص چھپے راستے سے حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔)

آپ کے بعد آپ کے نبیرۂ مقدس شہنشاہ ولایت اعلیحضرت پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقشِ لاثانی قدس سرہ مسندِ آرائے دربار لاثانی ہوئے۔ آپ اپنے جدِّ امجد کی تربیت کے شاہکار اور فیوض و برکات کے قاسم تھے۔ آپ کی رحمت و رافت کی ایک چمکتی ہوئی دلیل یہ ہے کہ مجھ ایسے بیکس و گنہگار کو بھی مدتوں اپنے قدموں میں پناہ دی اور سالہا سال سفر و حضر میں اپنی معیت کا شرف بخشا۔ اتباعِ سنت، ذوق و شوق، ذکر و فکر پھر تربیت لاثانی نے آپ کو جذبۂ عبدیت سے سرشار

کر کے سراپا کرامات بنا دیا تھا۔ چنانچہ رابطہ رکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کرامات کی بارش ہو رہی ہے۔ ایک ایک آن میں کئی طرف توجہ ہے اور ایک ایک توجہ میں بیسیوں گتھیاں سلجھائی جا رہی ہیں۔ وہ امور جو عام انسانی بس سے باہر نظر آتے ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ انھیں کسی ماورائی طاقت سے ہی حل کیا جا سکتا ہے۔ اللہ کا یہ کامل بندہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کا یہ کامل وارث باتوں باتوں میں انھیں حل کر دیتا تھا۔ مجھے اپنی خوش نصیب آنکھوں سے بار ہا ایسے مناظر دیکھنے کا اتفاق ہوا اور کسی حد تک تفصیل سے سیرت حضور نقش لاثانی (برکات و کرامات) میں بیان کر دیا ہے۔ یہاں صرف ایک دو واقعات بیان کئے جاتے ہیں تا کہ فلسفہ و سائنس کے علت معلول میں الجھے ہوئے لوگ بھی ایک بندۂ خدا پرست کی خداداد قوتوں کا جلوہ دیکھ سکیں۔

اپریشن کے بغیر علاج:

چودھری رفیق احمد صاحب ڈی۔ پی۔ ای کمرشل کالج شکرگڑھ حلفاً بیان کرتے ہیں؛

> ''میرے چچا مقصود علی صاحب (ساکن ٹھیکریاں نزد نورکوٹ) سخت بیمار تھے۔ حکیموں اور پھر ڈاکٹروں کے علاج سے مرض بڑھتا گیا۔ چچا جان ڈاکٹر فاروق صاحب کے پاس سول ہسپتال شکرگڑھ آئے۔ انھوں نے ایکسرے دیکھ کر بتایا کہ ''تمہارے دل کے پاس پھوڑا ہے، اس کے لئے دو ماہ دوائی کھا کر اپریشن کرانا ہوگا۔ دو ماہ کے بعد پھر حاضر ہوئے تو

ڈاکٹر صاحب نے دوبارہ ایکسرے کھنچوا کر دیکھا اور فرمایا 'مزید تین دن تک دوائی کھاؤ اور پھر اپنے ساتھ گھر کے کسی فرد کو لیتے آنا تاکہ اپریشن کیا جائے ۔ چچا جان گھبرا گئے اور سیدھے حضور نقش لاثانی کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔آپ نے ساری داستانِ غم سن کر فرمایا 'کسی اچھے ڈاکٹر سے علاج کرائیں ۔' چچا جان نے عرض کیا 'حضور! اپنی سی کوشش تو کر چکا ہوں ۔ ڈاکٹر کہتے ہیں ۔اپریشن ہوگا۔' حضور نے فرمایا 'تو ٹھیک ہے ،اللہ بہتر کرے گا۔ چچا جان بولے ،' حضور ہم آپ کے غلام ہیں ،اگر آپ نے نہ سنی تو ہماری کون سنے گا ،ارشاد ہوا 'یہ کام تو بہر حال ڈاکٹروں کا ہی ہے'۔ چچا جان اجازت لے کر حویلی سے حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کے مزار شریف کے پاس حاضر ہو کر لیٹ گئے ۔ظہر کی نماز مسجد میں پڑھ کر حضور نقش لاثانی قدس سرہ تشریف لائے تو چچا جان سے فرمایا 'تم گئے نہیں' ابھی یہاں ہی ہو'۔ چچا جان نے عرض کی حضور یہ حویلی نہیں یہ دربار ہے،اس پر ہمارا بھی حق ہے'۔'میں یہاں سے نہیں جاؤں گا'۔آپ فرمانے لگے ،'اچھا تمہاری مرضی نہ جاؤ'۔عصر کی نماز کے بعد پھر یہی تکرار ہوا تو حضور نے جلال

میں فرمایا'بتا درد کہاں ہے؟ چچا نے عرض کیا ،آپ سب کچھ جانتے ہیں''۔اس پر آپ نے درد کے مقام پر اپنا عصا مبارک رکھا اور دو منٹ کے بعد فرمایا 'جاؤ! اللہ تعالیٰ نے حضور شاہ لاثانی قدس سرہ کے صدقے میں تمہاری بیماری دور فرما دی ہے۔اب تمہارا آپریشن نہیں ہوگا'۔

تیسرے دن چچا جان حسب ہدایات ڈاکٹر فاروق صاحب کے پاس گئے تو انھوں نے کہا،ایکسرے لے آؤ'۔ چچا جان نے ایکسرے پیش کیا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا بھئی اپنا ایکسرے لاؤ۔ چچا جان نے بتایا کہ یہ میرا ہی ایکسرے ہے مگر ڈاکٹر صاحب کو یقین نہ آیا تو انھوں نے چٹ لکھ کر دی کہ پھر ایکسرے کراؤ۔ پھر ایکسرے پیش کیا گیا تو ڈاکٹر صاحب کو پھر یقین نہ آیا،تو انھوں نے خود اپنے سامنے پھر ایکسرے کھنچوایا تو پھر بھی پھوڑا نظر نہ آیا۔ حیرت زدہ رہ گئے ،بولے جس دوائی سے ٹھیک ہوئے ہو بتا دو،تاکہ میں کسی مریض کو فائدہ پہنچا سکوں۔وہ بار بار اصرار کرتے رہے اور چچا جان بار بار کہتے تھے کوئی دوائی نہیں کھائی۔آخر وہ اپریشن تھیٹر میں لے گئے تو چچا جان نے سارا قصہ سنا دیا۔ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے،'پہلے تو

یہی سمجھتا تھا کہ ان لوگوں نے ڈھونگ رچایا ہوا ہے، ولی وغیرہ کچھ نہیں ہوتا۔ آج مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی اللہ والے موجود ہیں اور اللہ نے انھیں بڑے کمالات عطا فرمائے ہوئے ہیں۔ مجھے حضرت کا پتہ لکھوادو، میں خود جا کر زیارت کروں گا''۔

لیبیا میں دستگیری:

حاجی عبدالرزاق صاحب صدر بزم لاثانی ڈسکہ کا بیان سنئے۔

''میں ۱۹۸۳ء میں لیبیا میں ملازم تھا۔ ایک دن کسی کام کے لئے بازار گیا تو کسی جیب تراش نے جیب سے ضروری کاغذات جنھیں 'پتا کا' کہتے ہیں نکال لئے۔ ان کے بغیر باہر نکلنا سخت خطرات کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ لہٰذا بعض دوستوں نے تھانے میں رپورٹ درج کرانے کا مشورہ دیا۔ میں نے کہا انشاء اللہ کراؤں گا مگر رپورٹ درج کرانا آسان نہیں تھا۔ عشاء کی نماز بھی اسی پریشانی میں پڑھی۔ نماز کے بعد دربار شہنشاہِ ولایت کی طرف منہ کر کے سو گیا۔ خواب میں شہنشاہِ ولایت حضور نقش لاثانی قدس سرہ تشریف لائے اور فرمایا۔

''اینویں ای پریشان نئیں ہوجائی دا۔ اللہ خیر کرے گا۔''

یعنی یونہی پریشان نہیں ہو جاتے، اللہ خیر کرے گا۔

صبح کام پر گیا تو دوستوں نے پھر زور دیا کہ رپٹ درج ہونی چاہیے۔ میں نے کہا 'جہاں درج کرانی تھی کرا دی ہے'۔ دس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ڈائریکٹر فیکٹری نے مجھے دفتر میں بلالیا۔ مدیر (ڈائریکٹر) صاحب نے پوچھا 'کیا تمہارے کاغذات گم ہو گئے ہیں'؟ میں نے اقرار کیا۔ انھوں نے اپنی گاڑی اور اپنا ڈرائیور دے کر کہا جاؤ، فلاں جگہ فلاں آدمی سے لے آؤ'۔ ہم وہاں آدھے گھنٹے میں پہنچے مگر شناسائی نہ ہونے کی وجہ سے ملاقات نہ ہوسکی۔ اگلی صبح پھر مدیر صاحب نے بلا کر فرمایا 'حیرت ہے لوگ اپنے گمشدہ کاغذات کے لئے کیا کیا جتن کرتے ہیں، ایک تم ہو کہ ملے ہوئے کاغذ بھی وصول نہیں کرتے۔ خیر پھر انھوں نے گاڑی سمیت ڈرائیور دیا اور کاغذات جس کے پاس تھے اسے فون کر دیا کہ فلاں نمبر کی گاڑی ہے، خود روک لینا۔ چنانچہ اس نے خود روکی اور مجھ سے بار بار معافی مانگی۔ میں نے معاف کر دیا تو بولا 'رات کو عصا ہاتھ میں لئے ایک بزرگ تشریف لائے اور دیر تک مجھے مارتے رہے کہ تم نے ہمارے آدمی کو کیوں ستایا ہے۔ کاغذات اسے واپس دو۔ لہٰذا کاغذات بھی لو اور کچھ رقم بھی قبول کر لو۔

بہر حال مجھے معاف کردو"۔

جھولی ہی میری تنگ ہے:

یہی حاجی صاحب راوی ہیں:

"میں لیبیا ہی میں تھا کہ ایک شخص نے اپنے پیر صاحب کی عنایات کا ذکر شروع کر دیا۔ دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ ہمارے حضرت کی تو ہم پر ایسی عنایات نہیں۔ بعد میں اس شیطانی خیال سے توبہ بھی کر لی۔ رات کو سویا تو حضور نقش لاثانی قدس سرہ خواب میں تشریف لے آئے۔ جہاں اب آپ کا مزار شریف ہے، وہاں توت کا بوٹا ہوا کرتا تھا۔ یہاں آپ کے پاس دودھ کے بہت سے مٹکے ہیں اور سامنے دودھ پینے والوں کی لمبی لمبی قطاریں ہیں۔ ایک قطار میں میں بھی کھڑا تھا غالباً آپ کے خلفائے کرام بھی موجود ہیں۔ پینے والوں کو آپ پلاتے رہتے، جب وہ خود کہتے 'حضور بس تو بس کرتے۔ میری باری آئی تو فرمایا 'پیو'۔ میں نے پی لیا تو فرمایا 'اور پیو'۔ اور پیا جب خوب سیر ہو گیا تو فرمایا ہم تو دیتے ہیں' کسی سے ہاتھ نہیں روکتے ،لوگ خود ہی نہیں لیتے اور تھک جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو کوئی کمی نہیں"۔

تیرے کرم سے اے کریم، کونسی شے ملی نہیں
جھولی ہی میری تنگ ہے، تیرے یہاں کمی نہیں

پھر حضور نقشہ ءِ نقش لاثانی اعلحضرت پیر سید عابد حسین شاہ صاحب قدس سرہ جو حضور نقش لاثانی قدس سرہ کے فرزند اکبر تھے کا دور آیا۔آپ نے اپنے آباؤ اجداد کی رسمِ بندہ پروری ہی کو نہیں نبھایا بلکہ عبادت وریاضت میں بھی ان کی روش پر قائم رہے۔یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حضور نقش لاثانی قدس سرہ کے انوارو تجلیات ہی قلوب وضمائر کو منور فرمارہے ہیں۔کرامات وتصرفات کا انداز بھی تقریباً وہی تھا۔لا علاج مریضوں کو دعاوتوجہ سے صحت یاب کرتے رہے اور بے کس و کسمپرس افراد کی چارہ سازی کرتے رہے۔ایک دفعہ سالانہ عرس شریف کی پہلی رات کو جب اجلاس رات کے بارہ بجے ختم ہوا تو میرے پیٹ میں ہلکا سا درد شروع ہوگیا۔اس وقت دوا کی صورت بھی کوئی نہیں تھی۔عرس پر آئے ہوئے ڈاکٹر اور حکیم بھی نایاب تھے۔میں ایک کھلے کمرے میں لیٹ گیا تو حضور نقشہ ءِ نقشِ لاثانی چارپائی کے پاس سے ہوکر گزر گئے اور درد جاتا رہا۔

ایم۔آر۔روحانی دل کے مریض تھے۔صبح ناشتے سے پہلے ان کی دوائیاں پورے دسترخوان کو ڈھانپ لیتی تھیں۔ایک روز انھوں نے یونہی دسترخوان بچھا رکھا تھا کہ آپ تشریف لے آئے۔آپ نے ایک ایک دوائی باہر پھینک دی اور فرمایا'روحانی اگر تو اس بیماری میں مر گیا تو قیامت کے دن ہمیں پکڑ لینا۔ چنانچہ پھر کوئی دوائی رہی نہ پرہیز۔اور روحانی ہمیشہ کے لئے تندرست ہوگئے۔سبحان اللہ، واللہ اکبر

☆......☆......☆

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
11
صفحہ نمبر 242
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

اللہ والوں کی برکات

یہ بات خوب واضح ہو چکی ہے کہ اللہ والوں کے کمالات کی بنیاد اُن کی عبدیت (بندگی) ہے۔ جس میں جتنی عبدیت، یقین محکم، عجز وانکسار، تواضع، عبادت واطاعت، توکل وتفویض، رضا بہ قضا کا جذبہ ہوتا ہے، اسی قدر وہ بلند ہوتا ہے۔ کبر وغرور سے انسان پستیوں کا شکار ہوتا ہے اور آخر کار تباہ و برباد ہو کے رہ جاتا ہے مگر اللہ کے حضور جھکنا اسے بلند کر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ غزالی زماں حضرت علامہ احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عبد (یعنی غلام) کی اقسام:

عبد کی کئی قسمیں ہیں۔ لیکن ایک اعتبارِ خاص سے اس کی تین قسمیں ہیں۔ عبدِ رقیق، عبد آبق، عبد ماذون۔ عبد رقیق سے مراد وہ مملوک غلام ہے جو پوری طرح اپنے مالک کے قبضہ اور اس کی ملک میں ہو۔ عبد آبق اپنے مالک سے بھاگے ہوئے غلام کو کہتے ہیں جو مالک مجازی کے قبضہ سے باہر ہوتا ہے اور عبدِ ماذون وہ غلام ہے جو مالک کی ملک اور اس کے قبضہ میں ہے اور اس کی قابلیت، صلاحیت، استعداد اور خوبی کی وجہ سے اس کے مالک نے اپنے کاروبار کا اسے مختار و ماذون بنا دیا ہو اور اسے اس بات کا اذن دے دیا ہو کہ وہ مالک کے کاروبار میں جائز اور ممکن تصرف کرے۔ اس غلام کا بیچنا، خریدنا، لینا، دینا سب کچھ اس کے مالک کا بیچنا، خریدنا، لینا اور دینا متصور ہوگا۔

عام مومنین خواہ عاصی ہوں یا مطیع۔ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے بمنزلہ عبدِ رقیق کے ہیں اور کفار، مشرکین، منافقین بمنزلہ عبدآبق (بھاگے ہوئے غلام) کے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے محبوبین ومقربین بمنزلہ عبد ماذون کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے قرب کے مطابق ماذونیت (یعنی شان واختیار) کا شرف عطا فرماتا ہے۔ ساری کائنات میں رسول اللہ ﷺ کے برابر کوئی اللہ تعالیٰ کا مقرب نہیں۔ اس لئے حضور ﷺ سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے عبدِ ماذون ہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

۱...... وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰىO اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىO (النجم:۳،۴)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے۔

۲...... وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج (الانفال۔۱۷)

ترجمہ: اور (اے محبوب) وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

۳...... مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (النساء۔۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا، بیشک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔

۴...... اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط (الفتح۔۱۰)

ترجمہ: وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا

اَللّٰهُ يُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ

(بخاری شریف)

ترجمہ: اللہ عطا فرماتا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔

عبد ماذون کی عظمت:

مختصر یہ کہ حضور ﷺ کے عبد ماذون ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت، حضور ﷺ کا فرمانا، اللہ کا فرمانا، حضور ﷺ کا فعل مبارک، اللہ تعالیٰ کا فعل مبارک، حضور ﷺ کا بیچنا اللہ تعالیٰ کا بیچنا، حضور ﷺ کا خریدنا، اللہ تعالیٰ کا خریدنا، حضور ﷺ کا دینا، اللہ کا دینا اور حضور ﷺ کا لینا اللہ تعالیٰ کا لینا ہے۔" (معراج النبی)

گویا یہ وصف 'ماذونیت'' اللہ کے عبد اکبر ﷺ میں اگرچہ سب سے زیادہ ہے مگر دوسرے انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں بھی اپنی اپنی شان کے مطابق موجود ہے اور ان کے علاوہ اولیاء و مقربین بھی اپنے اپنے قرب خداوندی کے مطابق اس سے مشرف ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ

وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ

اور اللہ کے اذن سے مردے زندہ کرتا ہوں۔

بھی اسی اذن اور ماذونیت کو واضح کر رہا ہے۔ اللہ مردے زندہ کرتا ہے تو خود کرتا ہے، اُسے کسی سے اذن حاصل کرنے کی ضرورت نہیں مگر اس کا نبی و رسول، زندہ کرتا ہے تو وہ خود بخود اس طاقت کا مالک نہیں، اللہ کے اذن سے اسے یہ طاقت حاصل ہوئی ہے۔ جب اللہ کے اذن سے ہے تو شرک ختم ہو گیا کیونکہ یہ تو اللہ کی ہی قوت و قدرت کا ظہور ہو رہا ہے۔

غور کیجئے اللہ کے اذن میں کتنی وسعت ہے اور وہ بھی صرف حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے حق میں کہ وہ مٹی کی مورت میں پھونک مارتے ہیں تو وہ اللہ

کے اذن سے سچ مچ کا پرندہ بن جائے، مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں تک کو شفا بخشتے ہیں تو اسی اذن خداوندی کی برکت سے وغیرہ وغیرہ۔ جب خاتم انبیائے بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو اس مرتبے کا اذن میسر ہے تو خاتمِ جملہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی ماذونیت کا کیا عالم ہوگا، جو رحمۃ للعلمین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پھر حضور ﷺ ہی کا صدقہ ہے ان اولیاء و مقربین کی ماذونیت جو حضور پرنور سرکار رحمۃ للعلمین ﷺ کی امت میں ہیں اور انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کے کمالات کے وارث ہیں (جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے)

ماذون وسیلہ:

ایسا ہر بندۂ ماذون و مختار جس کا خریدنا، بیچنا، لینا، دینا اپنی اپنی شان کے مطابق اللہ کا خریدنا، بیچنا، لینا، دینا ہے، کیا وہ عبد ہو کر بھی دوسروں کا وسیلہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ یہ اگر 'ماذون' ہے تو اپنے قرب کی بنا پر، اور مقرب ہے تو اطاعت خدا و رسول ﷺ کی وجہ سے ہے۔ جس شخص نے اسے وسیلہ بنایا تو اسی بنا پر بنایا کہ اُس کے نزدیک یہ بندہ بندگیٔ خدا میں سچا، اس کا مقرب اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کا نائب و وارث ہے۔ دوسرے لوگ خداوند کریم کا قرب چاہیں، تو اس بندۂ مقرب کے وسیلے سے حاصل کر سکتے ہیں، دوسرے کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو اس بندہ ماذون و مقرب کو پکاریں اللہ کے اذن سے یہ ان کی مصیبت دور کر سکتا ہے، دوسرے لوگ کسی حاجت سے دوچار ہوں تو یہ ان کی حاجت روائی میں وسیلہ بن سکتا ہے۔ وہ بندہ مقرب جسے اللہ نے ماذون و مختار بنا دیا ہے، آخر اس دنیا میں اس کو یہ قوت و قدرت دینے کا مقصد کیا ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے مسائل حل ہوں اور دوسرے یہ کہ حل مسائل سے لوگ اپنے رب کو پہچانیں اور اس کی کبریائی کا اقرار

واعتراف کر کے اس کے واحد لاشریک ہونے پر ایمان لائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں جو جتنا مقرب و ماذون و مکرم ہے، اللہ کی مخلوق کیلئے اُتنا ہی بڑا وسیلہ بھی ہے۔ حضور پرنور ﷺ اللہ کے سب ماذون بندوں کے سردار ہیں بلکہ جو ماذونیت کے جس درجے پر ہے، آپ کے صدقے میں ہے، اس لئے آپ وسیلوں کا بھی وسیلہ ہیں۔ پھر انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کیلئے وسیلہ ہیں۔ آخر جو رب اپنے کسی نبی (علیہ السلام) کے ذریعے کسی امت کو ہدایت دے رہا ہے تو وہ نبی اس کیلئے وسیلہ ہی تو ہے۔ چنانچہ آپ قرآن پاک کے پہلے پارے کا مطالعہ ہی بغور کرلیں آپ دیکھیں گے کہ بار بار بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دروازے پر آکر عرض کرتے ہیں کہ اللہ سے مانگئے، اللہ سے پوچھئے، (جیسا کہ اوپر بھی کہیں آیا ہے) گویا نبی اپنی امت کا وسیلہ۔ اسی طرح نبیوں کے بعد صالحین، اولیاء، عرفاء متقین۔ یہ بھی اپنی اپنی ماذونیت کے مطابق دوسروں کا وسیلہ ہیں۔ اللہ ان کے وسیلے سے بارشیں برساتا ہے، رزق عطا فرماتا ہے، فتح و نصرت سے نوازتا ہے۔ یہ مستجاب الدعوات بھی ہوتے ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے اختیارات و تصرفات کے مالک بھی۔

کتنے واضح ارشادات ہیں ذرا سنئے

۱ ...... اَلْاَبْدَالُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلٰثُوْنَ بِهِمْ تَقُوْمُ الْاَرْضُ بِهِمْ تُمْطَرُوْنَ وَ بِهِمْ تُنْصَرُوْنَ (الطبرانی فی الکبیر بسند صحیح، کنز العمال باب لحوق فی القطب والابدال جلد ۱۲ ص ۱۸۶، رقم ۳۴۵۹۳، واللفظ لہ مجمع الزوائد باب ماجاء فی الابدال وانھم بالشام جلد ۱۰ ص ۶۲، مصنف عبد الرزاق، جلد ۱۱ ص ۲۵۰۔ احادیث ابدال پر سیر حاصل بحث کیلئے امام سیوطی کا رسالہ الخبر الدال علی وجود القطب والابدال ملاحظہ ہو۔ الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۲۴۱)

ترجمہ: ابدال میری امت میں تیس ہیں، انھیں سے زمین قائم ہے۔ انھیں کے سبب تم پر مینہ اترتا ہے اور انھیں کے باعث تمہیں مدد ملتی ہے۔

۲...... لَنْ تَخْلُوَ الْأَرْضُ مِنْ ثَلٰثِيْنَ مِثْلِ إِبْرَاهِيْمَ بِهِمْ تُغَاثُوْنَ وَبِهِمْ تُرْزَقُوْنَ وَبِهِمْ تُمْطَرُوْنَ (الطبرانی بسند حسن، مجمع الزوائد باب ما جاء فی الابدال بانھم بالشام جلد: ۱۰ص ۶۲ ابن احبان کنز العمال باب فی القطب والابدال جلد۱۲ص ۱۸۷ رقم الحدیث ۳۴۶۰۲ رقم ۷۳۷۹)

ترجمہ: زمین ہرگز خالی نہ ہوگی تیس (اولیاء) سے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرتو پر ہوں گے، انھیں کے سبب تمہاری فریاد سنی جائے گی اور انھیں کے سبب تمھیں رزق دیا جائے گا اور انھیں کے طفیل تم پر بارش ہوگی۔

ظاہر ہے وہ بزرگ جنھیں اللہ تعالیٰ نے زمین کے قیام کا سبب، بارش برسنے کا باعث اور فتح و نصرت کی وجہ ٹھہرایا ہے، اگر انھیں دوسرے انسان کا وسیلہ سمجھ لیا جائے یا دوسرے لوگ انھیں اپنا وسیلہ بنالیں تو کون سی قیامت آجائے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مقدس لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔ ان کا وسیلہ پیش کرنا ان سے محبت کا اظہار بھی ہے۔ احادیثِ کثیرہ اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ کی رضا کیلئے کسی انسان سے بھی محبت کرنا اللہ کے ہاں پسندیدہ ترین عمل ہے، اور ایک دوسرے سے محض اللہ کیلئے محبت کرنے والے خود اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں اور دنیا میں ایک انسان کیلئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ رب کا محب ہی نہ ہو بلکہ رب کا محبوب بھی بن جائے۔ اطمینان قلب کے لئے ان احادیثِ شریفہ کا متن بھی دیکھ لیجئے۔

۱...... إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى الْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ (احمد)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو سب سے پسند یہ عمل ہے کہ اللہ ہی کیلئے محبت کی جائے اور اللہ ہی کیلئے عداوت رکھی جائے۔

حضرت معاذ بن جبل کی روایت کے مطابق حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

۲......قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ جَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ (موطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی المتحابین فی اللہ ص ۷۲۳، واللفظ لہ مشکوٰۃ، باب الحب فی اللہ ومن اللہ ص ۴۲۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری محبت ان کیلئے واجب ہوگئی جو میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے پاس میری وجہ سے بیٹھتے ہیں، اور میرے لئے ایک دوسرے کی زیارت کرتے رہتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔

جن بزرگوں کے سبب سے بندہ اللہ کا محبوب بننے کی عظیم ترین سعادت حاصل کر رہا ہے اور اس کو تکمیل ایمان کا مژدہ سنایا جا رہا ہے، وہی بندہ انھیں بزرگوں کا نام لے کر اور ان کا واسطہ دے کر اللہ سے دنیا و دین کی کوئی نعمت مانگے تو کیوں نہ رحمتِ خداوندی جھوم جھوم اٹھے گی اور کیوں نہ سائل کا دامن مراد فوری طور پر بھر دیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اللہ کو یہ بات تمام اعمال سے زیادہ محبوب ہے کہ اسی کیلئے کسی سے محبت کی جائے، یونہی اسے یہ بات بھی از حد پسند ہے کہ اس کے مقبولانِ بارگاہ کا وسیلہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔ قرب حاصل کرنا ہو تو بھی، گناہوں کی بخشش مطلوب ہو تو بھی خاتمہ بالخیر چاہیے تو بھی، فتح و نصرت مقصود ہو تو بھی، بارش کی تمنا ہو تو بھی اور کثرتِ رزق کا سوال ہو تو بھی کتاب و سنت کے نصوص اس بات پر شاہد ہیں کہ اس قسم کی ساری نعمتیں ان کا دامن

توسل تھام کرلیں گی۔اسی لئے اللہ نے ایمان والوں کو ان کے وسیلے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدہ ۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

کس قدر دیدہ دلیر ہیں محبوبانِ خدا کے دشمن کہ قرآن پاک کے اس قدر واضح حکم کے باوجود وسیلہ اختیار کرنے والوں کو مشرک یا بدعتی کہتے ہیں۔ افسوس انھیں یہ خبر ہی نہیں کہ وسیلہ اختیار کرنا بارگاہِ خداوندی کے آداب میں سے ہے اور اس کی وضاحت بھی اللہ کی اسی آخری، محکم، محفوظ اور جامع کتاب یعنی قرآن حکیم میں آگئی ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ط إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝ (بنی اسرائیل: ۵۷)

ترجمہ: وہ (مقبول) بندے جنھیں یہ (کافر) پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے، اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بیشک تمہارے رب کا عذاب ڈر

کی چیز ہے۔ (کنز الایمان)

گویا بارگاہ رب العزت میں حاضر ہونے کیلئے جیسے خشوع وخضوع اور طہارت فکر ونظر کی ضرورت ہے، یونہی کسی مرد مقرب کا وسیلہ اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ غیر مقرب اور گنہگار بندے تو ایک طرف مقرب بھی یہ دیکھتے ہیں کہ زیادہ مقرب کون ہے تا کہ اس کے وسیلے سے بارگاہِ شہنشاہِ حقیقی میں حاضری دی جاسکے۔

وسیلے کی صورتیں:

یاد رہے توسل یا وسیلہ اختیار کرنے کی بھی کئی صورتیں ہیں مثلاً ایک تو یہی کہ اس کے وسیلے سے دعا کی جائے، وسیلہ و واسطہ یا بحق وغیرہ الفاظ سے۔ کبھی اُس کے دربار میں پہنچ کر اللہ سے دُعا کی جائے اور کبھی اسے وسیلہ سمجھ کر پکارا جائے۔ جسے عرف عام میں ندائے غائبانہ کہا جاتا ہے۔ وسیلے کی یہ قسم قرآن پاک اور حدیث پاک سے ثابت ہے۔ خیال رہے صرف حرف 'با' سے بھی توسل کا اظہار ہوتا ہے جیسا کہ اوپر کی احادیث میں آیا۔ مثلاً بِھِمْ یُمْطَرُوْنَ انھیں کے صدقے (وسیلے) سے انھیں بارش دی جاتی ہے۔

اب آیئے اس دعا کی طرف جو سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات نے ایک نابینا صحابی کو سکھائی تھی، محدثین نے اسے 'نماز حاجت' میں شامل کیا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ
نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی

رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی لِیَ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ.

قال ابو اسحٰق هذا حديث صحيح

(ابن ماجہ کتاب فی قیام شھر رمضان باب ما جاء فی صلوٰۃ الحاجۃ ص ۹۹، ترمذی ابواب الدعوات باب فی انتظار الفرج وغیرذالک جلد: ۲ ص ۱۹۷، مسند احمد جلد: ۴ ص ۱۳۸، المستدرک باب دعارد البصر جلد: ۱ص ۵۱۹)

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف حضرت محمد نبیٔ رحمت (ﷺ) کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں۔ یا محمد (ﷺ) میں نے آپ کے ذریعے سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کی تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ! میرے بارے میں حضور ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔ ابواسحٰق نے کہا یہ حدیث صحیح ہے

باب کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ صلوٰۃ حاجت ہے اور حضور ہادیٔ کونین ﷺ نے اسے اپنی امت کیلئے تجویز فرمایا ہے۔ جس صحابی کو یہ دعا سکھائی تھی اسے فرمایا تھا کہ خوب وضو کر کے پہلے دو رکعت ادا کرے اور پھر یہ دعا مانگے۔ چنانچہ یہی ترکیب حضور پرنور ﷺ کے وصال شریف کے بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سکھاتے رہے حتیٰ کہ محدثین کرام علیہم الرضوان نے اسے نماز حاجت کے باب میں ذکر کیا۔ حضور پرنور ﷺ کے ظاہری زمانۂ پاک میں خود حضور ﷺ نے اس پر عمل کرایا اور بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین حضرات اس پر عمل پیرا رہے۔ فرمایئے یہ ندائے غائبانہ تو محدثین کرام کے نزدیک

نماز حاجت کا حصہ ہے پھر اسے شرک یا بدعت سے تعبیر کرنا کتنی بڑی بدعت اور زیادتی ہے حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں عرض کرنا یا آپ کو پکارنا تو کوئی عجیب بات نہیں، یہاں تو اللہ کے بندوں کو پکارنے کی تلقین بھی فرمائی جارہی ہے اور سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ تلقین فرمانے والے بھی خود سید عالم حضور پرنور ﷺ ہیں، چنانچہ حصن حصین میں ہے۔

وَاِنْ اَرَا دَعَونًا فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ يَاعِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ (حصن حصین مترجم ص ۱۷۵)

ترجمہ: اور جب (کوئی شخص صحرا میں) مدد لینا چاہے تو کہے ،اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔

حصن حصین شریف احادیث شریفہ پر مشتمل اوراد و وظائف کی کتاب ہے، اس کے مولف نے اہتمام کیا ہے کہ اس میں حدیث صحیح کے سوا کوئی حدیث نہ آئے

ذرا خیال فرمائیے، جہاں حافظ سعید جیسے تھرڈ لے یا رسول اللہ اور یا حبیب اللہ جیسی نداؤں سے پریشان ہو جاتے ہیں، وہاں خود رسول اللہ ﷺ یا عباد اللہ (اے اللہ کے بندو!) کی تلقین فرما رہے ہیں۔ اب وہ ساری غوغا آرائی ختم ہو جانی چاہئے کہ جب اللہ ہر گھڑی ہر کہیں امداد کو موجود ہے تو کسی اور کو پکارنے کی کیا ضرورت ہے۔ سنو اور خوب سنو، اللہ کو بھی پکارا جاتا ہے کہ وہ معینِ حقیقی ہے اور مستعانِ حقیقی، (یعنی حقیقت میں وہی مددگار ہے اور حقیقت میں مدد بھی اسی سے مانگی جاتی ہے) اصل مقصود وہی ہے باقی کسی کو پکارا جاتا ہے تو وسیلہ سمجھ کر اور یہ

بھی اس کا اپنا حکم ہے اور یہ اس کی بارگاہ کا ادب ہے (جو خود اس نے سکھایا ہے)

لیجئے اسی قسم کی ایک اور حدیث شریف، کتاب کا نام ہے اَلْــوَابِـلُ الـصَّيِّبِ وَرَافِعُ الْكَلِمُ الطَّيِّب. جس کے مولف ہیں علامہ ابن قیم جو وہابیہ قدیم وجدید کے ہاں بہت معتبر ہیں۔ اس کا ایک عنوان ہے

اَلْفَصْلُ السَّابِعُ وَالثَّلاثُوْنَ فِیْ
الدَّابَّةِ اِذَانْفَلَتَتْ وَمَا يُذْكَرُ عِنْدَ ذَالِكَ

(سینتیسویں فصل)

یعنی بھاگ جانے والے جانور اور جو اس وقت ذکر کیا جائے، کے بارے میں۔ اس میں صرف ایک حدیث ہی درج فرمائی۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی الله عنه ! عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ اَحَدِكُمْ بِاَرْضِ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ يَاعِبَادَاللّٰهِ احْبِسُوْا، يَاعِبَادَ اللّٰهِ احْبِسُوْا، يَاعِبَادَ اللّٰهِ احْبِسُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ حَاضِرًا سَيَحْبِسُهُ " (رواہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۶۲ واللفظ لہ۔ مجمع الزوائد باب مایقول اذ انفلتت دابتہ اوارادغوانا او اضل شیاء جلد: ۱۰ ص ۱۳۵، الاذکار للنووی رقم ۵۵۷)

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضور پر نور، رسول معظم ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کسی کا جانور جنگل میں بھاگ جائے تو وہ پکارے، اے اللہ کے بندو!

اس کو روکو، اے اللہ کے بندو! اس کو روکو، اے اللہ کے بندو!

اس کو روکو، بیشک اللہ عزوجل کا ایسا بندہ موجود ہوتا ہے جو اسے

روک لیتا ہے۔

دیکھئے اللہ کے سوا حقیقت میں مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے، اور اگر کوئی اس کے علاوہ مدد کرتا ہے تو اسی کے فضل سے مدد کرتا اور کر سکتا ہے۔ جن لوگوں کو مددگار سمجھا جائے، اگر اس نکتے کو ذہن نشین کر کے سمجھا جائے تو ان سے مدد مانگنا جائز ہے بلکہ بعض اوقات تعمیل ارشاد جیسے یہاں آپ نے دو ارشادات ملاحظہ فرمائے۔ اگر کسی کے بارے میں معاذ اللہ یہ گمان ہو کہ وہ اللہ کے فضل کے بغیر یا اللہ کے مقابلے میں مدد کر سکتا ہے تو یہ شرک ہے اور کوئی مسلمان بھی اسے جائز نہیں سمجھ سکتا۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ماں کو، باپ کو، استاد کو، حاکم کو پکارا جائے اور ان سے مدد مانگی جائے تو شرک یاد نہ آئے جونہی کسی نے اللہ کے رسول کو، کسی مقرب کو، کسی مقدس شخصیت کو پکارا اور وہ بھی اللہ کی مدد کا مظہر سمجھ کر تو کفر و شرک کے فتووں کی ژالہ باری شروع ہو جائے۔ اب دیکھئے حضور پرنور ﷺ یا عباد اللہ کا سبق از بر کرا رہے ہیں، یہاں نجدیت بیچاری کیونکر صبر کرتی ہے۔

اوپر عرض کیا گیا تھا کہ وسیلہ پکڑنے کی اور وسیلے سے دعا کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے ''بحق'' جیسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر صرف ایک حدیث درج کی جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جو اپنے گھر سے نماز کیلئے نکلے اور یہ دعا کرے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ وَ بِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا رِیَآءً وَّلَا سُمْعَۃً، خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِکَ وَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِکَ فَأَسْئَلُکَ اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارِ ، وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّہٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ" (ابن ماجہ ابواب المساجدوالجماعات باب المشی الی الصلوٰۃ ص ۵۷ ،مسند احمد جلد:۳ ص ۲۱)

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں مانگنے والوں کے حق کی وجہ سے جو تجھ پر ہے اور اپنے اس نکلنے کے حق کی وجہ سے میں غرور وتکبر اور ریاء وشہرت کیلئے نہیں نکلا، میں تو تیری ناراضی سے بچنے اور تیری رضا حاصل کرنے کیلئے نکلا ہوں۔ سو تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے آگ سے پناہ عطا فرما اور میرے گناہ معاف فرمادے، بیشک تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں تو اللہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کیلئے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ (صحیح ابن خزیمہ بحوالہ مفاہیم)

☆......☆......☆

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
12
صفحہ نمبر 257
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

بحق فلاں:

دیکھئے خود اللہ جل مجدہٗ کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ دعا فرمائی اوراس کا آغازاس طرح سے فرمایا!

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ

یعنی: اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اس حق کے صدقے میں جوسائلین کا تجھ پر ہے۔

اس کے ساتھ ہی

وَ بِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا

اوراس میرے چلنے سے جوحق بناہےاس کے صدقے میں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مخلوق کا خالق پرکوئی حق نہیں کیونکہ مخلوق کی ہر نیکی بھی گویا خالق کااس پر احسان ہےاور جب خالق کی توفیق کے بغیر مخلوق نیکی کرنے سے ہی قاصر ہےتو اس کا حق کیونکر بن سکتا ہے۔اس لئے فقہانے فرمادیا کہ

لَا حَقَّ لِمَخْلُوْقٍ عَلَی الْخَالِقِ

(حاشیہ کنزالدقائق وغیرہ)

ترجمہ: کسی مخلوق کا خالق پرکوئی حق نہیں۔اس کے باوجوداللہ محض اپنے فضل و کرم سے بندے کا کوئی حق ٹھہرالیتا ہےاوراس کو پورا کرنا اپنے ذمہ کرم پرلے لیتا ہے۔مثلاً حضور پرنور ﷺ کی اسی دعا سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوال کرنے والوں کو اللہ اس طرح نوازتا ہے گویا یہ ان کا حق ہواور گویا اللہ نے اعلان کررکھا ہے کہ جو مجھ سے مانگے گا،اس کا حق بنتا ہے کہ میں اُسے نوازوں۔یہ محض اس کا کرم ہےاس دعا

کا دوسرا جملہ بھی یہی وضاحت کر رہا ہے کہ جولوگ اللہ کی عبادت کیلئے مسجد کی طرف نکلتے ہیں، اللہ نے ان کا حق بھی اسی طرح محض اپنی رحمت سے اپنے ذمہ کرم پرلیا ہے، کہ ایسے لوگ اپنے رب سے مانگیں اور جس طرح ہر حقدار کواس کا حق ملنا چاہئے، یونہی اللہ تعالیٰ گویا ان کا حق تسلیم کر کے انھیں ضرور عطا فرماتا ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ اپنی بارگاہ کے سائلوں کواس طرح عطا فرماتا ہے گویا یہ ان کا حق ہو۔ اگر چہ یہ حق محض اس نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہے ورنہ حقیقت میں مخلوق اس لائق کہاں کہ اپنے خالق پر کوئی حق جتائے۔ اللہ کی بارگاہ کے سب سے بڑے مؤدب اور توحید کے سب سے بڑے معلم ﷺ نے سائلوں کے حق اور مسجد کی طرف چلنے والوں کے حق کا ذکر فرما کر اسی بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اللہ کے ہاں سوال کرنے والوں اور مسجد کی طرف چلنے والوں کی بہت عزت ہے اور جب اس قسم کے لوگ اس سے کچھ مانگتے ہیں تو وہ اس طرح عطا فرماتا ہے جیسے حق دار کو اس کا حق دیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس حدیث کی رو سے اپنی دعا میں دوبار 'بحق' کا لفظ اختیار فرمایا اور ظاہر ہے یہ تعلیم امت کیلئے دعا ہے، اسی لئے دعا کا ذکر کرنے سے پہلے فرمایا!

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَیْتِہٖ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَقَالَ

یعنی: جو نماز کیلئے گھر سے نکلے اور یہ کہے اور دعا سکھانے کے بعد فرمایا!

اَقْبَلَ اللّٰہُ بِوَجْھِہٖ وَاسْتَغْفَرَ لَہٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ

(صحیح ابن خزیمہ)

یعنی: اللہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ستر ہزار فرشتے
اس کیلئے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔

اللہ پر نماز کیلئے چلنے والے کا حق کیوں بنا؟ اسی دعا میں اس کا جواب موجود ہے۔

فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَّلَا بَطَرًا وَّ لَا رِیَاءً وَّلَا سُمْعَةً

ترجمہ: کہ میں غرور و تکبر اور ریا و سمعہ کیلئے نہیں نکلا اگر یوں
نکلتا تو پھر میرا کوئی حق نہ تھا۔ نکلا ہوں تو کیوں

خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِکَ وَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِکَ

ترجمہ: میں نکلا ہوں تیری ناراضگی سے بچنے اور تیری رضا ڈھونڈنے کے لئے اور جو شخص اللہ کے غضب سے بچنے کے لئے اور بخشش حاصل کرنے کے لئے مسجد کی طرف جائے اس کا گویا حق بنتا ہے کہ جو مانگے سو پائے۔ لہٰذا یہ کہہ کر وہ دعا کرتا ہے۔ اور وہ بھی صرف اتنی

فَاَسْئَلُکَ اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَ اَنْ تَغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ
اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ

ترجمہ: سو (اے اللہ) میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے
آگ سے پناہ عطا فرما، میرے گناہ بخش دے، بیشک تیرے
سوا کوئی ایسا نہیں جو گناہ بخش دے۔

غور فرمایئے حضور پرنور ﷺ ساری امت کو 'بحق' کے لفظ کے ساتھ دعا کی تلقین فرما رہے ہیں اور قبولیت کی خوشخبری بھی سنا رہے ہیں تو پھر

'بحق' کا لفظ کیوں نہ امت کی دعاؤں میں شامل ہو۔ حضرت شیخ سعدی کے مشہور و معروف درج ذیل اشعار بھی اسی مبارک تلقین کا نتیجہ ہیں

خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول
من و دست و دامانِ آلِ رسول

مولانا محمد قاسم نانوتوی، جن کے سر مدرسہ دیوبند کی بنیاد کا الزام تھوپا جاتا ہے انہوں نے بھی اپنا شجرۂ طریقت اسی انداز میں لکھا ہے۔ مثلاً ان کا ایک شعر ہے

بحق خواجہ مودود چشتی
کہ سگ را فیض او سازد بہشتی

اس قسم کے اپنوں اور بیگانوں کے اشعار سن کر بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ جب فقہاء نے یہ تصریح فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق ہو ہی نہیں سکتا تو ان اشعار کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ ہم نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ جب حضور پر نور ﷺ ایک بابرکت دعا سکھارہے ہیں اور اس میں 'بحق' کا لفظ موجود ہے تو اس سے بڑھ کر کونسی دلیل چاہئے، فقہاء کے قول کی وضاحت اوپر ہو چکی، واقعی خالق پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں سوا اس کے کہ کسی مخلوق کا کوئی حق وہ خود اپنے کرم سے اپنے ذمہ کرم پر لے جیسے اس دعا میں حضور پر نور ﷺ نے تصریح فرمائی ہے۔ ایک یہی دعا نہیں، بلکہ حضور پر نور ﷺ نے اپنی پیاری چچی اور حضرت سیدنا و مولانا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ کی والدہ کریمہ حضرت سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کو قبر میں دفنانے سے پہلے جو دعا فرمائی تھی اس میں بھی ایک جملہ اس

قسم کا موجود ہے۔

وَوَسِّعْ عَلَيْهَا مُدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ فَإِنَّكَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ

(المعجم الکبیر رقم ۸۷۱، جلد: ۲۴ ص ۳۵۲، المعجم الاوسط جلد: ۱ ص ۱۱۱، حلیۃ الاولیاء جلد: ۳ ص ۱۲۱ ترجمہ نمبر ۲۲۶۔ مجمع الزوائد جلد: ۱ ص ۲۶۰ مناقب فاطمہ بن اسد)

ترجمہ: اور ان پر ان کی قبر کو وسیع فرمادے اپنے نبی ﷺ کے اور ان انبیاء علیہم السلام کے حق کا صدقہ جو مجھ سے پہلے گزرے بیشک تو سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

ہاں ہاں اللہ تعالیٰ کا یہ کرم ہے کہ اس نے اپنے مخصوص بندوں کو نبوت سے نوازا اور انھیں اپنی عنایات ونوازشات کا حقدار ٹھہرایا، چونکہ اللہ کے دربار میں انبیاء کرام علیہم السلام کی وجاہت کا عقیدہ بہت ضروری ہے، غالباً حضور پرنور ﷺ نے اس عقیدے کو ازحد اجاگر کرنے کیلئے ہی یہ انداز اختیار فرمایا ہے۔ اس سے جس طرح مقام نبوت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے، شاید کسی اور انداز سے نہیں۔ بلکہ وہ لوگ جو صدق دل سے انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں، وہی مومن ہیں اور اللہ نے ان کو اپنی رحمت ونصرت کا حقدار ٹھہرایا ہے، مگر پہلے ایک حدیث پاک سن لیجئے۔

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ رحمت دوعالم ﷺ کے پیچھے دراز گوش پر سواری کا شرف ملا۔ اس وقت میرے اور آپ کے درمیان صرف زین

کی لکڑی تھی۔ رحمت دو عالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا

یَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰی عِبَادِهٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰهِ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یَّعْبُدُوْهُ وَ لَا یُشْرِکُوْا بِهٖ شَیْئًا وَ حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰهِ اَنْ لَّا یُعَذِّبَ مَنْ لَّا یُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا (مشکوٰۃ کتاب الایمان ص ۱۴، بخاری کتاب الجہاد، اسم الفرس والحمار جلد ۱ ص ۴۰۰، مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنۃ قطعاً جلد ۱ ص ۴۴)

ترجمہ: اے معاذ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا اس کے بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، تب سرکار نے فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ وہ اسے لاشریک ماننے والے کو عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کیا آقا لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دے دوں۔ فرمایا، انھیں یہ خوشخبری نہ سناؤ کہیں، یہ بھروسہ ہی نہ کر بیٹھیں (اور عمل ترک نہ کر دیں)

ہمارے ہاں کچھ لوگوں کا مزاج ایسا بگڑ گیا ہے کہ حدیث کتنی ہی صحیح

اور قوی کیوں نہ ہو، اگر طبیعت کو (معاذ اللہ) گوارا نہ ہوتو اسے فوراً ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ لہذا اب قرآن ہی سے اہل ایمان، کا حق جو اللہ کریم نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہے پوچھ لیتے ہیں۔ سنئے اللہ کا فیصلہ۔

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (یونس.....۱۰۳)

ترجمہ: پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کونجات دیں گے۔ بات یہی ہے۔ ہمارے ذمہ کرم پر حق ہے، مسلمانوں کونجات دیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الروم.....۴۷)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے تم سے پہلے کتنے رسول انکی قوم کی طرف بھیجے۔ تو وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لائے۔ پھر ہم نے مجرموں سے بدلا لیا، اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا۔

توسل اور ادب:

غرض وسیلہ پیش کرنا اور اس کے حوالے سے دعا کرنا دربار خداوندی کے آداب میں سے ہے اور اس کا حکم خود دعائیں مقبول کرنے والے سچے، واحد و

لاشریک خدا نے دیا ہے، اور اس کے سب سے بڑے حبیب ﷺ نے وسیلے سے دعائیں مانگی ہیں حالانکہ وہ کسی کے وسیلے کے محتاج نہیں بلکہ باقی سب مخلوق ان کے وسیلے کی محتاج ہے۔ حضور پرنور ﷺ جب کسی کے وسیلے کے محتاج نہیں تو پھر بھی حضور ﷺ کسی کا وسیلہ پیش کر کے دعا کریں۔ آخر کیوں؟ تعلیم امت کیلئے۔ جسے امتی ہونے کا دعویٰ ہے اسے تو اپنے آقا و مولا ﷺ کا ہر فیصلہ قبول ہونا چاہئے اور اپنے آقا و مولا ﷺ کی تعلیم و تلقین پر بدل و جان عمل کرنا چاہئے، نہ کہ فرار کے بہانے تلاش کرے اور بالکل اس کے برعکس ایک نئی راہ تراشے، محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہ چھوڑنا اور کسی اور کی راہ پر چلنا، یہی تو بدعت ہے۔

منکرین کو وسیلے سے چڑ کیوں ہے؟ اس لئے کہ وسیلہ پیش کرنا بارگاہ خداوندی کے آداب میں سے ہے (جیسا کہ اوپر گزرا) اور ادب آداب کی باتیں اس قبیلے کیلئے ناقابل قبول ہیں۔ نماز پڑھ لیں گے، روزہ رکھ لیں گے، تلاوت بھی کرلیں گے، مگر ادب؟ کسی قیمت پر بھی قبول نہیں۔ لہذا ان کی نماز؟ ادب سے خالی ہے انھیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں، جس طرح یہ خدا کے حضور عموماً ٹانگیں کھول کر کھڑے ہوتے ہیں، اس طرح اس حد تک ٹانگیں کھول کر کسی اے۔ ایس۔ آئی کے سامنے بھی کھڑے نہیں ہوتے اور کھڑے ہوں تو وہ اسے برداشت نہ کر سکے۔ انجان آدمی انھیں نماز میں کھڑا دیکھے تو شاید تصور بھی نہ کر سکے کہ حضرت نماز میں ہیں۔ اسے یوں لگے جیسے ورزش ہو رہی ہے یا کوئی مداری کرتب دکھا رہا ہے۔ روزہ نفس کا زور توڑنے کیلئے اکسیر ہے مگر ان کے ہاں نفس ہی تو ہے جس کی پرورش مقصود ہے۔ لہذا روزے سے ان کی نفسانیت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ کیا آپ کو علم نہیں کہ قرآن پاک کی رو سے روزے کا مقصد ہے۔ لعلکم تتقون تاکہ تم

متقی ہو جاؤ۔ اور تقویٰ کا معیار ہی ادب و تعظیم رسول ہے۔ کیا آپ نے کبھی دیکھا کہ وسیلے کا منکر روزہ رکھ کر حضور رسول اکرم ﷺ کے ادب سے بہرہ ور ہو گیا ہو۔ ہاں ہاں بےادب کو مودب بنانے میں روزہ بھی بے بس ہے۔ تلاوت کا بھی ان کے ہاں یہی حال ہے۔ حدیث پاک میں تلاوت قرآن کو دل کی سختی کا علاج بتایا گیا ہے مگر گستاخ و بےادب کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ دل کا بیمار یعنی گستاخ و منافق اسے پڑھے تو بیماری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً

(البقرہ......۱۰)

ترجمہ: اُن کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی۔

تلاوت کے فیوض و برکات تو بہت بعد کی بات ہے، خود قرآن پاک کے ادب سے جو قوم محروم ہے، اس سے اور کس خیر کی توقع رکھی جائے۔ خدا آپ کو حرمین شریفین کی حاضری کا شرف بخشے تو وہاں نجدیوں کا قرآن پاک سے ہولناک سلوک عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے۔ یعنی تلاوت کی اور پھر قرآن پاک فرش پہ رکھ دیا، جس ہاتھ میں جوتا پکڑا اسی میں قرآن پاک رکھا ہے، زمین پر رکھا ہے تو اوپر سے گزر رہے ہیں۔ خود کرسی پر بیٹھے ہیں اور قرآن پاک فرش پر ہے سو جو لوگ اس حد تک ادب سے محروم ہیں، تلاوت سے ان کی صحت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن پاک نے فتویٰ دیا۔

صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ○

(البقرہ ۱۸)

ترجمہ: بہرے، گونگے، اندھے تو وہ پھر آنے والے نہیں۔

اولیاء و مقربین تو ایک طرف رہے، انھوں نے رسالت کا وسیلہ بھی سچے دل سے قبول نہیں کیا حالانکہ ایمان کا تحقق ہی واسطہ رسالت سے ہوتا ہے۔ ذرا کھل کر بات کی جائے تو حضور ﷺ کے واسطے سے اور حضور اکرم ﷺ کو برہان و دلیل مان کر اللہ کو واحد ولاشریک مانا جائے تو یہ ہے توحید مقبول۔ اور اگر نبوت کے واسطے کے بغیر ہی خدا کو واحد ولاشریک مانا ہے تو یہ افلاطون وارسطو والی توحید مردود ہے۔ کلمہ طیبہ میں لا الـہ الا اللـہ کے بالکل ساتھ ہی بغیر ذرا سی تفریق کے محمد رسول اللہ ﷺ کا کہنا اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے مگر جو بہرے گونگے اندھے ہیں کیا سمجھیں۔

توسل کے اثرات:

آپ اگر غور کریں تو وسیلہ پکڑنے سے انسان ایسی صفات سے متصف ہوجاتا ہے یا کم از کم ایسی صفات کا اظہار ہوتا ہے جو اس کیلئے بہت ضروری بہت مفید اور اس کی کامیابی کی بہت بڑی ضامن ہیں اور ان تمام صفات کی تلافی ہوجاتی ہے جو اس کیلئے نقصان دہ ہیں اور ان کی ایمانی وروحانی ترقی میں رکاوٹ ہیں (پھر یہ بھی مشاہدہ کرلیں کہ ایسی تمام تر مضر صفات ہی سے وہابیت کا خمیر تیار ہوا ہے)

مثلاً کوئی بندہ جب دوسرے شخص کو مقرب سمجھ کر اس کا وسیلہ بارگاہ ربوبیت میں پیش کرتا ہے تو گویا اسے اپنے سے کم از کم اعلیٰ ضرور سمجھتا ہے۔ اپنے آپ کو اس کی نسبت کمتر سمجھتا ہے۔ اب پوچھ لیجئے کسی بھی عقلمند انسان سے کہ خود کو دوسروں سے

اعلیٰ سمجھتا ہے یا دوسروں کو خود سے اعلیٰ مانتا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب
دو اندرز فرمود برروئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش
دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

تیرھویں صدی کے مجدد حضرت شیخ غلام علی مجددی دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ دوصفات سارے تصوف کا نچوڑ ہیں۔ دوسرے بندے کے بارے میں نیک اور اچھائی کا گمان بجائے خود ایک عبادت ہے کہ حدیث پاک میں ہے کہ

حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ

(ابوداؤد کتاب الادب باب فی حسن الظن جلد:۲ ص ۳۳۴، مسند احمد جلد:۲ ص ۲۹۷)

یعنی اچھا گمان اچھی عبادت ہے۔

دوسروں کو اچھا سمجھنا کیا ہے، ان کے اعمال کو اچھا سمجھنا اور ان کے تقویٰ وطہارت کو مقبول تر سمجھنا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اپنی عبادت کو ناقص سمجھنا عجز و نیاز اور تقاضائے عبودیت ہے اور دوسروں کی عبادات کو بہتر اور مقبول تر سمجھنا حسن ظن ہے اور دونوں صفات سے وہابیوں کو چڑ ہے یہی دونوں توسل کی بنیاد ہیں جو قوم کلمہ پڑھ کر بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو بڑا بھائی بلکہ صرف بھائی کا درجہ دیتی ہے وہ کسی غوث، ابدال، قطب کو کیا خاطر میں لائے گی۔ انھیں اپنی عبادت پر حد درجہ ناز ہوتا ہے اور یہی ناز ان کی تباہی کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ بدگمانی تو عام مسلمان کے بارے میں بھی جائز نہیں، یہ بدنصیب اللہ کے پاک اور مقبول و مقرب بندوں کے بارے میں اسی بدگمانی کو روا رکھتے ہیں۔ اس غرور وتکبر اور

بدگمانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے غضب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جوں جوں غضب کا شکار ہوتے جاتے ہیں لعنتوں کے مستحق بنتے جاتے ہیں اور راہ قبول و وصول سے دور تر ہوتے جاتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کو حقیر سمجھنا اللہ کی توہین ہے اور یہ اسی کے مرتکب یا اسی کے وبال میں گرفتار ہیں خود سوچئے جب اللہ نے اپنی مخلوق کو انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطے سے اپنی طرف بلایا ہے تو کون ہے جو نبی ﷺ سے بے نیاز ہو کر خدا تک پہنچ سکے یا اسے راضی کر سکے۔ گویا اللہ اپنے بندوں کو اپنے نبی ﷺ کا نیاز مند دیکھنا چاہتا ہے۔ شیطان ان کو نبی ﷺ کے در سے بے نیاز کرنا چاہتا ہے۔ وہابی جب اپنے زور عبادت سے اللہ کے نبی ﷺ سے بے نیاز ہو گیا تو بتایئے اس کی عبادت واقعی اللہ کی عبادت ہے یا شیطان کی مکروہ چال۔ اللہ والوں سے روگردانی تباہی کا وہ نسخہ ہے جو شیطان کا مجرب ہے وہ بھی بڑا عابد و زاہد تھا۔ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کیلئے تیار نہ ہوا تو مردود ہو گیا۔ ہزاروں لاکھوں سال کی عبادت جو ضائع ہوئی تو کیوں؟ اللہ کے خلیفہ جناب آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے اور تعظیم بجا نہ لا کر، مدتوں کے عابد کو تباہ و برباد ہونے اور مردود و ملعون ہونے میں کتنا عرصہ لگا، اِدھر سجدہ نہ کیا اُدھر ختم ہو گئی۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

اس میں کیا شک ہے کہ اللہ خالق اسباب اور مسبب الاسباب ہے۔ وہ قاضی الحاجات ہونے کے باوجود بندوں کے ذریعے بندوں کی حاجات پوری فرماتا ہے اور اسی بنا پر انھیں دوسروں کی حاجت روائی کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ رزاق ہے اور رازق ہونے میں کسی کی امداد کی اسے ضرورت نہیں پھر بھی آپ دیکھتے ہیں،

گھر میں کمانے والا ایک ہوتا ہے، باقی سب کھانے والے۔ ان کھانے والوں کو رزق کون دے رہا ہے، وہی ایک اللہ مگر ظاہر وسیلہ اور رزق پہنچانے کا ذریعہ اس نے کسے بنایا جسے وسیلہ و ذریعہ بنایا ہے یہ اللہ کے بنانے سے ہے، اللہ کا شریک نہیں کبھی ایک کماتا ہے اس کی کمائی پر کتنے خاندان پلتے ہیں اس کی توحید میں فرق تو کیا پڑتا اس وسیلے سے اس کی شان رزاقی اور نکھری۔ اب اگر وہ کسی کو عام لوگوں کے رزق کا سبب بنادے اور اس کی دعا سے خوش حالی یا بارش عطا کرے تو کیا توحید مجروح ہوجائے گی۔ معاذ اللہ
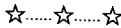
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
13
صفحہ نمبر 271
توحید اور محبوبان خدا کے کمالات

قدرت اور اسباب:

خداوند کریم مسبّب الاسباب ہےاور قادر مطلق بھی۔وہ جس کو چاہے بغیر کسی سبب کے عطا فرما سکتا ہے۔ یہ اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے پھر بھی وہ اسباب کے ذریعے عطا فرمائے تو یہ اس کے مسبّب الاسباب ہونے کا ثبوت ہے۔ اس کے مسبّب الاسباب ہونے اور مختلف اشیاء کیلئے مختلف قسم کے اسباب پیدا کرنے سے اس کی قدرت کاملہ (ومطلقہ) میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ یہ اور نکھرتی ہے۔یعنی یوں نہیں کہ اسباب کے بغیر عطا فرمائے تو قادر مطلق اور اسباب کے ذریعے یا اسباب کے بغیر جسے بھی چاہے عطا فرمائے اس کی قدرت ہی کے رنگارنگ جلووں کا ظہور ہے۔ ہاں اسباب کے ذریعے اکثر اپنی قدرت کا اظہار فرماتا ہےتو اسے قانون کہہ دیا جاتا ہےاور اسباب کے بغیر بہت کم کرشمہ دکھاتا ہے تو اسے ظہور قدرت سمجھا جاتا ہے۔مگر ان دونوں صورتوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ جسے قانون کہا گیا ہے وہ بھی قانون قدرت ہے۔ مثال سے وضاحت کرتا ہوں حضرت عیسٰی علیہ السلام صرف باپ کی وساطت کے بغیر اور حضرت آدم علیہ السلام ماں اور باپ یعنی دونوں کی وساطت کے بغیر پیدا کئے گئے۔ان دونوں پیغمبروں کے سوا باقی سب پیغمبروں کو بلکہ سب انسانوں کو ماں باپ کی وساطت سے پیدا کیا گیا ہے۔تو فرمایئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں سے ایک طریقہ تو خدا کی قدرت کی دلیل ہے جبکہ دوسرے طریقے سے اس کی قدرت کا کوئی تعلق نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کا قانون یہی ہے کہ سب کو ماں باپ دونوں کی وساطت سے پیدا کرے۔اور ماں باپ کے ذریعے پیدا کرنا بھی قدرت خداوندی کی بہت بڑی دلیل ہے۔اگر (معاذ اللہ) یہ دلیل قدرت نہ ہوتی

تو قرآن پاک کی متعدد آیات میں انسان کی اس عام تخلیق کو بار بار بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اور نطفہ مغضہ اور علقہ کا ذکر کیوں کیا مثلاً،

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا (المومنون:۱۴)

ترجمہ: پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر گوشت پہنایا

سیدھی سی بات ہے کہ پانی کی ایک بوند سے انسان تخلیق کرنا اگر اس کی قدرت کا کرشمہ نہیں تو کوئی اور ذات یہ کام کر کے دکھائے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ بھی قدرت کا عظیم معجزہ ہے اگر سب کو یوں ہی پیدا فرمایا جاتا تو یہ شبہ ذہن میں ابھر سکتا تھا کہ خدا بھی ماں باپ کے بغیر کوئی بشر نہیں بنا سکتا تو حضرت آدم اور حضرت عیسٰی علیہما السلام کی پیدائش نے اس شبہے کا قلع قمع کر دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالی خالق اسباب ہے محتاج اسباب نہیں۔ چنانچہ وہ چاہے تو اسباب (ماں باپ کے بغیر بھی) کسی کو پیدا کر سکتا ہے مختصر یہ کہ اسباب کے بغیر پیدا فرمانے سے جس طرح قدرت خداوندی کا ظہور ہوتا ہے یونہی اسباب کے ساتھ پیدا فرمانے سے بھی اسی خالق یکتا اور قادر مطلق کی شان تخلیق ظاہر ہوتی ہے۔ ذرا سوچئے منکرین وسیلہ کا انکار کتنی واضح حقیقت کا انکار ہے خود باپ کے ذریعے پیدا ہونے والا شخص اگر پھر وسیلے کا انکار کرتا ہے تو کیا وہ اپنی ماں کو گالی نہیں دے رہا۔ ہاں ہاں کوئی شخص اگر یہی رٹ لگاتا ہے کہ اس کا وجود باپ کے ذریعے کے بغیر ہی ہے تو

معاشرے میں اسے اپنا مقام پہچان لینا چاہئے۔ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بیمار ہے۔ حکیموں ڈاکٹروں کے علاج سے اللہ شافی نے شفا بخشی اپنے (عام) بندوں کے ذریعے بندوں کی حاجت روائی فرمائی۔ پھر یہ بھی کبھی ہوتا ہے کہ ماں باپ کے نکاح کو سالہا سال بیت گئے، کوئی اولاد نہیں ہوئی پھر کسی بندۂ خدا کے آستانے پر حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی اور دعا کی قبولیت کے نتیجے میں اللہ نے چاند جیسا بیٹا عطا فرما دیا سو جس طرح ماں باپ کا وجود بیٹے کی پیدائش کا سبب بنا یونہی اللہ کے پاک بندے کا وسیلہ بھی اللہ کی قدرت کا مظہر بن گیا بلکہ یہ وسیلہ قدرت خداوندی کا نا قابل تردید ثبوت اس لئے ہے کہ ماں باپ کے ذریعے اولاد کا ہونا تو عام ہے۔ مسلمان، ہندو، عیسائی، یہودی، مشرک، ملحد سب اس طرح پیدا ہوتے ہیں مگر جس طرح مسلمان اسے اللہ کی عطا سمجھتے ہیں۔ بت پرست اپنی جہالت سے اسے بتوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ہاں جب ایک اللہ والے کی دعا سے، اولاد ہو گی تو اس میں کسی کو شک نہیں رہے گا کہ واقعی جس خالق واحد نے دعا قبول کی ہے، وہی اولاد بخشنے والا ہے اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اللہ ہی نے خلق کا ذریعہ والدین کو بنایا ہے ہاں ہاں والدین جنتے ہیں، پیدا نہیں کرتے قرآن فرماتا ہے۔

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ (الواقعہ:۵۸،۵۹)

ترجمہ: تو بھلا دیکھو تو وہ منی جو گراتے ہو کیا تم اس کا آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔ (کنزالایمان)

پھر دیکھئے انسان پیدا ہوا تو رزق کا مسئلہ سامنے آیا۔ اس کا ذریعہ بھی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا والدین کو ٹھہرایا گیا یعنی اللہ ہی رزاق ہے مگر رزق کا ذریعہ بھی اسی نے والدین اور بھی دوسروں کو بنایا۔

پھر اللہ ہی شافی ہے۔ مگر شفا کا ذریعہ اس نے ڈاکٹروں کو والدین کو اور بعض دوسروں کو بنایا۔

اللہ ہی معلم حقیقی ہے اسی نے آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام سکھائے پھر بھی عالم اسباب میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ اساتذہ کرام اور دوسرے لوگوں کے ذریعے ہی جاری ہے۔

غور فرمایئے جب اس عالم اسباب میں اسباب کی یہ ہمہ گیری ہمارے روزمرہ کے تجربات و مشاہدات پر نہایت ہی وسعت و کثرت سے چھائی ہوئی ہے تو ان تمام ذرائع و وسائط و اسباب میں اللہ کی رحمت و مغفرت حاصل کرنے کا سب سے یقینی ذریعہ محبوبان خدا کا دامن کرم ہے۔ اسی ذریعے کو اللہ نے اپنی آخری کتاب میں وسیلہ ٹھہرایا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ دنیا بھر کے اسباب و وسائل بھی منکرین وسیلہ کے سامنے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں مثلاً اپنی نسل کی افزائش کیلئے بالغ اولاد کا نکاح کرتے ہیں گھر کے افراد کے رزق و تربیت کا ذریعہ و وسیلہ بنتے ہیں بیمار ہوں تو حکیموں کے محتاج ہوتے ہیں، علم کی تلاش مقصود ہو تو اساتذہ کو واسطہ بناتے ہیں انصاف لینا ہو تو کارکنان حکومت کے آگے فریاد و استمداد کرتے ہیں مگر خدا جانے انہیں خدا والوں سے کیا بیر ہے کہ صرف ان کو وسیلہ بنانے سے انہیں شرک کا ہیضہ ہو جاتا ہے ان سے اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف دعائے خیر ہی کروائی جاتی ہے۔ جو بندہ ان بزرگوں سے دعا کراتا ہے کہ

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں اور ہماری تکلیف دور ہو جائے یہ بندہ شرک کارد کررہا ہے نہ کہ شرک کررہا ہے۔

دوگروہ! اگر کسی جسمانی پیدائش کیلئے ماں باپ ذریعہ ہیں تو روحانی زندگی کیلئے (بفرمان حضرت مجدد قدس سرہٗ) شیخ کامل وسیلہ ہے، اگر ظاہری تربیت (وپرورش) والدین کے ذمہ ہے تو روحانی تربیت کیلئے کوئی روحانی مربی ہونا بھی ضروری ہے۔اگر علم ظاہر کے ذرائع ہیں تو علم باطن کے بھی وسائل ہیں۔ اگر جسمانی امراض کے علاج کیلئے حکیموں اور ڈاکٹروں کے پاس جانا ضروری ہے تو روحانی امراض کیلئے روحانی طبیبوں کی خانقاہوں میں حاضری کیوں غیرضروری اورشرک ہے اگر دنیا والوں کا سہارا شرک نہیں تو خدا والوں کا سہارا شرک کیسے ہوگیا۔کتنا بدنصیب ہے جودنیاوالوں کا ممنون تو بننا پسند کرتا ہے مگر اسے اللہ والوں کا احسان ماننا قطعاً گوارا نہیں۔کتنا خدادشمن ہے جو مصیبت پڑنے پر دنیا کے کتوں کا کتا ہونا تو پسند کرتا ہے مگر بارگاہِ خداوندی کے سرہنگوں کا نیازمند ہونا اسے ناگوار ہے۔کتنا کج فہم ہے جو دنیا کے تخت وتاج ومال وزر کی اہمیت تو مانتا ہے مگر مقبولان بارگاہِ الٰہی اوران کے قرب ووصل کی عظمتوں کا باغی ہے۔کتنا اندھا ہے جس کی آنکھیں دنیائے فانی کے زرق برق سے تو خیرہ ہوگئی ہیں مگر عالم باقی کے تاجداروں کا جاہ وجلال اس کو نظر نہیں آرہا۔کتنا خودغرض اوراحسان ناشناس ہے جودنیاوالوں سے دنیا کا معمولی کام لینے کیلئے نہایت خوشامدانہ لہجے میں بندہ بندے کا وسیلہ کا نعرہ لگاتا ہے مگر اللہ والوں سے اللہ کے قرب جیسی دائمی سعادت حاصل کرنے کیلئے اسے وسیلہ بیکار بلکہ شرک نظر آتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ دونوں گروہ وسیلے کے قائل ہیں مگر ایک گروہ کی منزل مقصود دنیا ہے اوراس کی ساری تگ ودو

اسی دنیا کے حصول کیلئے ہے وہ بظاہر نیک کام بھی کرے تو اس کا مقصود رضائے خدا نہیں بلکہ اپنا اعتبار جما کر اور لوگوں کو دھوکا دے کر دنیا اکٹھی کرنا ہوتا ہے، اس کی نماز، اس کی داڑھی، اس کی تکبیر، اس کا جہاد سب کچھ دنیا کا مال اکٹھا کرنے کیلئے ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو کشمیر اور افغانستان کے نام پر چندہ اکٹھا کرنے والوں کو دیکھ لیجئے۔ کتنے ہی ایسے ہیں جن کی دیکھتے ہی دیکھتے کوٹھیاں بن گئیں، بنگلے بن گئے اور لاکھوں روپے مالیت کی قیمتی گاڑیاں مل گئیں، اور اولیاء اللہ سے ہم مانگیں تو مشرک اور اغنیاء دنیا سے بلکہ ان سے بھی جنہیں ہم مشرک سمجھتے ہیں، خود مانگیں تو توحید۔ بہرحال ان کی ساری دوڑ دھوپ دنیا کیلئے ہے۔ سوچئے کیا یہ گروہ بھی اپنے فکر و عمل کی بنا پر اس قوم کا حصہ نہیں جس کے بارے میں قرآن یوں فتویٰ دیتا ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ○ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ○ ...... (الکہف:۱۰۳،۱۰۴)

ترجمہ: تم فرماؤ کیا ہم تم کو بتا دیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں، ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم ہوگئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔

تَوحِیدُ اور مَحبُوبانِ خُدا کے کمالات
قسط نمبر
14
صفحہ نمبر 278
تَوحِیدُ اور مَحبُوبانِ خُدا کے کمالات

آیئے ایک آیہ کریمہ پر غور کیجئے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ o

ترجمہ: اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔ اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔ (کنز العمال)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر وقت ہر مسلمان کے ساتھ ہیں۔ اسی لئے ہم پر ہمارے گناہوں کی وجہ سے عذاب نہیں آتا۔ کیونکہ عذاب نہ آنے کی وجہ حضور کی موجودگی ہے، رب فرماتا ہے اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ اور فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ حضور اللہ کی رحمت ہیں اور سب سے قریب ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ صدیق اکبر، فاروق اعظم کی قبروں میں عذاب نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام انکے پاس ہیں اور وہ آغوش مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) میں سو رہے ہیں۔ جو انہیں عذاب میں مانے وہ اس آیت کا منکر ہے۔

نیز آیت کے دوسرے حصے میں بخشش مانگنے والوں سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جو انھیں کفار و مشرکین کے گلی کوچوں میں آباد ہیں، یا وہ مسلمان ہیں جن کا ان کافروں کی اولاد میں ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ غور کیجئے حضور پر نور ﷺ کی رحمت و برکت کی وسعت اور غلامان مصطفیٰ کے استغفار کے اثرات پر۔

اہل ایمان کی مزید برکات: اس ضمن میں چند احادیث بھی ملاحظہ فرمائیں

☆ ..... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

حدیث قدسی:

اِنِّیْ لَاُھِمُّ بِاَھْلِ الْاَرْضِ عَذَاباً فَاِذَا نَظَرْتُ اِلیٰ عُمَّارِ بُیُوْتِیْ وَالْمُتَحَابِیْنَ فِیَّ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ صَرَفْتُ عَذَابِیْ عَنْھُمْ (الامن والعلی بحوالہ بیہقی شریف، شعب الایمان باب ماتحاب رجلان فی اللہ الاکان افضلھا اشدھما حبالصاحبہ جلد:۶ ص۵۰۰، رقم ۹۰۵۱، کنز العمال باب فی صلاۃ الجماعۃ وما یتعلق بھا جلد:۷ ص۵۷۹ رقم ۲۰۳۴۳)

ترجمہ: میں زمین والوں پر عذاب اتارنا چاہتا ہوں، جب میرے گھر آباد کرنے والے اور میرے لئے باہم محبت رکھنے والے اور پچھلی رات کو استغفار کرنے والے دیکھتا ہوں تو اپنا عذاب ان سے پھیر دیتا ہوں۔

☆......حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَیَدْفَعُ بِالْمُسْلِمِ الصَّالِحِ عَنْ مِائَۃِ اَھْلِ الْبَیْتِ مِنْ جِیْرَانِہِ الْبَلَاءَ (مجمع الزوائد باب ماجاء فی الجار جلد:۸ ص۱۶۷، کنز العمال کتاب الصحبۃ من قسم الاقوال جلد:۹ ص۵ رقم ۲۴۶۵۴)

ترجمہ: بیشک اللہ عزوجل نیک مسلمان کے سبب اس کے ہمسائے میں سو گھر والوں سے عذاب اٹھالیتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث روایت فرمائی کہ آیۃ ﴿ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ﴾ اور اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو ایک دوسرے سے تو بیشک زمین تباہ ہو جاتی (الامن والعلی بحوالہ طبرانی کبیر)

اس کے بعد قرآنی الفاظ یوں ہیں۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ:۲۵۱)

ترجمہ: 'مگر اللہ فضل والا ہے سارے جہان پر'

یعنی یہ اللہ کا فضل ہے، کہ وہ مسلمانوں کے سبب کافروں اور نیکوں کے باعث بدوں سے بلا دفع فرماتا ہے۔

☆......حضور ﷺ فرماتے ہیں

مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعاً وَّعِشْرِيْنَ مَرَّةً كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ يُسْتَجَابُ بِهِمْ وَيُرْزَقُ بِهِمْ اَهْلُ الْاَرْضِ (الامن والعلی بحوالہ طبرانی کبیر، کنز العمال جلد:۱ص۴۷۶ رقم ۲۰۶۸ باب فی الاستغفار والتعوذ)

ترجمہ: جو ہر روز ستائیس بار سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کیلئے بخشش مانگے، وہ ان لوگوں میں ہو جاتا ہے جن کی دعا قبول ہوتی ہے اور جن کی برکت سے تمام اہل زمین کو رزق ملتا ہے۔

احکام میں رعایت: بعض کے صدقے دوسروں پر کرم ہونا اور بعض کی بنا پر بعض کو رعایت ملنا شرعی و فقہی احکام میں عام ہے۔ نماز ہی کو لے لیجئے، ارشاد نبوی ہے۔

اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ السَّقِيْمَ وَالضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ

لِنَفْسِہٖ فَلْیُطَوِّلْ مَا شَآءَ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی امامت کرے تو اس کو چاہئے کہ نماز میں تخفیف کرے کیونکہ مقتدیوں میں بیمار، کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جب تنہا نماز پڑھے تو جتنی چاہے طویل کرلے۔

گویا اس سے بھی نماز جیسے فریضے میں بیماروں اور بوڑھوں کی معذوری کا لحاظ رکھا جارہا ہے اور اس کی وجہ سے سب کو نماز ہلکی کرکے پڑھائی جارہی ہے بلکہ اس سے بھی پہلے نماز کی جماعت ہی کی طرف آیئے حضور ﷺ اس کی اہمیت یوں بیان فرماتے ہیں۔

لَوْ لَا مَا فِی الْبُیُوْتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالذُّرِّیَّۃِ لَأَقَمْتُ صَلٰوۃَ الْعِشَاءِ وَاَمَرْتُ فِتْیَانِی یُحَرِّقُوْنَ مَا فِی الْبُیُوْتِ بِالنَّارِ (مسند احمد، جلد:۲ص ۳۶۷)

ترجمہ: اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشا کا حکم دے کر نماز عشاء شروع کرکے اپنے خادموں کو حکم دیتا کہ وہ ان کے گھروں کو آگ سے جلادیں (جو نماز عشاء کی جماعت میں شریک نہیں ہوئے)

دیکھئے نماز با جماعت میں شامل نہ ہونے والوں کے گھروں کو حضور پرنور ﷺ آگ لگا دینا چاہتے ہیں مگر عورتوں اور بچوں کی وجہ سے ایسا نہیں کیا جارہا یعنی

عورتوں اور بچوں کی وجہ سے مجرم بھی آگ سے بچ گئے اور گھر بھی۔

اسی طرح کوئی شادی شدہ عورت زنا سے حاملہ ہو تو حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق جب تک وہ بچہ نہ جن لے بلکہ اسے دودھ نہ چھڑا لے، اس پر رجم کی حد جاری نہیں کی جائے گی گویا یہ بچہ ہے جس کی وجہ سے ماں کی سزا میں تاخیر کی گئی۔

عابدوں کی برکت:

نماز جنازہ کو لیجئے۔ حضور پرنور ﷺ فرماتے ہیں۔

مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّى عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا اَوْجَبَ (ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی الصف علی الجنازۃ جلد: ۲ ص ۹۵)

ترجمہ: کوئی میت ایسی نہیں جب اس کو موت آئے اور اس کیلئے جنازہ کی نماز میں تین صفیں ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے مغفرت واجب کر دیتا ہے۔

جنازہ پڑھنے والے مسلمان ہوں، منافق نہیں تو ان کی تین صفیں مرنے والے مسلمان کی (منافق کی نہیں) بخشش کا سبب بن جاتی ہیں۔ اس قسم کے اور بھی کئی مظاہر ہیں۔ میدان محشر میں صورت حال اور بھی واضح ہو جائے گی اور بیشمار فیصلے نسبتوں کے تناظر میں ہوں گے جیسا کہ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ درروز امید وبیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

ترجمہ: میں نے سنا ہے کہ امید اور خوف کے دن یعنی قیامت میں رب کریم نیکوں کے صدقے میں بروں کو بھی بخش دے گا۔

ان گنت حدیثوں میں سے صرف ایک حاضر ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ وَ اسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَ شَفَّعَهٗ فِیْ عَشَرَةٍ مِنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ

(احمد، ترمذی، دارمی، مشکوۃ باب فضائل القرآن ص ۱۸۷ واللفظ لہ ابن ماجہ کتاب العلم باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ ص ۱۹، تفسیر امام ابن حاتم رقم الحدیث ۱۲۸۸۳۰)۱)

ترجمہ: جس نے قرآن پاک پڑھ کر یاد کیا اور اس کے احکام کے مطابق حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا اور گھر کے ایسے دس افراد کے بارے میں اس کی شفاعت مقبول ہوگی جن کیلئے دوزخ واجب ہوچکی ہوگی۔

خیال فرمایئے، یہ اس کا مقام ہے جس نے قرآن پاک کو حفظ کیا اور اس پر عمل کیا، پھر جس شخصیت نے ایسے سینکڑوں ہزاروں حفاظ باعمل تیار کئے، اس کی کیا شان ہوگی، پھر وہ اولیائے کرام جن کے دربار سے حفاظ باعمل کو تیار کرنے والوں

کی کھیپ تیار ہوتی ہے اور جہاں سے قرآن کے انوار واسرار سے سینوں کو منور کیا جاتا ہے، اس کی شان وعظمت کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔

صرف تلاوت اور اس پر عمل کرنے تک یہ سلسلۂ رحمت موقوف نہیں بلکہ کسی نیک مسلمان کی نیکوکاری کا فیض کہاں تک پہنچتا ہے، سنئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا

اِنَّ اللّٰہَ لَیُصْلِحُ بِصَلَاحِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ وَلَدَہٗ وَوَلَدَ وَلَدِہٖ وَاَھْلَ دُوَیْرَتِہٖ دُوَیْرَاتٍ حَوْلَہٗ وَلَا یَزَالُوْنَ فِیْ حِفْظِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مَادَامَ فِیْھِمْ

(مفاہیم ابن جریر: رقم الحدیث ۱۷۵۴۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مسلمان مرد کی نیکی کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اس کے گھر والوں اور اس کے اردگرد کے گھروں کے حالات ومعاملات درست فرمادیتا ہے۔ اور سب اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہیں جب تک وہ اللہ کا بندہ ان میں موجود رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ کا اندازہ کسی عقل وفہم سے ناممکن ہے اگر یہی صالح بندہ قبر میں سکونت اختیار کرلے تو کیا یہی صورت حال نہیں ہوگی۔ نیز دنیا میں جن کے حالات ومعاملات میں برکت دی جارہی ہے کیا یہ اسی دنیا تک محدود ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے یہ بعید نظر نہیں آتا کہ برزخ میں بھی یہی صورت حال ہو اور اس کی صالحیت سے جو فیض اولاد اور اولاد کی اولاد کو نیز

دوسرے گھر والوں بلکہ اردگرد کے گھر والوں کو ملنا شروع ہوا تھا، اس کی برکات قبر تک جاری رہیں اور پھر حشر میں پہنچ کر اس کی صالحیت کے فیوض کا ایک نیا سلسلہ جاری ہو جائے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کے پیش نظر تشریح کی جارہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت تو ہماری تشریح سے بے حد وسیع تر ہے۔ (ممکن ہے تشریح کرنے والے اور اس پر یقین کرنے والے کا بھی بیڑا پار فرمادے) دنیا والوں کی نیکیوں، عبادتوں اور دعاؤں سے مردوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے، بغیر کسی تفصیل میں جائے صرف ایک حدیث درج کی جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ اَنّٰى لِيْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ بِاِسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ (مسند احمد، جلد:۲ ص ۵۰۹، ابن ماجہ ابواب الادب باب برالوالدین ص ۲۶۰، السنن الکبریٰ للبیہقی ابواب الترغیب فی النکاح باب الرغبۃ فی النکاح جلد: ۷ص ۷۹، مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ ص ۲۰۶)

ترجمہ: بیشک اللہ عزوجل نیک بندے کے درجات جنت میں بلند فرماتا ہے تو وہ (نیک بندہ) عرض کرتا ہے اے میرے رب یہ درجہ مجھے کیسے مل گیا، ارشاد ہوتا ہے تیرے بیٹے کے استغفار کے سبب (تجھے یہ ترقی ملی ہے)۔

اس قسم کے ارشادات واحادیث سے بعض نازک مزاج پریشان ہو جاتے ہیں اور اپنے ضعیف ایمان کا اقرار کرنے کی بجائے حدیث پاک کو ضعیف کہہ دیتے

ہیں۔ آیئے قرآن پاک کا فیصلہ سنئے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ط (الطور۔۲۱)

ترجمہ: اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملادی اور ان کے عمل میں انھیں کچھ کمی نہ دی۔ (کنزالایمان)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل مومن کی اولاد کو بھی جنت میں اس کا درجہ عطا فرمائے گا اگرچہ اپنے عمل کے ذریعے وہاں رہنے کی مستحق نہ ہو۔ یہ اسلئے تاکہ انھیں اس مقام پر فائز دیکھ کر اس نیک بندے کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

(ضیاء القرآن، بحوالہ قرطبی)

ان تمام شواہد پر غور فرمایا آپ نے۔ اللہ کریم نے دونوں جہان میں بعض کے ذریعے بعض کی عزت افزائی فرمائی، حاجت روائی اور مشکل کشائی کا اہتمام کس شان سے کیا بلکہ خود ترغیب دیتا ہے۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (مائدہ:۲)

'نیکی اور پرہیزگاری کے معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون کرو'

ایک دوسرے کی پریشانیاں دور کرو، ایک دوسرے کی حاجتیں پوری کرو۔ ایک دوسرے کے عیب چھپاؤ، ایک دوسرے کی مشکل کشائی کرو۔ صرف ان کی ترغیب ہی

نہیں دی بلکہ ان کا ثواب بھی بیان فرمایا مثلاً ایک حدیث پاک پر غور فرمائیں کس شان سے دوسروں کی حاجت روائی کا صلہ بتایا جارہا ہے حضور پرنور ﷺ فرماتے ہیں۔

لَأَنْ يَّمْشِيَ أَحَدُكُمْ مَعَ أَخِيْهِ فِيْ قَضَاءِ حَاجَتِهٖ وَأَشَارَ بِأُصْبُعِهٖ أَفْضَلُ مِنْ أَنْ يَّعْتَكِفَ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا شَهْرَيْنِ (رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد، المستدرک باب اشرف المجالس ما استقبل بہ القبلۃ جلد:۴ص۲۷۰، الترغیب، الترغیب والترھیب باب، فی قضاء حوائج المسلمین وادخال السرور علیھم جلد:۳ص۳۹۱، واللفظ لہ مجمع الزوائد، باب فضل قضاء الحوائج جلد:۸ص۱۹۴)

ترجمہ: انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا میری اس مسجد میں دو ماہ کے اعتکاف سے بہتر ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے چلے۔

نعمتوں کا مقصد:

حقیقت یہ ہے کہ ارحم الراحمین اللہ نے اپنی مخلوق میں سے جو نعمتیں کسی کو عطا فرمائی ہیں وہ محض اس کیلئے نہیں بلکہ ان سے دوسروں کی خدمت کرنا اوران کی مشکلات کا حل کرنا بھی مقصود ہوتا ہے اگر یہ نعمتیں دوسروں کے کام نہ لائی جائیں اوران سے دوسروں کی حاجت روائی نہ کی جائے تو ضبط وسلب بھی ہو جاتی ہیں۔

سنئے حدیث پاک

إِنَّ اللّٰهَ أَقْوَامًا اخْتَصَّهُمْ بِالنِّعَمِ لِمَنَافِعِ الْعِبَادِ يُقِرُّهُمْ فِيْهَا مَا بَذَلُوْهَا فَإِذَا مَنَعُوْهَا نَزَعَهَا مِنْهُمْ فَحَوَّلَهَا

اِلٰی غَیْرِهِمْ (مفاہیم بحوالہ طبرانی، ابن ابی الدنیا، الترغیب باب الترغیب فی قضاء حوائج المسلمین وادخال السرور علیھم جلد:۳ ص۳۹۱ مجمع الزوائد باب فضل قضاء الحوائج جلد۸: ص۱۹۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے فائدے کیلئے کچھ لوگوں کو خاص کر دیا ہے جب تک وہ ان نعمتوں کو خرچ کرتے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو ان بندوں میں رکھتا ہے اور جب وہ خرچ کرنے سے رک جاتے ہیں تو اللہ پاک ان نعمتوں کو دوسروں کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

نہایت آسانی سے سمجھنے کیلئے زکوٰۃ وصدقات کے فلسفے پر غور فرمایئے، یعنی اللہ نے مال کیوں دیا؟ اسلئے نہیں کہ اسکا نفع خود تک محدود رکھا جائے، بلکہ اس لئے کہ فرزندان اسلام کے بھی کام آئے اسی لئے قرآن پاک نے فرمایا۔

وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ o (الذٰریٰت۔۱۹)

ترجمہ: اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا۔ (کنزالایمان)

یہ آیت اہل جنت کے بارے میں ہے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے یہ سائلوں اور شرم کے مارے نہ مانگنے والے مسکینوں کو اس طرح نوازا کرتے تھے گویا ان کا حق تھا کہ ان کے مال میں حصہ دار بنیں۔ یہی حال باقی نعمتوں کا ہے جیسا کہ اوپر حدیث شریف میں آپ نے دیکھ لیا۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ کریم نے اپنی دنیا میں بعض کو حاجت روا، مشکل کشا، مددگار، مونس وغمخوار بنایا ہے اور جن کو بنایا ہے انھیں خود

ترغیب دی بلکہ تاکید فرمائی کہ غریب غربا محتاجوں اور بے سہاروں کے کام آئیں پھر اس کام آنے کو دو جہان کی عزت و آبرو اور کامیابی کا سبب ٹھہرایا۔ ظاہر ہے جن کے پاس زیادہ دولت ہے وہ زیادہ فقیروں کے کام آسکتے ہیں جن کے پاس زیادہ قوت ہے وہ زیادہ کمزروں کی مدد کر سکتے ہیں، جن کے پاس زیادہ اختیار ہے وہ زیادہ بیکسوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور جن کے پاس زیادہ علم ہے وہ زیادہ طلباء کو گوہرِ علم سے مالا مال کر سکتے ہیں۔

وسیلے کا انکار کیوں؟

اگر یہ سادہ اور روشن حقیقت ذہن نشین ہو گئی ہے تو بتایئے وسیلے کا انکار کیوں؟ یہ ساری کی ساری وسیلے کی مختلف دنیوی (اور دینی) صورتیں ہی تو ہیں۔ محبوبان خدا کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائیں اور جن کمالات وتصرفات سے نوازا ہے وسیلہ پیش کرنے والا ان کا اعتراف کرتا ہے (یعنی خدا کے احسانات جو اس کے بندوں کے شامل حال ہیں وسیلے کے منکر کے برعکس وسیلے کا معتقد ان کا اعتراف کرتا ہے) یا یوں سمجھئے کہ وسیلے کے اعتقاد اور عمل کا پہلا فائدہ تو یہی ہوا کہ وسیلہ ماننے والا احسانات خداوندی کے انکار سے بچ گیا، ظاہر ہے جو شخص اللہ کے احسانات کا منکر ہے وہ اللہ کے غضب کا مستحق تو ہو سکتا ہے رحمت کا نہیں۔ پھر جب وہ کسی انسان کو خدا کے احسانات کا مورد سمجھتا ہے تو ظاہر ہے اسے متقی اور زاہد و عابد بھی سمجھتا ہے۔ اس خیال میں کہ اللہ نے اپنے متقی و زاہد بندے پر کرم فرما کر اسے خصوصی عظمتوں، قوتوں اور برکتوں سے نوازا ہے تو دراصل یہ برکت ہوئی زہد و تقویٰ کی، اطاعت خدا اور رسول ﷺ کی۔ اب سوچئے اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی فرمانبرداری کا فائدہ ہونا چاہئے یا نہیں۔ اگر اللہ کی عبادت اور بت کی

بندگی میں کوئی فرق نہ ہو اور ان کا ایک ہی نتیجہ ہو تو سچے اور جھوٹے معبود کی پہچان کیونکر ہوگی۔ جو لوگ وسیلے کے منکر ہیں، اس انکار کا دوسرا وبال ان پر یہ پڑتا ہے کہ ان کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آتی کہ سچے معبود کی بندگی کے ثمرات اور جھوٹے معبود کی بندگی کے نقصانات میں کتنا زبردست فرق ہے بلکہ ان کو اس بات کا پتا بھی نہیں چلتا کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت قربِ خداوندی ہے۔ خیال فرمایا کہ وسیلے کا انکار کرنے والا جہنم کے کس غار میں پڑا ہوا ہے۔ اسی تاریکیٔ فکر ونظر کی بنا پر الٹا اہلِ وسیلہ کو مشرک اور کافر گردانتا ہے، حالانکہ خود اسے اس سیدھی سی بات کی سمجھ نہیں آ رہی اور ایمان، تقویٰ، اطاعت، زہد وورع، خشوع وخضوع، اخلاص وتوکل کا زیادہ سے زیادہ اتنا فائدہ ہی سمجھتا ہے کہ اگلے جہان میں کامیابی ہو جائے ورنہ اس کے خیال میں اس دنیا میں نہ اسے تقویٰ واطاعت کا کوئی فائدہ نظر آتا ہے اور نہ اس کے نتیجے میں ملنے والے قربِ خداوندی کا، وہ توحید کا نام لیتا ہے، اس کے نعرے لگاتا ہے اسی کو اپنے خیال میں مانتا ہے مگر حقیقت میں یہ سب کچھ اس کی زباں تک ہے، اسے اس توحید نے جو اس کے نزدیک بے ثمر ہے، کچھ فائدہ نہیں بخشا بلکہ اپنے کفر کو توحید کا نام دے کر وہ حقیقتِ حال سے بہت دور جا پڑا ہے۔ اس کو معلوم ہی نہیں کہ توحید خود بہت بڑی طاقت ہے حضرت اقبال فرماتے ہیں۔

زندہ قوت یہی توحید تھی دنیا میں کبھی
اب کیا ہے؟ فقط اک مسئلۂ علم کلام!

قوتِ توحید:

ہاں ہاں کس قدر بدنصیب ہے جو توحید کو زبانی طور پر مان کر اس کی بے پناہ قوتوں، اس کے عالمگیر جاہ وجلال اور ہمہ گیر فیض کا منکر ہے اور اس کے انوار و

تجلیات سے محروم ہے۔ کسی بھی محبوب ربانی سے توسل اختیار کرنے والا توحید کی ان لاہوتی و تسخیری قوتوں کے جلوے دن رات دیکھتا ہے یا کم از کم ان پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ سچے دل سے جانتا اور مانتا ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں اور اس کے قرب جیسی کوئی طاقت نہیں ہے۔ مخلوق میں جتنا کوئی اس کا مطیع، اس کا نیاز مند اور اس کا مقرب ہے اتنا ہی طاقتور ہے اور چونکہ یہ اللہ والے خداداد و لازوال طاقتوں کے امین ہوتے ہیں اس لئے اپنی ان طاقتوں کے ذریعے مخلوق خدا کے کام آنا ان کا فرض منصبی ہے۔ انھوں نے محنت کی، نفس کا مقابلہ کیا، دن رات اپنے پروردگار سے لو لگائی، اللہ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کے طفیل انہیں نوازا۔ کسی کو غوث، قطب اور کسی کو ابدال وغیرہ بنا دیا اور انھیں فرشتوں سے بڑھ کر روحانی طاقتیں عطا فرمائیں۔ اس لئے جناب حالی نے فرمایا!

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

عقل کے اندھے یہ نہیں سمجھ پائے کہ جب فرشتوں کی حیران کن طاقتوں سے شرک نہیں ہوتا تو انسانوں کی حیران کن طاقتوں سے کیوں شرک ہو جاتا ہے۔ فرشتے جب خدا کے حکم کے مطابق اپنی خداداد طاقتیں استعمال کرتے رہتے ہیں، پھر گذشتہ صفحات پر یہ حدیث گزر چکی ہے کہ جن کو اللہ نعمتیں عطا فرماتا ہے انسانوں کے فائدے کیلئے ہی عطا فرماتا ہے اور اگر وہ ان نعمتوں سے لوگوں کو فائدہ نہ پہنچائیں تو نعمتیں سلب کر لی جاتی ہیں تو یقیناً اللہ نے ان بندوں کو یہ خصوصی طاقتیں بھی اسی لئے عطا فرمائی ہیں کہ لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ وہ توحید کے جلوے دیکھیں اور شرک سے محفوظ رہیں مگر افسوس سعید اینڈ کمپنی بالکل اس کے برعکس ہے۔ جن

نعمتوں، دولتوں، طاقتوں سے خالق قوی وقادر کی قدرت وقوت کے کرشمے نظر آتے ہیں ان کے نزدیک ان سے شرک پھیلتا ہے۔ اس کی مزید تصدیق کہ اللہ کے محبوبوں کے خداداد کمالات مومنوں کیلئے رحمت وبرکت کی نوید ہوتے ہیں اور انھیں ان پر اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے نہ کہ ناراض، دیکھئے سورۃ احزاب کی یہ تین آیتیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝

(الاحزاب: ۴۵ تا ۴۷)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تجھے بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کیلئے اللہ کا بڑا فضل ہے۔

(کنزالایمان)

دیکھئے پہلی دو آیتوں میں حضور پرنور ﷺ کے فضائل وکمالات اور مختلف اسماء وصفات کا تذکرہ ہے اور تیسری آیت میں مومنوں کو اللہ کے فضل کبیر کی خوشخبری دی جارہی ہے کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمانوں کیلئے حضور پرنور ﷺ کی یہ صفات نہایت ہی مفید ومفیض ہیں اس لئے انھیں خوشخبری دی جارہی ہے لہذا اہل ایمان کو حضور پرنور ﷺ کی ان خداداد عظمتوں پر اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

(نہ کہ حافظ سعید کی طرح ان کا انکار کر کے جہنم کا مستحق ہونا) پھر وہ واقعہ بھی پیش نظر رکھئے جو پہلے گزر چکا ہے یعنی حضرت آصف بن برخیا کا تخت بلقیس آنکھ جھپکنے سے پہلے لے آنا قرآن پاک میں مذکور ہے پھر اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا شکر ادا کرنے کا ذکر ہے یعنی تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا تو۔

قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ط وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌO (النمل......۴۰)

ترجمہ: کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے سب خوبیوں والا۔ (کنز الایمان)

مومن اور منافق: حقیقت یہ ہے کہ رسالت و نبوت کا منصب ہی خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہے یعنی خالق جو کچھ عطا فرماتا ہے نبی و رسول کے ذریعے عطا فرماتا ہے اور مخلوق جو کچھ لیتی ہے نبی و رسول کے ذریعے لیتی ہے اور رسالت و نبوت پر ایمان لانا دراصل نبی و رسول کے واسطہ و وسیلہ پر ایمان لانا ہے۔ جس جس نے نبی و رسول کو جتنا پہچانا اس نے نبی و رسول کی اسی حیثیت کو گویا اپنے ظرف کے مطابق پہچانا۔ کافر کو اس سے انکار ہے، مومن کو سچے دل سے اقرار ہے اور منافق نہ پورا ادھر نہ پورا ادھر۔

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ط (النساء:۱۴۳)

ترجمہ: بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں نہ ادھر کے نہ ادھر کے۔

چنانچہ دیکھئے منافقین کا طرز عمل اور دیکھئے اس پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ:

سَیَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْلَنَا (الفتح۔۱۱)

ترجمہ: اب تم سے کہیں گے جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے کہ ہمیں ہمارے مال اور ہمارے گھر والوں نے جانے سے مشغول رکھا (یعنی ہماری عورتیں بچے اکیلے تھے اور مال کی نگرانی کرنے والا بھی کوئی نہ تھا اس لیے ہم جہاد میں آپ کے ساتھ نہ جا سکے) اب حضور ﷺ خدا سے ہماری مغفرت چاہیں۔

ان کی اس درخواست پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ (الفتح۔۱۱)

ترجمہ: اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔

قرآن پاک کو ان کی درخواست والتجا پر اعتراض نہیں اعتراض اس بات پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دعا کی گذارش بھی زبان سے کر رہے ہیں دل سے نہیں۔ گویا یوں سمجھ لیجئے، کہ مومن دل سے عرض کرتا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ ہماری سفارش کیجئے اور ہماری بخشش کی دعا کیجئے۔ کافر نہ رسول اللہ ﷺ مانتا ہے، نہ یا رسول اللہ کہتا ہے اور نہ کوئی التجا کرتا ہے البتہ منافق زبان سے وہی کہتا ہے جو مومن کہتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ مومن زبان سے بھی مانتا ہے اور دل سے بھی مگر منافق صرف زبان سے کہتا ہے دل سے انکار کرتا ہے۔ پھر سب منافق بھی ایک جیسے نہیں بعض

ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ وہ زبان سے صرف رسول اللہ ہی کہتے ہیں۔ باقی مغفرت کا ذریعہ بنانا انھیں زبان سے بھی ناگوار ہے۔ یہ کچھ زیادہ ہی متکبر و مغرور ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک گواہ ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ.

(المنافقون ۵)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے معافی چاہیں تو اپنے سر (انکار میں) گھماتے ہیں۔ اور تم انہیں دیکھو کہ غرور کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں۔

توسل کی صورتیں: یاد رہے کہ یوں کہنا کہ یا رسول اللہ ہماری سفارش کیجئے یا ہمارے لئے بخشش طلب کیجئے۔ یہ توسل (یعنی وسیلہ اختیار کرنے) کی ایک صورت ہے اور اگر یوں کہے کہ یا رسول اللہ ہماری مدد فرمایئے، ہم پر نظر رحمت رکھئے یا ہمارا کام بنا دیجئے تو یہ بھی وسیلہ اختیار کرنے کی دوسری صورت ہے اس میں بھی وسیلہ اختیار کرنے والا حضور پرنور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرح قادر مطلق اور معطی بالاستقلال نہیں سمجھتا بلکہ حضور پرنور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حبیب، رسول، نمائندہ، خلیفہ، بندۂ ماذون سمجھ کر ہی گزارش کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہی بات ہوتی ہے کہ حضور پرنور ﷺ کی نبوت و رسالت اور خلافت عظمیٰ کا تقاضہ یہی ہے کہ جیسے حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت، حضور کی رضا اللہ کی رضا، حضور سے بیعت اللہ سے بیعت، یونہی حضور ﷺ سے مانگنا اللہ سے مانگنا ہے، آپ ﷺ کا عطا

فرماتا اللہ کا عطا فرماتا ہے۔ حضور ﷺ کسی کو کچھ دیتے ہیں تو اللہ کے فضل سے دیتے ہیں اور اللہ کسی کو کچھ عطا فرماتا ہے تو حضور ﷺ کے صدقے میں عطا فرماتا ہے۔ اور جیسا کہ اوپر گزرا ہے، کہ فرعون جیسا نالائق بھی نبوت و رسالت کے منصب کا تقاضا بھی یہی سمجھتا تھا اور ایمان والا بلکہ عام سی عقل والا بھی اسے مانتا ہے جیسا کہ اسی مضمون کی ابتداء میں کہیں گزرا ہے کہ فرعون جیسا نالائق بھی نبوت ورسالت کے اس مفہوم کو سمجھتا تھا۔ اسی لئے وہ موسیٰ علیہ السلام سے دفع عذاب کی التجا اس طرح کرتا تھا۔

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ

یعنی اے موسیٰ اگر تو ہم سے اس عذاب کو ٹال دے۔

تو اس فریاد کے نتیجے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے۔

﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا﴾

ترجمہ: سو جب ہم نے ٹال دیا۔

یہاں ٹالنے والے سے مراد کون ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ (یعنی ہم سے مراد اللہ اور موسیٰ علیہ السلام نہیں) صرف اللہ ہے مگر اللہ نے کب ٹالا جب فرعون نے اس کے نبی کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور پکار اٹھا کہ اب موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہی ہمارے کام آسکتی ہے۔

اللہ سے کہیں ہماری مصیبت ٹال دے تو بھی مقصود وہی ہے اور اللہ کے رسول یا کسی دوسرے محبوب سے انہی الفاظ سے عرض کریں کہ ہماری مصیبت ٹال دو تو بھی مقصود اللہ ہی ہوتا ہے چنانچہ حضور ﷺ کا فرمان

وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ (ترمذی ابواب القیامۃ باب ماجاء فی الرباء والسمعۃ جلد۴ ص۶۷)

ترجمہ: اور جب تو مانگے تو اللہ سے مانگ

اور یہ فرمانا کہ تم میں سے کوئی امداد چاہے تو کہے۔

اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ (قدمر)

ترجمہ: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو

دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ دونوں مقام پر اللہ ہی مقصود ہے ان میں سے کوئی فرمان بھی شرک نہیں سکھا رہا۔ اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا ہے تو معاذ اللہ انھیں اللہ مان کر یا اللہ کا شریک مان کر نہیں بلکہ اللہ کا بندہ مان کر۔ اور اللہ کا بندہ ماننا ہی اس بات کی علامت ہے کہ اسے مقصود و مستقل قرار دے کر اس سے مدد نہیں مانگی جا رہی بلکہ اللہ کی بارگاہ کا وسیلہ سمجھ کر۔ چنانچہ اس سے بھی آگے جب یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ کہہ کر مدد مانگی جائے یا کچھ اور تو اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ انھیں خدا یا خدا کا شریک نہیں مانا جا رہا بلکہ رسول اللہ اور حبیب اللہ ہی مانا جا رہا ہے اور یہ ماننا کسی طور پر بھی شرک نہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ تصور ذہن نشین نہ ہو تو ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضور پرنور ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں مختلف قسم کی حاجتیں طلب کرتے تھے معاذ اللہ معاذ اللہ وہابیوں کے فتوی شرک کی زد میں آجائیں گے بلکہ خود حضور پرنور ﷺ جو انھیں اس طرز التجا سے روکنے کے بجائے ان کا دامن طلب گوہر مراد سے بھر دیتے تھے، کے بارے میں کیا کہا جائے گا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اگر اس نکتے کو فراموش کر دیا جائے کہ وہ اللہ کے نائب، نمائندے اور مظہر ہیں تو قرآن پاک کی بیشمار آیتوں کو بھی معاذ اللہ شرک آموزی سے ملوث سمجھا جائے گا۔ مثلاً جہاں آئے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ترجمہ: اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ ہمارے

نزدیک تو اللہ تعالیٰ حاکم حقیقی ہے اس لئے اس کی اطاعت ضروری ہے اور رسول اس کا نائب ہے اور اس کی رضا کا نمائندہ، لہٰذا اس کی اطاعت اس حیثیت سے ہے نہ کہ حاکم حقیقی کی حیثیت سے اور اس وجہ سے حضور ﷺ کی اطاعت بھی دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول دونوں حاکم ہیں مگر اللہ تعالیٰ خود حاکم ہے اور رسول اس کے بنانے سے۔ اس وجہ سے رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔

اگر خدانخواستہ اس عقیدے کو فراموش یا نظرانداز کر دیا جائے تو بظاہر الفاظ سے کسی کو یہ دھوکا لگ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول دونوں ایک ہی جیسے حاکم اور ایک ہی طرح کے واجب الاطاعت ہیں۔ کیونکہ اطاعت میں اللہ تعالیٰ اور رسول ایک حیثیت سے آتے ہیں درمیان میں ایک واؤ عاطفہ ہے اسی طرح کی بیشمار آیات ہیں، کس کس کو گنا جائے۔ قرآن پاک کھول کر دیکھ لیجئے، ایک ایک صفحے پر اس کے شواہد ملیں گے بلکہ اس دینے اور لینے کے بارے میں ہی دیکھ لیجئے

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۝ (التوبہ۔۵۹)

ترجمہ: 'اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے۔ اب دیتا ہے اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول، ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔' (کنزالایمان)

چند آیات بعد پھر دیکھئے

کتنا واضح ہے کہ اللہ بھی دینے والا ہے اور اس کا رسول بھی، مگر اللہ اور رسول کے بارے میں یہ عقیدہ اور تصور پختہ نہ ہو کہ ایک دینے والا ہے حقیقی اور باالاستقلال اور وہ ہے اللہ۔ اور دوسرا دینے والا اللہ کے فضل سے ہے اور وہ ہے اس کا رسول تو معاذ اللہ وہابیہ کے اصول کے مطابق برابری کا شبہ پیدا ہوسکتا ہے۔

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (التوبہ)

ترجمہ: ''اور انھیں (یعنی ان منافقوں کو) کیا برا لگا،

یہی نا کہ اللہ ورسول نے انھیں اپنے فضل سے غنی کردیا''

دیکھئے یہاں اپنے فضل سے غنی کرنے والے دو ہیں ایک اللہ تعالیٰ اور دوسرا اس کا رسول ﷺ مگر توحید و رسالت کے عقیدے کو ذہن نشین کیے بغیر یہاں پھر برابری کا شبہ پیدا ہوگا، نجانے وہابی ان آیتوں کو کس عینک سے پڑھتے ہیں اور کیسے ان پر ایمان لاتے ہیں بظاہر تو یہاں بھی ان کے عام محاورے کے مطابق شرک ہی ہے ہاں ہمیں کوئی دغدغہ نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ خود اپنے فضل سے غنی کرنے والا ہے اور حضور ﷺ خود نہیں، اپنے اللہ کے بخشے ہوئے فضل سے اغنیاء کو غنی کرتے ہیں اور حضور ﷺ کا غنی کرنا دراصل اللہ ہی کا غنی کرنا ہے۔ اللہ کسی پر فضل فرماتا ہے تو اس لئے کہ خدا ہے اور حضور ﷺ فضل فرماتے ہیں تو اس کے اذن سے، اس کی دی ہوئی طاقت سے اور اللہ کا اپنے رسول ﷺ کے ساتھ یہی تعلق ہے۔ وہ دینے والا، یہ دلانے والے۔

اور سنئے!

﴿قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (الانفال۔۱)

ترجمہ: تم فرماؤ غنیمتوں کا مالک اللہ اور اس کا رسول ہیں۔

بظاہر دو مالکوں کا ذکر ہے الفاظ کا یہی تقاضا ہے لیکن اصل یہ ہے کہ ایمان ان دونوں مالکوں کے برابر ہونے کی نفی کرتا ہے اللہ خود مالک ہے اور اس کا رسول اس کے مالک بنانے سے۔ ہاں ماننے والا ان دونوں میں سے کسی ایک کی ملکیت کا بھی منکر نہیں۔ مگر طرز ملکیت میں جو فرق ہے وہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے۔ اگر اللہ اپنے رسول کو مالک نہ بناتا تو رسول مالک نہ ہوتا مگر اللہ نے مالک بنایا تو تم بھی رسول کو مالک مانو۔ ہاں الفاظ ایک اور طرف بھی توجہ دلاتے ہیں، مالک بنایا ہے اس لئے کہ وہ رسول ہیں مالک نہ بنایا ہوتا تو رسول بھی نہ بنائے جاتے۔ جو رسول ہوتا ہے، وہ اپنی شان کے اعتبار سے مالک بھی ہوتا ہے۔ مگر کیسا مالک، اللہ حقیقی کا بنایا ہوا مالک۔ ہاں رسول کو مالک مانو گے تو مومن ہو گے اور مومن ہو تو وہابی کی زبان سے یوں نہ کہو۔

''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں'' (تفویت الایمان)

مختصر یہ کہ اس قسم کی کئی آیات ہیں جب تک یہ عقیدہ نہ ہو کہ اللہ کا رسول، اللہ کا نائب، مظہر، نمائندہ اور ماذون ہوتا ہے، قرآن کی سمجھ نہیں آئے گی اور کائنات کی سب سے بڑی توحید سکھانے والی کتاب میں الجھ کے رہ جاؤ گے۔ اور ان آیات پر بھی ایمان ہو تو اللہ کے رسول کو وسیلہ بنانا اصل ایمان اور دوسرے مقربان بارگاہ کو وسیلہ بنانا اصل فیضان نظر آئے گا۔ وسیلے کا قائل رحمت خداوندی کا مستحق اور وسیلے کا منکر رحمت خداوندی سے محروم دکھائی دے گا۔ آنکھیں کھلیں تو اس میں کوئی شائبہ نہیں رہتا کہ محبوبان خدا کا لینا دینا اللہ کی نیابت میں ہے اور تحت قدرت۔ ان

کا انکار درست ہے اور نہ ان سے توسل کا۔ بعض لوگ بڑے منہ پھٹ ہوتے ہیں فوراً کہہ دیتے ہیں کہ ہم کسی وسیلہ کو نہیں مانتے ہمارا وسیلہ تو اللہ ہے اللہ کو وسیلہ کہنا اس کی توہین ہے۔ معاذ اللہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے بھی کوئی اور اس کی نظر میں بڑا ہے جس کی بارگاہ میں اللہ کو بطور وسیلہ پیش کرتا ہے اور سوچو اس سے بڑا شرک کیا ہوگا، اس سلسلے میں تبرک کیلئے مجدد ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہٗ کے اقتباس تحریر پر اس قسط کو ختم کیا جاتا ہے۔

''حدیث میں ہے کہ جب ایک اعرابی نے حضور پر نور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم حضور کو اللہ تعالیٰ کی طرف شفیع بناتے ہیں اور اللہ عزوجل کو حضور کے سامنے شفیع لاتے ہیں، تو حضور اقدس ﷺ پر سخت گراں گزرا، اور آپ دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ فرماتے رہے۔ پھر فرمایا۔

وَیْحَکَ اِنَّهٗ لَا یُسْتَشْفَعُ بِاللّٰهِ عَلٰی اَحَدٍ شَاْنُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ ذٰالِکَ (رواہ ابوداؤد عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب لدیات باب فی الجھمیۃ جلد: ۲ص ۳۰۲)

ترجمہ: ارے نادان اللہ کو کسی کے پاس سفارشی نہیں لاتے ہیں، اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے۔

اہل اسلام انبیاء و اولیا علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہی استعانت کرتے ہیں جو اللہ عزوجل سے کی جائے تو اللہ اور اس کا رسول غضب فرمائیں اور اسے اللہ جل شانہٗ کی شان میں بے ادبی ٹھہرائیں، اور حق تو یہی ہے کہ استعانت کے یہ معنی اعتقاد کر کے جناب الٰہی جل وعلاء سے کرے تو کافر ہو جائے مگر وہابیہ کی بدعقلی کو کیا

کہئے ، نہ اللہ کا ادب نہ رسول سے خوف نہ ایمان کا پاس۔ نخواہی خواہی اس استعانت کو بھی ایاک نستعین میں داخل کر کے جو اللہ عزوجل میں محال قطعی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ سے خاص کئے دیتے ہیں۔ ایک بیوقوف نے کہا تھا۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے کہا

توسل کر نہیں سکتے خدا سے
اسے ہم مانگتے ہیں اولیا سے

یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا سے توسل کر کے اسے کسی کے یہاں وسیلہ و ذریعہ بنائیں اسی وسیلہ بننے کو ہم اولیاء کرام سے مانگتے ہیں کہ وہ بارگاہ الٰہی میں ہمارا وسیلہ اور ذریعہ واسطہ قضائے حاجات ہو جائیں۔

☆......☆......☆

تَوحِیدْ اور مَحبُوبَانِ خُدا کے کمالات
قسط نمبر
15
صفحہ نمبر 304
تَوحِیدْ اور مَحبُوبَانِ خُدا کے کمالات

اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت

توحید و رسالت:

ان چند آیات پر پھر غور فرمایئے، کتنی وضاحت سے قرآن حکیم نے اس عقیدے کو نکھار کر بیان کیا ہے کہ اللہ اور اس کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں اور تم بے روک ٹوک ان کا ذکر اکٹھا کر سکتے ہو۔ ان کا ذکر اکٹھا کرنا توحید کے منافی نہیں بلکہ ایمان کا بنیادی تقاضا ہے اور خود اللہ کی سنت ہے۔

آیئے پھر ان سوالوں کی طرف جن کا جواب یہ آیات مقدسہ دے رہی ہیں۔ بات کو نہایت آسان کرنے کیلئے ہم ایک ایک سوال لیتے ہیں اور ان آیتوں سے جواب مانگتے ہیں،

☆...... حاکم کون؟ جواب ہے 'اللہ اور رسول' ﷺ

☆...... دینے والا کون؟ جواب ہے 'اللہ اور رسول' ﷺ

☆...... مالک کون؟ جواب ہے 'اللہ اور رسول' ﷺ

اسی قسم کے مختلف سوالات ذہن میں رکھئے اور قرآن پاک کی آیات مبارکہ دیکھتے جایئے، بار بار یہی جواب ملے گا 'اللہ اور رسول ﷺ' ظاہر ہے یہ جواب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرما رہا ہے۔ احادیث مقدسہ کا مطالعہ کیجئے، وہاں بھی یہی صورت حال ہے۔ پہلے روایات کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے

ا...... 'وَ رُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِیمَا شَاءَتْ نَفْسُهٗ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لَیْسَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلَّا النَّارِ

(احمد، بیہقی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: ترمذی کتاب الزہد باب ماجاء ان الغنی غنی النفس جلد:۲ص ۶۰)

ترجمہ: اور بہت سے لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مال سے اپنی نفس کی خواہشوں میں ڈوبنے والے ہیں جن کیلئے قیامت میں آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

۲...... اِعْلَمُوْٓا اَنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ

(بخاری کتاب الجہاد باب اثم من قتل معاھد ابغیر جرم جلد:۱ص ۴۴۹، باب فی بیع المکرہ ونحوہ فی الحق وغیرہ جلد:۲ص ۱۰۲۷، مسلم کتاب الجہاد والسیر باب اجلاء الیہود من الحجاز جلد۶:ص ۹۴)

ترجمہ: جان لو کہ زمین کے مالک اللہ اور رسول ﷺ ہیں۔

۳...... ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بچوں کا ذکر کیا تو والیٔ دوجہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

۴...... ھُمْ اِلَی اللّٰہِ وَاِلٰی رَسُوْلِہٖ

(الامن والعلی بحوالہ مسند احمد: جلد:۶ص ۳۲۱، طبرانی کبیر جلد:۲۳ص ۲۴۸ رقم الحدیث ۴۹۹، جلد ۲۳:ص ۳۷۲ رقم الحدیث ۵۸۵، جلد:۲۳ص ۴۰۶ رقم الحدیث ۹۷۴)

ترجمہ: وہ (بچے) اللہ اور اس کے رسول کے سپرد ہیں

۵...... دجال ملعون کا ذکر کر کے خوشخبری دی کہ

فَاللّٰہُ کَافِیْکُمْ وَرَسُوْلُہٗ

(طبرانی کبیر: جلد:۲۴ ص ۱۷۰ رقم الحدیث ۴۳۰، مجمع الزوائد باب ماجاء فی الدجال جلد:۸ص ۳۵۰)

ترجمہ: تو اللہ تمہیں کافی ہے اور اس کا رسول ﷺ۔

اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مَوْلٰی مَنْ لَّا مَوْلٰی لَہٗ

(ابن ماجہ: ابواب الفرائض باب ذوی الارحام ص ۱۹۶، ترمذی جلد: ۲ ص ۳۱ کتاب الفرائض باب فی میراث الخال)

ترجمہ: جس کا کوئی نگہبان نہ ہو، اللہ اور اس کا رسول اس کے نگہبان ہیں۔

ان چند احادیث مقدسہ کو بھی سامنے رکھئے اور نتیجہ اخذ کیجئے، بالکل ظاہر ہے

☆......مال کس کا؟

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا

☆......زمین کس کی؟

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی

☆......بچے کس کے سپرد؟

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے

☆......کافی کون؟

اللہ اور اس کا رسول ﷺ

☆......نگہبان کون؟

اللہ اور اس کا رسول ﷺ

اب ان عقائد اور تصورات کو شرکیہ کہنا اگر دھاندلی نہیں تو کیا ہے۔ اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے بارے میں یہی اعتقاد تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رگ و ریشہ میں سما چکا تھا اور وہ اٹھتے بیٹھتے اللہ کے ساتھ اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ علم کی بات آتی تو کہتے

اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

(بخاری جلد ۱ ص ۱۳ کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان، مسلم جلد ۱ ص ۲۷ کتاب الایمان)

ترجمہ: اللہ اوراس کا رسول سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔
اور یہ جملہ تو سینکڑوں بار احادیث صحاح ستہ میں موجود ہے۔
ملکیت کا ذکر آتا تو اللہ اوراس کے رسول ﷺ دونوں کو ہی مالک کہتے چنانچہ
ایک بار انصار مدینہ نے نہایت ادب و عجز کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں عرض کی

اَمْوَالُنَا وَمَا فِیْ اَیْدِیْنَا لِلّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ

(الامن والعلیٰ بحوالہ ابی حاتم وغیرہ تفسیر ابن جریر)

ترجمہ: ہمارے مال اور ہمارے ہاتھوں میں جو کچھ ہے،
سب اللہ ورسول ﷺ کا ہے۔
فضل واحسان کا تذکرہ چھڑتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے

اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمَنُّ وَاَفْضَلُ

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی جلد:۱۴ص ۵۲۹، مسند احمد جلد:۳ص ۴۲)

ترجمہ: اللہ اوراس کے رسول ﷺ کا فضل واحسان سب سے زیادہ ہے
حضرت عبد اللہ بن سلامہ بن عمیر اسلمی (صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہما
فرماتے ہیں کہ اپنی اہلیہ کو حق مہر دینے کیلئے میرے پاس کچھ نہ تھا

فَقُلْتُ عَلَى اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ

(الامن والعلیٰ بحوالہ امام محمد بن عمر:)

ترجمہ: تو میں نے کہا، اللہ اوراس کے رسول پر ہی بھروسا ہے'
(روایت کے باقی حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ نے کام بنادیا)
صدقہ دیتے تو یوں کہتے (مثلاً حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ

نے کہا)

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِيْ اَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَّالِيْ
صَدَقَةً اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ صلى الله عليه وسلم

(بخاری: کتاب المغازی باب غزوۃ تبوک وھی غزوۃ العسرۃ جلد۲:ص ۶۳۶، مسلم کتاب التوبۃ، باب حدیث توبۃ کعب بن مالک وصاحبیہ جلد۲:ص۳۶۲)

ترجمہ: یارسول اللہ! میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے نکل جاؤں اللہ اوراس کے رسول کیلئے صدقہ کر کے (ﷺ)

توبہ کا انداز دیکھئے:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تصویر دار قالین خریدنے پر حضور پرنور ﷺ کے چہرۂ انور میں ناراضی کا اثر پایا تو بولیں۔

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ مَا ذَا اَذْنَبْتُ

(بخاری باب من لم یدخل بیتا فیہ صورۃ جلد۲:ص۸۸۱ مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم التصویر، صورۃ الحیوان جلد۲: ص۲۰۱)

ترجمہ: یارسول اللہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف اپنی خطا سے توبہ کرتی ہوں۔

یونہی چالیس صحابہ کرام بشمول حضرات صدیق وفاروق رضی اللہ عنہم قدر وجبر میں بحث کر رہے تھے تو حضور پرنور ﷺ بڑے جلالی انداز میں ان کی طرف تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی طرف (عاجزی سے)

کلائیاں کھولے ہاتھ تھر تھر کانپتے ہوئے کھڑے ہوئے اور عرض گزار ہوئے

تُبْنَا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ

(طبرانی کبیر: مجمع الزوائد باب النہی عن الکلام فی القدر جلد: ۷ص ۲۰۴، طبرانی اوسط جلد ۲ص ۹۵ رقم الحدیث ۱۴۲۳)

ترجمہ: ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کی

ہمارے زمانے میں بھی اہل ایمان کا یہی روزمرہ ہے، اللہ نبی ﷺ وارث، اللہ نبی ﷺ جانے، اللہ نبی ﷺ کا سہارا ہے، اللہ نبی ﷺ پر بھروسا ہے، اللہ نبی ﷺ کا کرم ہے، اللہ کی رحمت ہے کام بن جائے گا، اللہ نبی ﷺ نے بچالیا، اور یہ طرز گفتگو ہے جس کی ابتدا قرآن پاک سے ہوئی، جسے اللہ کے رسول ﷺ نے سکھایا (یا کہہ سکتے ہیں جسے اللہ نبی ﷺ نے سکھایا) اور جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنایا، تابعین اور پھر تبع تابعین کے ذریعے باقی امت تک پہنچایا۔

قرآن حکیم کا غور وفکر سے مطالعہ کریں تو 'رسول' ﷺ کے بارے میں ایک اور تصور بھی بڑے دوٹوک انداز میں ابھرتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ بندے کا تعلق اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کا تعلق پہلے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہو، مثلاً قرآن پاک نے بار بار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا سبق دیا ہے۔ اب ایک شخص اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا چاہتا ہے تو کیسے کرے اور اسے کیونکر یہ اطمینان حاصل ہو کہ واقعی وہ اللہ کی ہی اطاعت کر رہا ہے۔ اس کا حل قرآن پاک نے یہی بتایا کہ

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ج

(النساء۔۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا

گو رب رب ہے، رسول رسول ہے، مگر فرمانبرداری دونوں کی ایک ہے چنانچہ اگر کوئی خوش نصیب رسول کی اطاعت کر رہا ہے تو اسے مطمئن رہنا چاہئے کہ یہی اللہ کی اطاعت ہے۔ اسے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ میں تو رسول کی اطاعت ہی میں مشغول ہوں، خدا کی اطاعت کا دعویٰ کیونکر روا ہوگا، نہیں نہیں حاکم اگرچہ دو ہیں مگر حکم دونوں کا ایک ہے۔ ہاں ہاں سب سے بڑا حاکم اگرچہ اللہ ہے مگر اس کے بعد سب سے بڑا حاکم یقیناً وہی ہے جس کا حکم اللہ کا حکم ہے اور جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ قرآن پاک کے اس طرز بیان سے کیا یہ واضح نہیں ہو جاتا کہ خدا کو دراصل وہی حاکم مانتا ہے جو اس کے پیارے رسول ﷺ کو حاکم مانتا ہے، اور جو بدنصیب اللہ کے رسول ﷺ کی حکومت و اطاعت کا منکر ہے، وہ توحید اور اللہ کی حاکمیت پر ایمان رکھنے کا لاکھ دعویٰ کرے، جھوٹا ہے۔ عیسائی راہبوں، یہودی عابدوں اور ہندو سادھوؤں کی تپسیا، ریاضت، مجاہدہ، شب بیداری کیوں مقبول نہیں، حالانکہ اپنے اپنے رنگ میں وہ سب اللہ کو ہی راضی کرنا چاہتے ہیں، اسی کی فرمانبرداری کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسی کی محبت کا دم بھرتے ہیں صرف اس لئے کہ وہ رسول کی رسالت کو مانتے ہیں اور نہ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اگر انہیں اللہ سے سچی محبت ہوتی اور اسے راضی کرنا چاہتے تو وہ اس کے رسول ﷺ کے غلام بن جاتے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ

(ال عمران ۳۱)

ترجمہ: (اے محبوب) تم فرمادو لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے

ہوتو میرے فرمانبردار بن جاؤ۔

اطاعت خدا کی ایک ہی صورت:

حضور انور ﷺ کے بارے میں قرآن پاک یہی تصور یا عقیدہ دینا چاہتا ہے کہ ان کی فرمانبرداری ہی اللہ کی فرمانبرداری ہے، اور حق یہ ہے کہ کسی ایک حکم میں بھی حضور پرنور ﷺ کے بغیر اللہ تعالی کی فرمانبرداری ممکن نہیں مثلاً نماز ہی کو لے لیجئے جو سب سے بڑا فرض ہے۔ قرآن پاک میں صلوٰۃ قائم رکھنے کی تاکید ہے۔ صلوٰۃ سے مراد کیا ہے۔ سارا قرآن پاک پڑھ جائیں، وضاحت نہیں ہوسکتی اور قرآن پاک کی مراد معلوم نہیں ہوسکتی۔ یہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ ہیں جو مہبط قرآن بھی (یعنی جن پر قرآن پاک نازل ہوا) اور معلم قرآن پاک بھی (یعنی قرآن سکھانے والے بھی) اب اگر کوئی شخص حضور پرنور ﷺ کے حکم کی روشنی میں نماز کے فرائض وواجبات وغیرہ ادا کرتا ہے تو گویا اللہ کے حکم ﴿اقیموا الصلوٰۃ﴾ (نماز قائم رکھو) کی تعمیل کررہا ہے، ورنہ اپنی رائے سے یا کسی اور کی رائے سے 'صلوٰۃ' سے جو بھی مراد لے گا اور سنت نبویہ سے بے نیاز ہوکر اس حکم کی تعمیل کرنے کی جو کوشش کرے گا، مردود ہوگی۔ بلکہ حضور پرنور ﷺ کی چوکھٹ سے ہٹ کر اس کی یہ سوچ ہی کفریہ ہوگی۔ یونہی باقی ارکان اسلام اور دیگر مسائل میں بھی اسے بہرحال اللہ جل جلالہ کے پیارے رسول ﷺ کا محتاج اور نیازمند ہونا ہی پڑے گا، ورنہ لاکھ اہل قرآن کہلانے کے باوجود وہ نااہل قرآن ہی ہوگا اور خدا کا دشمن، باغی تصور ہوگا۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے حضور پرنور ﷺ نے اپنے خداداد علم اور اختیار کے ساتھ مثلاً نماز فجر کے فرض دو رکھے اور ظہر کے چار، اگر اب کوئی شخص

حضور پرنور ﷺ کی تعلیم کے خلاف فجر کو چار اور ظہر کے دو فرض پڑھ لے تو کیا اس حکم خداوندی کے مطابق نماز ادا کرلی، ہرگز نہیں یا وہ یہ سمجھے کہ فجر کے دو فرض کم ہیں، تین ہونے چاہئے یا ظہر کے پانچ فرض پڑھوں گا تو زیادہ ثواب ہوگا کیونکہ پانچ رکعتوں میں چار کے مقابلے میں ہر رکن یعنی قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ زیادہ ہے اور لامحالہ زیادہ عبادت سے معبود زیادہ راضی ہوگا مگر اس کی اس سوچ کو قرآنی نہیں کہا جاسکتا، شیطانی کہا جاسکتا ہے۔ یہ سوچ قرآنی اس لئے نہیں کہ قرآن پاک تو اپنے حبیب کریم ﷺ کی اطاعت ہی کو اللہ کی اطاعت قرار دیتا ہے اور اسی عبادت کو مقبول قرار دیتا ہے جو اس کے حبیب پاک ﷺ کی اطاعت واتباع میں کی جائے۔ اور مخالف کی یہ سوچ شیطانی اس لئے ہے کہ وہ شیطان کی طرح وسیلہ نبوت کا قائل نہیں ہے۔ ہاں ہاں قرآن پاک کا حضور ﷺ پر نازل ہونا اور آپ ﷺ کے ذریعے باقی انسانوں تک پہنچنا بھی اسی لئے ہے کہ حضور پرنور ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ساری انسانیت کا وسیلہ ہیں اور قرآن پاک کے احکام کا حضور پرنور ﷺ کی تعلیم کے بغیر سمجھ سے بالاتر ہونا بھی اسی لئے ہے کہ اللہ کے یہ پیارے رسول ﷺ ہی عبادت واطاعت خداوندی بجالانے میں سب کا وسیلہ ہیں۔ اب جو شخص حضور پرنور ﷺ کے واسطے کا قائل ہی نہیں، وہ حضور پرنور ﷺ پر اترا ہوا اور حضور پرنور ﷺ کے واسطے سے ملا ہوا قرآن پاک پڑھتا ہے تو محض دھوکا دینے کے لیے، ورنہ اس کا اللہ کی پاک کتاب کے ساتھ کیا تعلق ہے اور اگر قرآن پاک کی تشریح وتفسیر اپنی رائے سے کرتا ہے تو بھی ناحق کرتا ہے اور ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ تفسیر وتشریح کا یہ حق اصولی طور پر محض اللہ کے پیارے رسول ﷺ کیلئے مخصوص ہے کہ وہ مہبط قرآن بھی اور معلم قرآن بھی۔

یہ سیدھی سادی باتیں ہیں، حدیث کے منکرین اگر انہیں نہ سمجھ سکیں تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ منصب رسالت کے باغی ہیں اور اسلام کے نظام عقیدہ و عمل پر انہیں اعتماد ہی نہیں مگر افسوس دور حاضر میں اہل حدیث کہلانے والے لوگ حدیث کی حجیت کا اقرار کرتے ہوئے بھی حضور پر نور ﷺ کے واسطہ و وسیلہ کے منکر ہوں تو کتنے تعجب کی بات ہے۔

یاد رکھیں! اللہ کی اطاعت غیر مشروط ہے، اسی طرح اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی اطاعت بھی غیر مشروط ہے بلکہ اوپر کی روشنی میں یہ اصل میں ایک ہی اطاعت ہے یعنی اللہ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری ہی اللہ کی فرمانبرداری ہے۔ ان دو یا اصل میں ایک اطاعت کے سوا باقی سب کی اطاعت مشروط ہے۔ یعنی اگر دوسروں کا حکم خواہ وہ حکومت کے سربراہ ہوں، استاد ہوں، والدین ہوں، یا کوئی ہوں، اس پر عمل کرنا اسی صورت میں ضروری ہوگا جب ان کا حکم اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف نہ ہو۔ اگر معاذ اللہ ان کا حکم خلاف ہوا تو ٹھکرا دینے کے قابل ہوگا۔

اب یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ رسول ﷺ کی اطاعت کے غیر مشروط ہونے کا کیا مفہوم ہے۔ سو جان لیجئے حضور پر نور ﷺ جس کسی کو جو حکم بھی دیتے ہیں، اسے من و عن اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور اسے یہ یقین کر لینا چاہئے کہ میرے لئے قرآن پاک کا یہی حکم ہے۔ عمل کرنے والا جب حضور پر نور ﷺ کے حکم پر عمل کر رہا ہوگا تو اس کے وہم و گمان کے کسی گوشے میں بھی یہ وسوسہ پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ شاید حضور ﷺ کا اپنا حکم ہے، اللہ کا (حکم) نہیں۔ اسے قرآن پاک کے اس حکم پر دوٹوک ایمان رکھنا چاہئے کہ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

(النساء......۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا، بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا

حاکم وشارع:

کہ رسول کی یہ اطاعت عین اطاعت خداوندی ہے۔ مثلاً حضور ﷺ نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ایک گواہی کو دوسروں کی گواہی سے دگنی حیثیت دے دی۔ اب اگر وہ اکیلے کسی کے حق میں گواہی دیں تو حاکم کو دوسرے گواہ کا انتظار نہیں کرنا چاہئے، (کہ بظاہر قرآن پاک کی رو سے دو گواہ ہونے چاہئے) بلکہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت خزیمہ تشریف لائے ہیں تو دو گواہ ہی آئے ہیں۔ اور حاکم حضور پرنور ﷺ کی اطاعت کر کے اللہ ہی کی اطاعت کر رہا ہے۔ کیونکہ حضور پرنور ﷺ کا کسی کی گواہی کو ڈبل حیثیت دینا اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اگر قرآنی لفظوں پر غور کریں تو یہ بات بالکل واضح ہے۔

یعنی یہ نہیں فرمایا جارہا، کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی، اسی نے رسول کی اطاعت کی،

اس صورت میں کوئی گنجائش ممکن تھی بلکہ فرمایا

جس نے رسول کی اطاعت کی، اسی نے اللہ کی اطاعت کی، اسی لیے حضور ﷺ کو 'شارع' کہا جاتا ہے۔

قَدِ اشْتَهَرَ اِطْلَاقُهٗ عَلَيْهِ ﷺ لِاَنَّهٗ شَرَعَ الدِّيْنَ وَالْاَحْكَامَ

(زرقانی علی المواہب)

ترجمہ: سید عالم ﷺ کو شارع کہنا مشہور ومعروف ہے اس

لئے کہ حضور ﷺ نے دین اور احکام کی شریعت نکالی۔

حضرت امام بوصیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

نبینا الامر الناهی فلا احد

ابر فی قول لا منه ولا نعم

علامہ شہاب خفاجی قصیدہ بردہ کے شعر کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

انه لا حاکم سواه ﷺ فهو حاکم غیر محکوم.

ترجمہ: حضور حاکم ہیں، آپ کے سوا مخلوق میں کوئی حاکم نہیں، آپ کا حکم سب پہ چلتا ہے کسی کا حکم آپ پر نہیں چلتا۔

غرض قرآن پاک نے اپنے حبیب پاک سرور لولاک ﷺ کی منصبی عظمت کے بارے میں جو عقیدہ دیا، وہ یہی نہیں

اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اللہ اور رسول مالک ہیں، اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرو، وغیرہ وغیرہ بلکہ یہ بھی ہے۔ جس نے رسول کی اطاعت کی، اسی نے اللہ کی اطاعت کی۔ 'رسول سے بیعت اللہ ہی سے بیعت ہے'

نیز رسول کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔

چنانچہ سورۃ الفتح میں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ج (الفتح۔۱۰)

ترجمہ: وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

نیز یہ کہ رسول اپنی خواہش سے نہیں بولتا، ان کا بول وحی الٰہی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○

(النجم۔۳،۴)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وہ جو وحی انہیں کی جاتی ہے۔

نیز رسول ﷺ کا پھینکنا اور مارنا اللہ کا پھینکنا اور مارنا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج (الانفال:۱۷)

ترجمہ: اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی

پھر یہ کہ نبی جان سے بھی نزدیک اور مالک ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب۶)

ترجمہ: نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔ (قریب و محبوب ہے)

کیونکہ ادنی کے تین معانی ہیں زیادہ مالک، زیادہ قریب اور زیادہ محبوب

پھر ارشاد کہ

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (البقرہ۔۱۴۳)

ترجمہ: اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہو جائیں

اسی لفظ شہید کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

باشد رسول شما بر شما گواہ زیرانکہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین

بدین خود کہ در کدام درجہ در دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او مے شناسد گناہان شمارا درجات ایمان شمارا واعمال نیک وبد شمارا واخلاص ونفاق شمارا (تفسیر فتح العزیز)

ترجمہ: تمہارا رسول تم پر گواہی دے گا کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبے کو کہ میرے دین میں اس کا درجہ ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کونسا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رکی ہوئی ہے۔ پس وہ تمہارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں۔ تمہارے ایمان کے درجوں کو تمہارے، نیک اور بد سارے اعمال کو اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو بھی خوب پہچانتے ہیں۔

☆......☆......☆

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
16
صفحہ نمبر 319
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

دیکھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ منصبِ رسالت کے بارے میں کس قسم کی وضاحتیں فرمارہے ہیں۔ اللہ کا رسول واجب الاطاعت ہی نہیں بلکہ اسی کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اللہ حاکمِ مطلق ہے، وہ اپنے رسول کا بھی حاکم ہے مگر رسول اپنے اللہ کا محکوم اور باقی مخلوق کا اللہ کی طرف سے حاکم ہے۔ اب جو شخص اللہ کو اپنا حاکم مانتا ہے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنا چاہتا ہے، کم از کم اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول کو اپنا حاکم مانے کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی بدبخت اللہ کے رسول کو حاکم ومختار اور اتھارٹی نہیں مانتا تو وہ اللہ کے حکم کا منکر اور اس کی حاکمیت کا باغی ہے۔ قرآن پاک نے اسی لئے رسول کی حاکمیت کا انکار کرنے والوں کو خارج از ایمان قرار دیا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥ (النساء۔۔۔۶۵)

ترجمہ: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (کنزالایمان)

سبحان اللہ، ایمان کی تین شرطیں بیان کی جارہی ہیں۔

۱۔۔۔۔اپنے اختلافات میں حضور انور ﷺ کو حاکم ماننا۔

۲۔۔۔۔حضور اکرم ﷺ کے فیصلے کے بارے میں دل کے کسی گوشے میں بھی تنگی

محسوس نہ کرنا یعنی فیصلہ اگرچہ اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اسے کھلے دل سے قبول کرنا۔

۳......اس پر یوں عمل کرنا جیسے عمل کرنے کا حق ہے۔

اور پھر اللہ نے یہ نوٹیفکیشن (ضابطہ قانون) جاری کیا تو نہایت ہی محبت بھری قسم لا وربک (یعنی اے محبوب! تیرے رب کی قسم) ذکر فرما کے اس میں گویا یہ نکتہ بھی ہے کہ رب نے اپنے محبوب ﷺ کو جو تربیت دی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اسے اللہ کے بعد سب سے بڑا حاکم مانا جائے یعنی مخلوق میں سب سے بڑے حاکم ہونے کی صلاحیت اس کی فطرت میں رکھ دی گئی ہے۔ اب جو رب اکبر کے حبیب اکبر ﷺ کی حاکمیت کا منکر ہے، وہ اللہ کے رب ہونے اور محبوب اکبر ﷺ کے حسنِ تربیت پانے کا منکر ہے لہذا اسے کافر و بے ایمان ہونا ہی چاہئے۔ حقیقت یہی ہے کہ حضور پرنور ﷺ اپنے رب کی حاکمیت مطلقہ کے مظہر کامل ہو کر دنیا میں تشریف لائے ہیں۔

انصاف فرمایئے جس کی حاکمیت کا انکار کر کے کوئی شخص مومن نہیں رہ سکتا اور جس کے فیصلے کی بابت زبان سے تو کیا دل میں بھی ذرا سی تنگی نہیں آنی چاہئے، کیا اس کا فیصلہ حق سے دور ہو سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، یہ بچپن سے الصادق اور الامین ہے، اس کا ہر فیصلہ حق پر مبنی ہے بلکہ یہ خود حق ہے، اس کی ہر ادا حق ہے اور اس کی ہر بات حق ہے۔ یہ مظہر حق ہے، یہ پیکر حق ہے، اس کی زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ خود فرماتے ہیں۔ (ﷺ)

۱...... فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یَخْرُجُ مِنْہُ اِلَّا الْحَقّ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: سو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں

میری جان ہے۔ اس منہ سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔

۲ ...... اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًا (ترمذی ..... ج۲)

ترجمہ: میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔

خود سوچئے حق کے مطابق فیصلہ کرنے کیلئے 'علم' کتنا ضروری ہے۔ اگر یہ معلوم ہی نہ ہو کہ کون جھوٹا ہے اور کون سچ بول رہا ہے۔ اگر یہ پتا ہی نہ ہو کہ کس نے ظلم کیا ہے اور کس نے افسانہ گھڑا ہے۔ اگر یہ خبر ہی نہ ہو کہ قاتل کی نیت کیا تھی، اس نے جان بوجھ کر قتل کیا ہے یا سہواً اس سے قتل ہوا ہے، تو سچے فیصلے کا تصور کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوا اللہ نے اگر اپنے رسول ﷺ کو اپنی حاکمیت کا مظہر بنایا ہے تو اپنے علم کامل کا مظہر بھی بنایا ہے، اسی لئے قرآن میں خود اعلان فرماتا ہے۔

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً o (النساء۔۱۱۳)

ترجمہ: اور (اے حبیب) تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

کیا آپ اس حقیقت کو نہیں جانتے کہ بعض دفعہ یہودی بھی اپنے مقدمات حضور پرنور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے اور آپ ﷺ ان کی تورات کے مطابق ان میں فیصلے فرماتے تھے، کیا آپ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ بھول گئے، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی تحقیق کے مطابق وہ حاضر خدمت ہوئے تو انہیں کی زبانی سنئے گفتگو کے آغاز ہی میں نبی ﷺ نے فرمایا، تم تو رکوسی (عیسائیوں کا ایک قدیم فرقہ) ہو، میں نے کہا 'ہاں'! تم

تو اپنی قوم سے غنیمت اور پیداوار کا چہارم لیا کرتے ہو۔ میں نے کہا 'ہاں'! نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کرنا تو تیرے دین میں جائز نہیں۔ میں نے کہا سچ ہے اور میں نے دل میں کہا کہ یہ ضرور نبی ہے، یہ سب کچھ جانتا ہے، اس سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ (رحمۃ للعلمین۔ جلد اول)

کیا یہ آپ کے علم میں نہیں کہ بعض دفعہ جانور بھی آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں فریاد کرنے اور داد پانے حاضر ہوتے تھے، حضور پرنور ﷺ ان کی زبان بھی جانتے تھے اور فریاد کی حقیقت کو بھی سمجھتے تھے۔ لیجئے، ایمان تازہ کرنے کیلئے ایک سچا واقعہ، اعلیٰحضرت مجدد ملت قدس سرہٗ کے الفاظ میں حدیثِ پاک کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اونٹ کی فریاد:

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ہم خدمت اقدس حضور سید عالم ﷺ میں حاضر ہوئے۔ ناگاہ ایک اونٹ دوڑتا آیا۔ یہاں تک کہ حضور کے سر مبارک کے قریب آ کھڑا ہوا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا! 'اے اونٹ' ٹھہر! اگر تو سچا ہے تو تیرے سچ کا پھل تیرے لیے ہے اور جھوٹا ہے تو تیرے جھوٹ کا وبال تجھ پر ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات کہ بیشک جو ہماری پناہ میں آئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے امان رکھی ہے اور جو ہمارے حضور التجا لائے وہ نامرادی سے بری ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ اٰمَنَ عَائِذَنَا وَلَیْسَ بِخَائِبٍ لَّا ئِذُنَا

(الترغیب والترھیب، باب الترغیب فی الشفقۃ علی خلق اللہ تعالیٰ جلد ۳ ص ۲۰۷)

صحابہ نے عرض کی "یارسول اللہ! یہ اونٹ کیا عرض کرتا ہے"۔ فرمایا، اس

کے مالکوں نے اسے حلال کر کے کھالینا چاہا تھا، یہ ان کے پاس سے بھاگ آیا اور تمہارے نبی کے حضور فریاد لایا ﴿واستغاث بنبیکم﴾ ہم یونہی بیٹھے تھے کہ اتنے میں اس کا مالک آیا۔ کہا اس کے مالک لوگ دوڑتے آئے۔ اونٹ نے جب انہیں دیکھا، پھر حضور اقدس ﷺ کے سرانور کے پاس آگیا اور حضور ﷺ کی پناہ پکڑی۔ اس کے مالکوں نے عرض کی' یارسول اللہ! ہمارا اونٹ تین دن سے بھاگا ہوا ہے، آج حضور کے پاس ملا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا' سنتے ہو، اس نے میرے حضور نالش کی ہے اور بہت ہی بری نالش ہے۔ وہ بولے ''یارسول اللہ! یہ کیا کہتا ہے'' فرمایا'' یہ کہتا ہے کہ وہ برسوں تمہاری امان میں پلا۔ گرمی میں اس پر اسباب لادکر سبزہ ملنے کی جگہ تک جاتے اور جاڑے میں گرم سیر مقام تک کوچ کرتے، جب وہ بڑا ہوا تو تم نے اسے سانڈ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے نطفے سے تمہارے بہت اونٹ کر دیئے جو چرتے پھرتے ہیں۔ اب جو اسے یہ شاداب برس آیا، تم نے اسے ذبح کر کے کھالینا چاہا، وہ بولے، یارسول اللہ! خدا کی قسم یونہی ہوا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا' نیک مملوک کا بدلا اس کے مالکوں کی طرف سے یہ نہیں ہے۔ وہ بولے یارسول اللہ تو ہم نہ اسے بیچیں گے نہ ذبح کریں گے۔ فرمایا'' غلط کہتے ہو، اس نے تم سے فریاد کی تو تم اس کی فریاد کو نہ پہنچے اور میں تم سے زیادہ مستحق و لائق ہوں کہ فریادی پر رحم فرماؤں۔ اللہ عزوجل نے منافقوں کے دلوں سے رحمت نکال لی اور ایمان والوں کے دلوں میں رکھی ہے'۔ پس حضور اقدس نے وہ اونٹ ان سے سو درہم میں خرید لیا اور اس سے ارشاد فرمایا' اے اونٹ چلا جا کہ اللہ عزوجل کیلئے آزاد ہے............الخ' (الامن والعلی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ)

پھر یہ بھی خیال فرمایئے کہ جس ذات پاک کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول

اور یوں حاکم بنا کر بھیجا ہے، کیا وہ سب کا دادرس اور فریادرس نہیں۔ ہاں ہاں سب کے رسول اور سب کے حاکم ہیں تو یقیناً سب کے دادرس اور فریادرس بھی ہیں۔

خلق کے دادرس، سب کے فریادرس

کہف روزِ مصیبت پہ لاکھوں سلام

اگر انہیں رسول اور حاکم ماننا شرک نہیں تو دادرس اور فریادرس ماننا کیوں شرک ہے۔ حاکم فریاد ہی تو سنتا ہے اور داد ہی تو دیتا ہے۔ ابن ماجہ شریف کی اس حدیث شریف کا یہ جملہ پھر سامنے لایئے

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ اٰمَنَ عَائِذَ نَا وَلَیْسَ بِخَائِبٍ لَّائِذُ نَا

(الترغیب والترھیب، باب الترغیب فی الشفقۃ علی خلق اللہ تعالیٰ جلد:۳ص ۲۰۷)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری پناہ میں آنے والے کو امان دے رکھی ہے اور ہمارے حضور التجا کرنے والا نامراد نہیں۔

یقیناً سب سے بڑا پناہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اس کے بعد کائنات کی سب سے اعلیٰ اور سب سے بڑی پناہ گاہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ ہیں بلکہ جس طرح حضور ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اور آپ کی حاکمیت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے مقابلے میں نہیں بلکہ اس کی نیابت میں ہے یونہی حضور انور ﷺ کی پناہ اللہ تعالیٰ کی پناہ ہے۔

بلکہ جو حضور پر نور ﷺ کو رسول نہ مانے، اسے اللہ کی توحید کا اقرار کرنے کے باوجود ایمان نہیں ملتا، یونہی جو ظالم اللہ کی امان کو تو مانتا ہے مگر اس کے

حبیب اکرم ﷺ کی امان کا منکر ہے، اسے اللہ بھی امان نہیں دیتا۔ حدیث پاک کے اس جملے پر بار بار غور کیجئے اور پوچھئے،

سوال: اللہ کس کو امان دیتا ہے؟

جواب: اسے جو حضور پرنور ﷺ کی پناہ میں آئے۔

پھر دنیا کا بڑے سے بڑا حاکم یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ

لَيْسَ بِخَائِبٍ لَّا يَلُذُنَا

ترجمہ: ہم سے التجاوفریاد کرنے والا ناکام نہیں۔

یہ دعویٰ اسی کو، ہاں ہاں اسی کو زیبا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حکومت وحاکمیت کی اور دادرسی وفریادرسی کی تربیت دے کر دنیا میں بھیجا ہے۔ فرمایئے کیا التجاوفریاد کے عنوانات کی گنتی ممکن ہے۔ زمین وآسمان میں بسنے والی مخلوقات کی اپنی اپنی لاتعداد حاجتیں ہیں۔ یہ سب کے سب محتاج اپنی سب کی سب حاجتوں میں فریاد کریں تو کس کے دربار میں کریں اور آلام ومصائب سے پناہ ڈھونڈیں تو کس کی؟ ہاں ہاں بالکل مایوس نہ ہوں، ضرور فریادیں کریں، ضرور التجائیں کریں، کہاں؟ اُس محبوب کریم رؤف رحیم ﷺ کے دربار میں جہاں پناہ ڈھونڈنے والے کو قادر مطلق اور ارحم الراحمین اللہ نے امان دے رکھی ہے اور جہاں التجا کرنے والا ناکام نہیں رہتا۔ اگر یہاں بھی امان نہ ملتی اور یہاں بھی التجا کرنے والے کو ناکامی ہوتی تو یہ وعدہ کیوں کیا جاتا؟ کیا تم نے قرآن پاک میں پڑھا نہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ (آل عمران۔۹)

ترجمہ: بے شک اللہ کا وعدہ نہیں بدلتا

اور یہ کہ

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ (النساء ۸۷)

ترجمہ: اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی

فریاد کرنے والے کیلئے یہ بھی ضروری نہیں کہ خاص دربار پرانوار میں حاضر ہوکر فریاد کرے یا پناہ ڈھونڈے بلکہ عائذنا (یعنی ہماری پناہ مانگنے والا) مطلق ہے۔ جہاں بھی ہو، اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم ﷺ کی پناہ میں آنا چاہے تو آسکتا ہے۔ یہ اپنے اللہ کے فضل سے عرش وفرش کے حاکم ہیں، انہیں اپنی سلطنت کے ذرے ذرے کی خبر ہے۔ کوئی جہاں بھی ان کی پناہ چاہے اس کیلئے

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اٰمَنَ

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے امان دی ہے۔

کا وعدہ ہے۔ وعدہ بھی کیسا؟ غور کیجئے حضور پرنور ﷺ یہ نہیں فرمارہے کہ میں پناہ دے دوں گا بلکہ فرمایا جارہا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے پناہ دے رکھی ہے۔ تاکہ یہ نقطہ ذہن نشین ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں پناہ ڈھونڈنے والوں اور التجا کرنے والوں سے کتنا خوش ہے۔ پناہ ڈھونڈنے والا بعد میں پناہ ڈھونڈے، پناہ کا سامان پہلے کردیا گیا۔ گویا محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی بارگاہ میں اس کا التجا کرنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ [illegible] باب ہے۔ دوسروں کے ہاں یہ صورت ہو نہ ہو، مگر جسے حق نے خصوصی اہتمام [illegible] سب کا رسول اور سب کا حاکم بنا کر بھیجا ہے، اس کے دربار کی عظمت کا یہ حال ہے کہ بندہ اپنے رسول ﷺ سے فریاد کررہا ہے اور اللہ خوش ہو ہو کر اس کا دامنِ مراد بھر رہا ہے۔

اے محبوب کریم ﷺ کے غلامو! پورے اطمینان سے نعرۂ رسالت لگاؤ،

یا رسول اللہ اُنظُرْ حَالَنَا کہو

پریشانم پریشانم اغثنی یارسول اللہ پڑھ پڑھ کراستغاثہ کرو،

اللہ تم سے خوش ہورہا ہے اوروہ تمہاری مرادیں پوری کرنے کیلئے کافی ہے۔

یارسول اللہ کا نعرہ مومن کی فطرت میں داخل ہے۔وہ ہرخوشی، ہرغم اور ہر خطرے میں یہی نعرہ لگاتا ہے۔اسے یقین ہے کہ حبیب کردگار ﷺ کی دہائی دی جائے تو اللہ خوش ہوجاتا ہے اوراس کی خوشی کے ساتھ اس کے حبیب مکرم ﷺ بھی خوش ہوتے ہیں۔اور اصل مقصود قرآن پاک کی رو سے ان دونوں کی رضا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ O

(التوبہ......۶۲)

ترجمہ: اور اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے۔

فرمایئے، اہل مدینہ کے لیے اس گھڑی سے زیادہ کونسی گھڑی خوشگوار اور مسرت بخش ہوگی جب اللہ کے حبیب اعظم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لارہے تھے، مگر اس وقت اہل مدینہ اپنے عظیم آقا و مولا ﷺ کا استقبال کس نعرے سے کررہے تھے۔حدیث پاک میں ہے کہ مسلمان مرد عورتیں بچے خدام سب کے سب چھتوں پر چڑھ کر گلیوں میں پھیل کر بار بار بلند آواز سے

یُنَادُوْنَ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

(مسلم شریف: کتاب الزھد باب فی حدیث الھجرۃ جلد۲:ص۴۱۹)

ترجمہ: پکار رہے تھے یا محمد، یارسول اللہ (ﷺ)

پھر جب محبوب خدا ﷺ نے وصال فرمایا۔ ظاہری نگاہوں سے آپ کا چھپ جانا اہل محبت کیلئے قیامت سے کم نہیں تھا۔ اس موقعے پر جن درد بھرے جذبات کا اظہار کیا گیا، ان میں بھی بار بار یہی ندا تھی۔

حضرت خاتون جنت علی ابیہا وعلیہا السلام نے اس موقعے پر کہا۔

يَا خَاتَمَ الرُّسُلِ الْمُبَارَكَ ضَوْءُهُ
صَلَّى عَلَيْكَ مُنْزِلُ الْقُرْآنِ

ترجمہ: اے رسولوں کے خاتم، اے با برکت روشنی والے، آپ پر قرآن اتارنے والے رب کا درود ہو۔

(الروض الانف)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے رخ انور سے کپڑا اٹھا کر عرض کیا۔

اُذْكُرْنَا يَا مُحَمَّدُ عِنْدَ رَبِّكَ وَلْنَكُنْ مِنْ بَالِكَ

(شرح الشفاء جلد: ا ص ۳۵۶، مواہب لدنیہ جلد: ۸ ص ۲۸۲)

ترجمہ: یا محمد! اپنے پروردگار کے پاس ہمیں یاد کرنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا۔

پھر اولین پاسبان ختم نبوت حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب اسلامی لشکر مسیلمہ کذاب کے خلاف برسر پیکار تھا، سودائے شہادت سروں میں تھا اور یہی نعرہ ان کے ایمان کی پہچان تھا۔ وہ بار بار بطور شعار "يَا مُحَمَّدَاهُ" کہتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۵۷: قتل مسیلمہ کذاب)، الکامل ابن اثیر جلد ۲،

ص۲۴۶ تاریخ طبری جلد:۲ ص۲۸۱

شعار سے مراد ہے پہچان کرانے والی چیز۔ گویا اس دن جو مسلمان تھے، ان کی پہچان یہ نعرۂ رسالت تھا۔ اس جنگ میں کتنے ہزار شہید ہوئے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ کے موقعے پر مسلمانوں کا یہی شعار ہوتا تھا، **یا محمد یا منصور امتک ، امتک** (فتوح الشام جلد:اص ۱۶۸) یا محمد، اے وہ ذات جن کے سبب فتح ملتی ہے، اپنی امت پر رحم فرمائیں، اپنی امت کی مدد کریں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس نعرہ مستانہ کو تابعین تک پہنچایا۔ وہ بھی ہر موقعے پر اپنے آقا و مولا ﷺ کو پکار کر دو جہان کی عافیت محسوس کرتے رہے۔ کبھی یا رسول اللہ، کبھی یا محمد اور کبھی کسی اور وصف سے اللہ کے اس محبوب اعظم ﷺ کو پکارتے رہے۔ امام الائمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ جو بجا طور پر فخر التابعین ہیں، کس مستانہ انداز میں عرض کرتے ہیں۔

وَاللّٰہِ یَا یٰسٓ مِثْلُکَ لَمْ یَکُنْ
فِی الْعٰلَمِیْنَ وَ حَقِّ مَنْ اَنْبَاکَ

ترجمہ: یا یٰسین اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی بنایا، آپ کی مثل کائنات میں ممکن ہی نہیں۔

اس قصیدۃ النعمان میں آپ نے حضور پرنور ﷺ سے فریاد کرتے ہوئے **یا سیّد السّادات** (اے سرداروں کے سردار)، **یا خیر الخلائق** (اے بہترین مخلوقات)، یا طٰہٰ، یا مدثر، یا مالکی (اے میرے مالک)، **یا اکرم**

الثقلین (اے کریم ترین جن وانس)، یا کنز الوریٰ (اے عالمین کے خزانہ و خازن)، یا سیدی (اے میرے سردار)، یا عَلَمَ الْھُدٰی (اے نشان ہدا یت) جیسے الفاظ وتراکیب کو اختیار کیا ہے۔

مختلف الفاظ وتراکیب اور گوناگوں اوصاف حمیدہ کے حوالے سے محبوب اکرم شفیع اعظم ﷺ سے التجاو فریاد کرنے کا اسلوب تابعین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی سے سیکھا تھا۔ چنانچہ صحابی حضرت اعشیٰ مازنی رضی اللہ عنہ نے اپنی منظوم درخواست جو بارگاہِ نبوی میں پیش کی تو اس کی ابتداء اس مصرع سے کی

یَا مَالِکَ النَّاسِ وَ دَیَّانَ الْعَرَبِ

(الامن والعلیٰ بحوالہ امام احمد)

ترجمہ: اے تمام آدمیوں کے مالک اور اے عرب کے جزاو سزا دینے والے۔

بلکہ حق یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کبار رضی اللہ عنہم کے اس طرز عمل کی بنیاد بھی قرآنی اسلوب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو یونہی یارسول اللہ، یا نبی اللہ، وغیرہ نہیں فرمایا، ظاہر ہے کہ فصاحت کے خلاف ہے (کہ اللہ خود فرمائے اے اللہ کے رسول، اے اللہ کے نبی) اس کیلئے یہی مناسب ہے۔ وہ فرمائے یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ، (یعنی اے رسول)، یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ، (یعنی اے نبی عظیم الشان)، ان کے علاوہ اداؤں کے حوالوں سے بھی خطاب فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، (اے جھرمٹ مارنے والے)، یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ، (اے بالاپوش اوڑھنے والے)، طٰہٰ، (بقول بعض! اے طاہر، اے ہادی)، یٰسٓ، (بقول بعض!

اے سردار)،

خدا نے اپنے پیارے کو پکارا جس طرح چاہا
وہ مزمل ، وہ مدثر، وہ یٰسین، اور وہ طٰہٰ

ایک روایت کے مطابق حضرت سیدنا جبرئیل علیہ السلام حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں۔

السلام علیک یا اوّلُ، السلام علیک یا اٰخِرُ، السلام علیک یا ظَاہِرُ السلام علیک یا باطِنُ

(جزاء اللہ عدوہ باباءہٖ ختم النبوۃ از اعلیٰ حضرت بریلوی بحوالہ شرح شفا شریف عن ابن عباس: تفسیر ابن کثیر جلد: ۳ ص ۱۰ الخصائص الکبری جلد: ۱ ص ۱۵۶، تفسیر در منشور جلد: ۲ ص ۱۴۹)

سلام ہو
آپ پر اے اول مخلوق
سلام ہو آپ پر اے آخر الانبیاء
سلام ہو آپ پر اے ظاہر الشان
سلام ہو آپ پر اے باطن الحقیقہ

خیر نعرۂ رسالت اور اسکے مختلف انداز صدر اول سے شروع ہوئے اور حیرت ہے انقلابات کی کثرت وشدت کے باوجود یہ آج تک موجود ہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے جو حضرت شیخ محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ نے بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

با چندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت ہست یک کس را دریں مسئلہ خلافی نیست کہ آنحضرت علیہ السلام بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم

تاویل دائم وباقی ہست وبراعمال امت حاضر وناظر است مر طالبان حقیقت راو متوجہان آنحضرت رامفیض ومربی (اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل)

ترجمہ: اتنے وسیع اختلاف اور کثرت مذاہب کے باوجود جو علمائے امت میں موجود ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام بغیر کسی تاویل و مجاز کے احتمال کے بالکل حقیقی زندگی کے ساتھ باقی اور دائم ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر وناظر ہیں اور طالبان حقیقت اور آپ کی طرف متوجہ ہونے والوں کیلئے فیض بخش اور مربی ہیں۔

ایسا کیوں نہ ہو، امت کو جو سب سے افضل عبادت سکھائی گئی ہے، اس میں بھی "السلام علیک ایھاا لنبی" یعنی خطاب کے صیغے سے بارگاہ نبوت میں سلام عرض کرنا داخل کیا گیا ہے۔ اور بظاہر اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ امت اس عقیدے پر قائم رہے کہ اللہ کے حبیب کریم ﷺ اللہ کے فضل سے زندہ وجاوید، حاضر وناظر، سمیع وبصیر اور قریب ومجیب ہیں، یہ بات اتنی واضح اور مسلم ہے کہ غیر مقلدین کے عظیم محقق جنہوں نے ترجمان الوہابیہ جیسی کتاب لکھ کر وہابیوں کی انگریز دوستی بیان کی ہے اور انگریزوں کو اپنی وفاداری جتا کر خود کو مراعات کا اہل ثابت کیا ہے، مسک الختام میں تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ (اصل میں یہ تحریر تھی انہیں شیخ محقق کی مگر نواب صاحب نے اسے بغیر کسی حوالے کے اپنی کتاب میں درج کر لیا ہے۔) طوالت سے بچنے کیلئے یہاں صرف اردو ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

"بعض عارفین نے کہا ہے کہ التحیات میں یہ (ایھا النبی) کا خطاب اس لئے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرے ذرے اور ممکنات کے ہر فرد میں

حاضر ہے۔پس حضور ﷺ ہر نمازی کی ذات میں بھی موجود وحاضر ہیں۔نمازی کو چاہئے کہ اس معنیٰ سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہوتا کہ میں فرق واضح کرتا کہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے کامیاب ہو جائے''

(مسک الختام از نواب صدیق الحسن بھوپالی)

غرض حضور پرنور ﷺ کو پکار کر درود وسلام عرض کرنا، آپ سے مدد مانگنا ، آپ کی عنایات پر شکر گزار ہونا، آپ سے دولت دنیا، شفا، جنت، بخشش بلکہ رضائے الٰہی کا سوال کرنا، آپ کا توسل چاہنا اور آپ کی بارگاہ میں آپ کی آل پاک رضی اللہ عنہم یا اصحاب پاک رضی اللہ عنہم کا وسیلہ پیش کرنا امت کا معمول رہا ہے، کوئی دور اس سے خالی نہیں ،۔ ہاں جب میڈ اِن انگلینڈ (Made in England) قسم کے مفسرین پیدا ہوئے تو انہوں نے شور وغل مچا کر محبوبان خدا کے تصرفات وبرکات کے خلاف مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں کو مسموم کرنا چاہا۔ ان کی باغیانہ روش سے کچھ سطحی ذہن کے لوگ متاثر ضرور ہوئے مگر امت مجموعی طور پر ان سے محفوظ ہی رہی۔ان کی باتوں میں تضاد اور ان کی نیتوں کا فساد اتنا واضح تھا کہ ان کے سارے فلسفۂ دین ومذہب میں شاید ہی کہیں کوئی معقولیت کی جھلک ہو۔خود سوچئے اس دنیا میں کون کس کو نہیں پکارتا، روزمرہ کے معاملات وضروریات میں اولاد والدین کو والدین اولاد کو، اساتذہ شاگردوں کو، شاگرد اساتذہ کو، حاکم رعایا کو، رعایا حاکم کو، مریض حکیم کو، حکیم مریض کو پکارتے ہیں اور کسی طرف سے شرک کا کوئی فتویٰ نہیں۔جونہی کسی مرید نے پیر کو اور کسی امتی نے اپنے نبی ورسول ﷺ کو پکارا، ان کوتاہ نظروں کی نظر میں مشرک ہو گیا۔اور شور مچا دیا کہ غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے۔ارے بدنصیبو! محض پکارنا شرک ہو تو کون اس شرک سے محفوظ

رہے گا۔ کیا قرآن پاک میں یا ایھا الذین امنوا، (اے ایمان والو) یا ایھا الناس، (اے لوگو)، یاایھاالکفرون (اے کافرو) نہیں۔ کیا خدا پر بھی شرک کا فتویٰ لگاؤ گے، ابھی چند ہفتے پہلے حافظ سعید کی ماں مرگئی۔ کس طرح مری، اخبارات کے نزدیک بیٹے کا نام پکارتے پکارتے مرگئی۔ گویا غیراللہ کا نام پکارتے پکارتے ختم ہوگئی۔ چاہیے تو تھا ساری امت کو مشرک سمجھنے والا بیٹا اسے بھی مشرکہ قرار دیتا اور اس کے جنازے اور کفن ودفن میں شریک نہ ہوتا مگر ہوا کیا اپنی ماں کی باری آئی تو اپنا 'عالمگیر' فتویٰ بھول گیا، اور اس مشرکہ کا جنازہ خود پڑھایا۔

وہابیہ کا یہ دوہرا طرز عمل ہر کہیں آپ کو نظر آئے گا۔ ارمغان حجاز کے ترجے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک وہابی حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا، ہم رسول پاک ﷺ کے روضہ مبارک کی جالی چومتے ہیں تو تم ہمیں مشرک کہہ دیتے ہو، بتاؤ کیا تم اپنے بچوں کے منہ نہیں چومتے۔ وہابی صاحب بولے 'ہم انہیں خدا سمجھ کر تو نہیں چومتے' بچے سمجھ کر ہی چومتے ہیں۔ حضرت علامہ نے فرمایا 'ہم بھی حضور پرنور ﷺ کے روضۂ مقدسہ کی جالی کو جالی سمجھ کر ہی چومتے ہیں' خدا سمجھ کر تو نہیں چومتے۔ وہابی لاجواب ہوگئے اور دم دبا کر بھاگ گیا۔

دیکھا، چومنا شرک خواہ حضور انور ﷺ کے روضۂ مقدسہ کی جالی مبارک ہی کیوں نہ ہو' اور چومنا شرک نہیں کیونکہ بچے وہابیوں کے اپنے ہیں۔'

ایک یہ ماں ہے کہ بیٹے کا نام پکار پکار کر دنیا سے رخصت ہوئی، ایک وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ نعرۂ رسالت لگاتے لگاتے جنگ یمامہ میں شہادت پا گئے دیکھئے اوپر کی سطور میں کہ مسیلمہ کذاب کے ساتھ لڑائی کے دوران مسلمان لشکر کی

پہچان ہی نعرۂ رسالت تھا۔ اور یہ شہید ہونے والے بارہ سو تھے۔ ہاں ہاں یہ تھا اصل لشکر طیبہ، جو مدینہ طیبہ سے یمن کے علاقے میں جہاد کے لیے گیا تھا نہ یہ دور حاضر کا بے نام نہاد جعلی لشکر طیبہ جو نعرۂ رسالت کو تو شرک سمجھتا ہے مگر ہائے سعید، ہائے سعید پکارنے والی ماں کو توحید کا سرٹیفکیٹ دیتا ہے۔

☆......☆......☆

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
17
صفحہ نمبر 337
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

توحیداور میلاد:

نوٹ: گزشتہ قسط میں بتایا گیا تھا کہ حضور ﷺ کا فیصلہ دل و جان سے ماننا اور اسے بہر حال برحق تسلیم کرنا ایمان کی شرط ہے لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کا فیصلہ حقیقت کے خلاف ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہر مخلوق کے داخلی و خارجی حالات و کوائف سے پوری طرح واقف ہوں۔ موجودہ قسط میں خلفائے راشدین کے فیصلوں کی عظمت و اہمیت پر اظہارِ خیال مقصود تھا مگر ربیع الاول شریف کی آمد آمد اور 'الحقیقہ' کے اس شمارے کے میلاد نمبر ہونے کی بنا پر اس مضمون کو موخر کیا جا رہا ہے اور توحید اور میلاد شریف کے باہمی تعلق کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ہمارے ہاں محبوبانِ خدا کے منکرین جہاں انبیاء و اولیاء (علیہم السلام وعلیہم الرضوان) کے علمی کمالات اور دیگر تصرفات وغیرہ کو توحید کے منافی سمجھتے ہیں، وہاں انہیں میلاد شریف سے بھی ازحد چڑ ہے۔ ان کے نزدیک شاید یہ وجہ ہے کہ محبوب اعظم، رسولِ اکرم، شفیع معظم حضور پر نور ﷺ کی جو شان و عظمت دنیا میں ظاہر ہوئی ہے، ان کو جو جو عظیم مراتب و مناصب اللہ جل شانہ سے عطا ہوئے ہیں، یہ بظاہر ان کی ولادت باسعادت سے بعد کے ہیں اور دنیا میں ان کی تشریف آوری ہی ان کی بنیاد بنی ہے لہٰذا کیوں نہ اس کا ذکر ہی ترک کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے ذکر میلاد ہی کو شرک و بدعت وغیرہ قرار دے دیا یعنی نیک کاموں اور پاکیزہ رسموں کو روکنے کے لئے جو جو حربے انہوں نے اختیار کیے ہوئے ہیں، سب استعمال کر لئے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے رسول اعظم ﷺ اور دیگر محبوبوں کو یہ عظمتیں عطا فرمائی ہیں، انہیں محبوبوں

کے ساتھ ہے اور عظمتوں سمیت ان کی حفاظت فرما رہا ہے، دشمنوں کی ہر سازش، ہر شور اور ہر واویلا اُس قادرِ مطلق کی قدرتِ قاہرہ کے سامنے ناکام بلکہ بیکار ہے۔ چند بدقسمت سر پھروں کے سوا کوئی ان کی ہرزہ سرائی پر کان نہیں دھرتا اور کوئی ان کے 'غوغا' اور 'غوغو' سے متاثر نہیں ہوتا۔

تاریخ کی اہمیت:

خود خیال فرمایئے میلاد شریف کے واقعات کا محض ذکر تو 'تاریخ' ہے، اگر یہی شرک ہو جائے تو گویا تاریخ کا مطالعہ اور بیان کرنا بھی انسان کو مشرک بنا دیتا ہے اس سے بڑی حماقت کیا ہو سکتی ہے کہ محض تاریخی واقعات کے بیان کو ہی شرک کا نام دے دیا جائے اور اگر شرک کا دائرہ واقعی ایسا وسیع ہے تو فرمایئے کون اس سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ کالجوں اور سکولوں میں تاریخ کا پڑھانا بند کر دیا جائے اور خود وہابیوں نے بھی تاریخ کی جو کتابیں لکھی ہیں انہیں بھی جلا دیا جائے۔ پھر تاریخ کو بدعت بھی نہیں کہا جا سکتا ماضی کے واقعات کا ذکر تو زمانہ قدیم سے جاری ہے اور ہر قوم اپنی تاریخ بلکہ دوسروں کی تاریخ سے بھی بہت کچھ سیکھتی ہے۔ پھر علم تاریخ کا مقصد بھی تو یہی ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب معلوم کئے جائیں اور ان کی روشنی میں قوم کی تعمیر نو کی جائے تو کسی واقعے کا محض بیان کرنا کیونکر شرک ہو سکتا ہے۔ خصوصاً وہ قومیں جن کا ماضی نہایت شاندار ہوتا ہے، اس کا تذکرہ زندہ رکھنے کا خاص اہتمام کرتی ہیں۔ اور اسے اپنا قیمتی ورثہ تصور کرتی ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کی تاریخ سے زیادہ روشن، چشم کشا، نصیحت آموز اور ولولہ انگیز کس قوم کی تاریخ ہے اور اسے فراموش کرنا قومی خودکشی نہیں تو اور کیا ہے۔ دَورِ آخر میں اسلام دشمنوں نے ملت اسلام کے خلاف جو

سازشوں کا جال بُنا ہے، اس کی ایک اہم شق یہی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کی نظر سے ان کی تاریخ اوجھل کردی جائے اور اس بے مثال ماضی سے جس کا تذکرہ ان کی مردہ رگوں میں زندگی کا خون دوڑا دیتا ہے، ان کا تعلق کاٹ دیا جائے۔ اس کے برعکس حکیم الامت حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ جیسے عظیم مفکروں اور دانشوروں نے اسی سازش کا توڑ کرنے کی کوشش کی ہے اور قوم کو ان کے آباؤ اجداد کے کارنامے یاد دلا کر انہیں بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال کا 'شکوہ' ان کے اسی فکر کا آئینہ دار بلکہ شاہکار ہے۔ وہ قوم کو ماضی کی طرف پلٹانا چاہتے ہیں، اسی لئے فرماتے ہیں۔

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو
ہاں دکھادے اے تصور پھر وہ صبح وشام تو

اسلام کا اولین عنوان:

اگر تاریخ کی یہ اہمیت واضح ہے تو فرمایئے تاریخ اسلام کا اولین عنوان کیا 'سیرۃ النبی ﷺ' کے سوا کوئی اور ہوسکتا ہے اور اگر یہ سچ ہے تو فرمایئے۔ کیا سیرۃ النبی ﷺ کا اولین عنوان میلاد النبی نہیں۔ حضور پرنور ﷺ شرک وکفر سے گھری ہوئی دنیا میں کس شان سے تشریف لائے اور کس طرح آپ نے آتے ہی یا آپ کے آتے ہی قدرت نے توحید خداوندی کا آوازہ بلند کیا۔ میں کہتا ہوں حضور پرنور ﷺ کے ذکر میلاد کی کوئی اور برکت وحکمت نہ بھی ہو، اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ کی توحید وکبریائی کا اعلان جس طرح حضور ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے وقت ہوا اس کی مثال نہیں ملتی۔ (اس کی تفصیل دیکھنا ہو تو فقیر کی کتاب 'میلاد شریف اور بعض روایات میں' جو ابوالکلام آزاد کے جواب میں لکھی گئی ہے، ملاحظہ فرمالیجئے)

وہابیوں کو میلادشریف سے غالباً اس لئے بھی چڑ ہے کہ اس سے حضور پرنور ﷺ کی بے مثل ولادت کا مضمون ملتا ہے جو نبی ﷺ کی ہمسری کا دعویٰ کرنے والوں کیلئے نا قابلِ برداشت ہے۔ ہاں ہاں اللہ کے حبیب ﷺ یکتا ہیں تو آپ کی تشریف آوری بھی یکتا ہے، مگر یہ نکتہ اگر وہابیوں کو قبول ہو جائے تو ان کے مذہب کا قصر جو شکوک وشبہات کی بنیادوں پر ہی تعمیر ہوا ہے، دھڑام سے نیچے آرہے گا۔ ہاں اگر یہ نبی اکرم ﷺ سے ضد بازی چھوڑ دیں اور توحید کا مضمون کھلے دل سے سوچنا شروع کر دیں تو انہیں معلوم ہو، رب یکتا کی توحید کا مبلغ اعظم (ﷺ) بھی یکتا ہونا چاہئے، اس کی ہر ہر ادا یکتا ہونی چاہیے حتیٰ کہ اس کی ولادت باسعادت کا یکتا ہونا بھی ضروری ہے۔

ولادت کے وقت بھی نبی ہوتا ہے:

'میلادشریف اور بعض روایات' میں میں نے اس نکتے کی وضاحت کی ہے کہ فلسفی مادرزاد فلسفی نہیں ہوتا، سائنسدان ماں کے پیٹ سے سائنسدان بن کر نہیں آتا، محدث وفقیہ دنیا میں آکر ایک مدت کے بعد ایک مدت تک محنت کر کے محدث وفقیہ بنتے ہیں مگر نبی پیدا ہوتے ہی بلکہ دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے بھی نبی ہوتا ہے۔ فلسفی، سائنسدان، محدث وفقیہ اپنی اپنی ریسرچ ایک عرصہ دراز کے بعد دنیا کے سامنے لاتے ہیں مگر نبی دنیا میں تشریف لاتے ہی کسی نہ کسی رنگ میں اپنا پیغام سنا دیتا ہے اور چونکہ پیغام نبوت کا پہلا عنوان توحید ہی ہوتا ہے، اس لئے اسے ضرور بیان کرتا ہے۔ وقت کے تقاضے کے مطابق، صراحت سے کرے یا اشارے سے، مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ اس کی ولادت توحید و کبریائی کے بارے میں بالکل خاموش رہے۔ مثلاً اگر زبان سے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چند

گھنٹوں کی عمر میں اللہ کی توحید، اور اپنی رسالت پر فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، نہ بھی کرے، پھر بھی اس کی ولادت کا انداز ہی غور کرنے والوں کیلئے بڑا مثبت پیغام ہوتا ہے، وقت کے تقاضے سے مراد ہے حالات کی ضرورت مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر کھل کر یہ خطبہ ارشاد نہ فرماتے تو ان کی والدہ ماجدہ سیدہ مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف جو شکوک و شبہات پیدا ہو چکے تھے، ان کا ازالہ کیونکر ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو روکنے کیلئے فرعون نے کیا کیا جتن کئے مگر اسی کے گھر میں آپ کی پرورش کا ہونا اللہ کے قادرِ مطلق اور علیم و خبیر ہونے کی دلیل تھی اور فرعون کی بے بسی اور بے علمی کی یعنی خدا نہ ہونے کی۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بعد میں جس توحید کا اعلان کرنا تھا، اس ماحول میں اس کی پہلی دلیل ان کی ولادت باسعادت کا انداز یعنی میلاد شریف ہی تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں مختلف انبیاءِ کرام علیہم السلام کے میلاد شریف کا ذکر خیر کیا ہے کیونکہ ان کے میلاد شریف سے یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ یہ اپنے رب کے خاص بندے ہیں، اس کی قدرت کے مظہر ہیں، اس نے انہیں ایک پیغام دے کر بھیجا ہے، یہ اس کی حفاظت میں ہیں۔ جس طرح ان کی آمد کو وقت کی کوئی جبروتی و قہرمانی و فرعونی طاقت روک نہیں سکی، ان کے پیغام کو بھی کوئی روک نہیں سکے گا، یہ اگرچہ پیدا ہونے کے بعد دوسرے بچوں کی طرح شیر خوار ہوں گے، پنگھوڑے میں رہیں گے، کسی موقع پر روئیں گے یا ہنسیں گے، پھر بھی ان کے علم و دانش میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ یہ دنیا میں کسی اور سے پڑھنے نہیں آئے بلکہ سیکھے سکھائے اور پڑھے پڑھائے دنیا میں تشریف لائے ہیں۔

چشم بینا کیلئے اگرچہ عام انسان کی پیدائش بھی قدرت کا معجزہ ہے مگر ظاہر

ہے اس کے روٹین ہونے کی بنا پر کتنے ہیں جو اس پر غور کرتے ہیں یا اس کا نوٹس لیتے ہیں مگر محبوبانِ خدا اس عام روش سے ہٹ کر جب کسی خاص ادا کا مظاہرہ کرتے ہیں تو دنیا میں دہائی مچ جاتی ہے۔ مثلاً کوئی مختون پیدا ہوتا ہے یا حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہٗ کی طرح رمضان میں پیدا ہو کر دن کے وقت دودھ نہیں پیتا تو یقیناً دوسروں کیلئے اچنبھا ہے اور دعوتِ فکر۔ اگر اس گفتگو کو سامنے رکھیں تو فرمایئے جس محبوب ﷺ کو خاتم النبین، سید المرسلین اور رحمۃ للعالمین بنایا گیا ہے، جس کی انگلی کے اشارے سے چاند کو شق ہونا اور ڈوبے سورج کو لوٹنا تھا، جس کے نعرہ توحید کا دبدبہ ساری دنیا میں پھیلنے والا تھا، جس کی رسالت کو دائمی اور ہمہ گیر بنایا تھا، اور جو سائنسی دور کا بھی رسول بن کر آیا تھا، اس کی ولادت باسعادت کیسی ہونی چاہیے تھی۔ یقیناً اسی طرح ہوتی ہے جو اس کے شایان شان تھی۔ اس نے آتے ہی اپنے رب یکتا کی بارگاہ میں سجدہ کیا، اس کے قدم رکھتے ہی عرب کے بتخانوں میں زلزلہ طاری ہو گیا، اور عجم کے آتش کدے بجھ گئے، اے ''توحید''، ''توحید'' کی رٹ لگانے والو! تمہیں 'توحید' سے بھی اگر خلوص ہو تو اس ہادیٔ اعظم ﷺ سے کیوں بغض و عداوت رکھتے ہو جو توحید کا سب سے بڑا داعی ہے اور جس نے دنیا میں آتے ہی 'شرک' پر کاری ضربیں لگائیں۔

عصا کو اژدہا کا روپ دھارتے دیکھ کر فرعون نے 'جادو' کہہ دیا مگر وقت ولادت کے ارہاصات کو جادو کہنے کی جرأت اسے بھی نہ ہو سکی، اسی طرح بعثت کے بعد جب حضور ﷺ نے توحید کا مضمون از بر کرانے کے لیے معجزات دکھائے تو منکرین نے اسے جادو کہہ دیا مگر ولادت کے معجزات کو کیا کوئی ابوجہل جادو کہہ سکتا ہے؟۔ اس لیے میلاد شریف کے واقعات ضرور بیان کیجیے کہ ان سے للہ کے

نبی علیہ ﷺ کی تبلیغ و تلقین کا آغاز ہوتا ہے۔انہیں اسی لیے ارہاص (یعنی بنیاد) کہا جاتا ہے۔جس قصر رسالت کی بنیاد اتنی مضبوط ہو گی،اس کی اپنی مضبوطی کا کیا حال ہو گا۔اور جس محبوب اکرم و مکرم علیہ ﷺ کی تبلیغ و تاثیر کا آغاز اتنا شاندار اور ہمہ گیر ہے،اس کی مابعد کی کامیابیوں کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔

روایات میلاد:

آیئے اس تمہید کے بعد چند روایات میلاد کی طرف،انہیں صرف ایک کتاب یعنی ''مولدالعروس'' سے لیا گیا ہے۔جس کے مصنف حضرت محدث ابن جوزی علیہ الرحمۃ ہیں جو نقد و جرح میں نہایت کڑے معیار کے قائل ہیں۔

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

''جب میرے لخت جگر کی ولادتِ باسعادت ہوئی،ان کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا اور جسم مبارک پر تیل کی مالش تھی۔تنِ اقدس سے خوشبو آ رہی تھی اور آپ ختنہ شدہ تھے۔آپ نے آتے ہی اللہ عزوجل کو سجدہ کیا۔اس وقت آپ نے دونوں ہاتھ بھی آسمان کی طرف اٹھا لیے۔چہرۂ انور سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور علیہ ﷺ کو اٹھا کر ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ لیا جو جنت سے لایا گیا تھا،پھر زمین کے مشارق و مغارب کا چکر لگایا''

پھر ذرا آگے فرماتی ہیں

(اس مبارک موقع پر) ''اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردے اٹھا دیے اور میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا۔میں نے تین جھنڈے بھی ملاحظہ کیے۔ایک مشرق میں،دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبے کی چھت پر نصب تھا۔

پھر فرماتی ہیں:۔

میں نے کسی کہنے والے کو یوں کہتے سنا۔ محمد ﷺ کو صفوتِ آدم، مولدِ شیث (دوسری روایات میں یہاں مولد کی بجائے معرفت ہے) شجاعت نوح، حلم ابراہیم، لسان اسمٰعیل، رضائے اسحاق، فصاحت صالح، رفعت ادریس، حکمت لقمان، بشارت یعقوب، جمال یوسف، صبر ایوب، قوت موسیٰ، تسبیح یونس، جہاد یوشع، نغمہ داؤد، ہیبت سلیمان، حب دانیال، وقار الیاس، عصمت یحییٰ، قبول زکریا، زہد عیسیٰ، اور علم خضر علیہم السلام عطا کر دو اور انہیں نبیوں اور رسولوں کے اخلاق میں غوطہ دو (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کیونکہ یہ اولین و آخرین کے سردار ہیں۔ میں نے بادل کے ایک ٹکڑے کو آگے آتے دیکھا۔ کوئی کہہ رہا تھا محمد ﷺ نے فتح و نصرت اور بیت اللہ کی کنجیوں پر قبضہ کر لیا۔ نیز میں نے ایک فرشتے کو دیکھا جس نے آ کر آپ کے کان میں کوئی بات کی، پھر آپ کا بوسہ لیا اور بولا

''اے میرے حبیب محمد (ﷺ) آپ کو بشارت ہو کہ یقیناً آپ سب اولاد آدم کے سردار ہیں، آپ پر ہی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو ختم کیا، اولین و آخرین کا کوئی علم نہیں جو آپ کو نہیں ملا۔''

نوٹ: غور فرمائیے اگر آپ اس وقت ان باتوں کو سمجھتے نہیں تھے تو فرشتہ کیوں آپ سے مخاطب تھا۔

اسی کتاب میں ہے:

''اسی میلاد کی رات (آتشکدہ) ایران کی آگ بجھ گئی جو ایک ہزار برس سے برابر روشن تھا۔ کسریٰ (شاہ ایران) کا محل پھٹ گیا اور اس کے کنگرے بکھر گئے۔ جن میں سے چودہ (زمین پر) آ پڑے۔ بحیرہ ساوہ و طبریہ خشک ہو گیا۔ جادو اور کہانت کی کمر ٹوٹ گئی آسمان پر پہرہ لگ گیا اور شیطانوں کو (فرشتوں کی) باتیں

سننے سے روک دیا گیا (اب وہ آسمان کے قریب بھی نہیں ٹھہر سکتے)۔ دنیا کے تمام بت اوندھے منہ گر گئے۔ صرف حضور اکرم ﷺ کے احترام میں خدا کے سب سے بڑے دشمن شیطان کا بھی تخت الٹا ہو گیا"۔

اسی میں ہے۔

"بڑے بڑے علما نے آپ کی ولادت کی خبر دی۔ کاہنوں نے آپ کے ظہور کا اعلان کیا۔ جن آپ کی رسالت پر ایمان لائے، آیات و علامات نے آپ کے نام نامی پر شہادت دی۔ فارس کی آگ آپ کے نور سے بجھ گئی، تخت اپنے بادشاہوں سمیت کانپنے لگے، تاجداروں کے سروں کے تاج گر پڑے۔ بحیرہ طبریا آپ کی تشریف آوری پر ٹھہر گیا (یعنی خشک ہو گیا) اور کتنے ہی نئے چشمے جاری اور موجزن ہو گئے"

یہ تھا حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت پر فرش زمین کا حال۔ آیئے عالم بالا میں جشن میلاد کا سماں بیان کریں۔ یہی علامہ اسی کتاب میں فرماتے ہیں۔

"جب حضور پر نور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ فرشتوں نے آہستہ اور اونچی آواز میں اس کا اعلان کیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام بشارت لائے اور عرش خوشی سے جھوم جھوم اٹھا۔ حور عین اپنے محلات سے نکل آئیں اور عطر نچھاور کرنے لگیں۔ رضوان (داروغۂ جنت) کو حکم دیا گیا کہ فردوس اعلیٰ کو آراستہ کرے۔ اور محل سے پردہ اٹھا دے۔ نیز حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں جناتِ عدن سے پرندے بھیج دے جو اپنی چونچوں کے ذریعے موتی بکھیریں۔ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے اردگرد فرشتے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے پر خوب پھیلائے۔ نیز تسبیح و تہلیل کرنے والے فرشتے اس

کثرت سے اترے کہ تمام بحر و بر اور نشیب و فراز بھر گئے۔" (مولد العروس: ص ۷)

اسی کتاب کے صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں۔

"ساتوں آسمانوں کے فرشتے آپ کی ولادت پر ایک دوسرے کو بشارتیں دے رہے تھے اور آسمان پر آپ کی عظمت کی وجہ سے پہرے بٹھا دیئے گئے اور آپ ہی کی تعظیم کے طور پر، چوری چھپے سننے کی کوشش کرنے والے شیاطین کو شہاب ثاقب سے مارا گیا۔ (اس موقع پر سب خوش تھے مگر) ابلیس چیخ رہا تھا اور اپنی ہلاکت و تباہی پر واویلہ مچا رہا تھا۔"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

"راوی کہتا ہے کہ پھر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تہلیل اور تکبیر کا شور بلند کیا، جنت کے دروازے کھول دیئے گئے، دوزخ کے دروازے بند کئے گئے اور یہ سب کچھ حضور سرور کائنات سیدنا و مولانا حضرت محمد ﷺ کے میلاد شریف کی خوشی میں ہوا۔" (مولد العروس)

اور یہ سب کچھ منکرینِ عظمتِ سرکار ﷺ کے نزدیک شرک و بدعت ہے۔ گویا معاذ اللہ ان کے نقطۂ نظر سے حضور ﷺ کی تشریف آوری ہوئی تو ان کے نزدیک عرش و فرش پر جو میلاد شریف کی خوشیاں ہوئیں، ان سے معصوم فرشتے بھی مشرک ہو گئے۔ ہر طرف خوشیاں تھیں تو گویا ہر طرف شرک پھیل گیا۔ ہاں ان کا گرو اس 'شرک' سے محفوظ رہا، کیونکہ وہ رو رہا تھا چیخ رہا تھا، اور اپنی تباہی پر واویلا کر رہا تھا۔ یہ ہے ان کا نقطۂ نظر، رہ گیا ہمارا تو بقول اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے !!!

کاش کوئی ان سے پوچھے، میلادشریف آخر شرک کیوں ہے؟ کیا معاذ اللہ اللہ تمہارے نزدیک کبھی پیدا ہوا تھا اور اس کا میلاد منایا گیا تھا یا تم مناتے ہو یا منایا جا سکتا ہے۔ آخر کس وجہ سے اسے شرک کہتے ہو، ہاں تمہاری عجیب و غریب توحید سے یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ کی ولادت کا اقرار کرنے لگو۔ ہاں مومن کے نزدیک نبی ﷺ کا میلاد اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس سے شرک کا قلع قمع ہوتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ واشگاف ہوجاتا ہے کہ نبی اپنی لاثانی عظمتوں کے باوجود پیدا ہوتا ہے اور خدا پیدا ہونے سے پاک ہے۔

☆......☆......☆

توحیدٰ اور مَحبُوبانِ خُدا کے کمالات

نعرۂ رسالت:

نوٹ: (اس مضمون کی گذشتہ قسط تو ربیع الاوّل شریف کی بنا پر ساری کی ساری جملۂ معترضہ کے طور پر تھی لہٰذا موجودہ قسط کے مضمون کا ربط قسط نمبر ۱۶ الحقیقہ (اپریل ۲۰۰۲ء سے ہے)

بات ہو رہی تھی پکارنے کی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے ایمان کو باقی امت کے لئے معیار قرار دیتے ہوئے رب تعالیٰ نے اپنی آخری وابدی کتاب میں اعلان فرمایا:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ج (البقرہ:۱۳۷)

ترجمہ: پھر اگر وہ بھی یونہی ایمان لائیں جیسا تم لائے، جب تو وہ ہدایت پا گئے۔ (کنزالایمان)

ہر رنج و راحت میں حضور پرُ نور شافع یوم النشور ﷺ کو پکارتے رہے اور 'یا' کہہ کر اپنے عقیدۂ رسالت کا اظہار کرتے رہے، پھر اُنہوں نے یہی ذوق و شوق، یہی طرزِ وفا اور یہی اندازِ عمل اپنے شاگردوں اور وارثوں میں یعنی تابعین میں منتقل فرمایا، چنانچہ اُن سے تبع تابعین تک اور پھر ان سے آگے چلتے چلتے بعد میں آنے والے اہل ایمان تک پہنچتا رہا اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے، توحید سے اپنی وابستگی کا اظہار کیا تو اللہ کی کبریائی کا نعرہ لگا کر یعنی

اَللّٰهُ اَكْبَرُ

(ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے) کہہ کر

یعنی 'یا اللہ' کہہ کر نہیں کتنی سیدھی سی بات ہے کہ اس کے بعد نعرۂ رسالت

ہوتا تو محض رسالت کا ذکر کافی تھا یعنی 'محمد رسول اللہ' کہنے سے نعرہ لگ سکتا تھا۔مگر امت میں اگرچہ کلمہ توحید میں تو یہی انداز قائم رہا یعنی لاالٰہ الاّ اللہ کہہ کر عقیدہ 'توحید کا اور ساتھ ہی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ کہہ کر عقیدہ 'رسالت کا اظہار کیا جائے مگر جذبات کے اقرار کے وقت اللہ کی توحید و کبریائی کا ذکر تو اکثر حرفِ ندا کے بغیر ہی رہا لیکن نعرہ 'رسالت میں 'یا' کہہ کر پکارنے کا اہتمام کیا گیا۔اس میں کیا کیا حکمتیں ہیں خدا جانے اور اس کا حبیب پاک ﷺ جانے مگر ایک بات تو زمانے کے تغیر و تبدل نے بالکل واضح کر دی ہے۔موجودہ زمانے کے منافقین نے اسلام دشمن قوتوں کا آلہ' کار بن کر جس طرح امت کا رابطہ اس کے نبی ﷺ سے کاٹنے کی گوناں گوں کوششیں کی ہیں، پہلے دور میں نہیں ہوئیں اور نہیں ہوسکیں۔اگرچہ ہر دور کا منافق فطری طور پر اور بنیادی طور پر عظمتِ رسول ہی کا باغی رہا ہے مگر اس سے پہلے اسے کبھی ایسی آزادی نہیں ملی تھی اور اس طرح کھل کر اپنی منافقانہ و باغیانہ روش کے اظہار کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔صدرِ اوّل میں تو منافقین آپس میں اجلاس اور باہمی صلاح مشورے تک محدود تھے مگر ادھر کسی مسلمان سے کوئی بات سو سو پردے میں چھپا کر کر رہے ہیں اور ادھر آیات ان کے رد میں نازل ہو رہی ہیں۔پردہ چاک ہو جاتا اور اپنی سازشوں کے جال میں منافق خود ہی گھر جاتے۔علمِ غیب کے خلاف کوئی بات کر بیٹھا تو آیاتِ خداوندی نے اسے ذلیل کر ڈالا اور کسی اور کمال کے خلاف لب کشائی کی تو رسوا کر دیا گیا۔جب تک اسلام کا غلبہ رہا اکثر و بیشتر منافق بے بس ہی رہے مگر اب نصرانیت کا غلبہ ہے۔اب کفر اپنے آہنی پنجوں کے ساتھ اسلام کو جکڑنے کی کوشش کر رہا ہے، اب مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے نئے نئے ورلڈ آرڈر ترتیب دیے جا رہے ہیں، اب دشمنوں کے غلبے کا یہ حال

ہے کہ اسلام کے مطلعِ اوّل کی حفاظت بھی اسلام کے انہیں ازلی دشمنوں سے کرائی جارہی ہے اور صورتِ حال کی اس خرابی کا آغاز چند سالوں سے نہیں چند صدیوں سے ہو چکا ہے۔ اب منافقوں کی درسگاہیں ہیں، یونیورسٹیاں ہیں، اپنی تفسیریں ہیں کتب خانے ہیں، جو چاہیں لکھیں جو چاہیں بکیں۔ جس 'دستِ غیب' نے مرزا قادیانی جیسا کانا 'نبی' تیار کیا، اسی نے منافقین کے مختلف گروہ تیار کر لئے۔ اس صورتِ حال میں نبیٔ اکرم حبیبِ مکرم ﷺ کے ساتھ امت کا رابطہ کیونکر مضبوط ہوتا، جب کہ بڑے بڑے شیخ القرآن، شیخ الحدیث، عالم و فاضل، مجاہد اور پروفیسر کہلانے والے اس رابطے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور شور مچا رہے ہیں کہ حضور ﷺ سنتے نہیں، دیکھتے نہیں، کسی کا حال جانتے نہیں، کسی کی مدد نہیں کر سکتے ،کسی کے کام نہیں آسکتے بلکہ (معاذ اللہ) زندہ بھی نہیں۔ منافقت کے اس بے ہنگم شور میں جہاں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، مسلمان اپنے نبی ﷺ کا نام لیتا ہے، انھیں پکارتا ہے، ان سے فریاد کرتا ہے، خیال ہی خیال میں ان کے دروازے پہ صدا دیتا ہے، دل ہی دل میں حضوری کے مزے لیتا ہے، ''جسم ہو کہیں میرا، دل تو ہے مدینے میں'' جیسے گیت گاتا ہے تو اسے سب کچھ مل جاتا ہے۔ مجدد ملت اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہ نے اسی صورتِ حال کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ؎

ان کے نثار' کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں' سب غم بھلا دیئے ہیں

اور حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی پس منظر میں فرمایا تھا

دوپہر کی آگ میں وقت درو دہقان پر
ہے پسینے سے نمایاں مہر تاباں کا اثر

جھلکیاں امید کی آتی ہیں چہرے پر نظر
کاٹ لیتا ہے مگر جس وقت محنت کا ثمر
یا محمد ﷺ کہہ کے اٹھتا ہے وہ اپنے کام سے
ہائے کیا تسکین اسے ملتی ہے تیرے نام سے

سوچئے دور حاضر کی فکری زبوں حالی کی پیش بندی کیلئے یہ کتنا ضروری تھا کہ امت کو 'یا' پر جما دیا جائے اور ان کے رگ و ریشہ میں نعرہ رسالت پیوست کر دیا جائے۔ چنانچہ اس تدبیر نے رنگ دکھایا اور دشمنوں کی ہزار ہا سازشوں کے باوجود الحمد للہ مجموعی طور پر امت کا رابطہ اپنے نبی کریم رؤف رحیم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے قائم ہے اور جس طرح جنگِ یمامہ میں مسلمانوں کی پہچان نعرہَ رسالت سے ہوتی تھی (جیسا کہ قسط نمبر ۱۶ میں گزرا) آج بھی سچے مسلمان کی یہی پہچان ہے۔

اس بات کو اپنے بیگانے، دوست دشمن سب جانتے ہیں کہ اگر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ربط رہا تو امت کا ایمان و عرفان، توحید و تفرید سب کچھ محفوظ ہے اور اگر خدانخواستہ یہی ربط نہ رہا تو کچھ بھی محفوظ نہیں۔ صرف توحید مقصود نہیں بلکہ ایمان اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ مطلوب ہے۔ قرآن پاک میں اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا (وہ جو ایمان لائے) تو بار بار آیا ہے مگر اَلَّذِیۡنَ وَحَّدُوۡا (جنہوں نے توحید اختیار کی) کہیں نہیں آیا اور ایمان جو مقصود و مطلوب ہے اس کی جان بھی یہی عقیدہَ رسالت ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

حکیم الامت اقبال علیہ الرحمہ بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب ، میرا سجود بھی حجاب

بلکہ اس سے بھی آگے

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باؤ نرسیدی تمام بولہبی است

بلکہ نگاہِ عشق ومستی سے دیکھتے ہیں تواس سے بھی آگے

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادئ سینا

یہ تو تھا فیصلہ ایمان کا، آگے چلئے

نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں ، وہی فرقاں ، وہی یٰسیں ، وہی طٰہٰ

بلکہ بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں تو یہ بھی عرض کرتے ہیں

تیری الفت کی اگر ہو نہ حرارت دل میں
آدمی کو میسر نہیں انساں ہونا!

ہاں ہاں! محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ ہی رابطہ ایمان ہے اور اس کے مقابلے میں عبادات کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ جتنی بھی عبادات فرض ہیں، ایمان سے مشروط ہیں یعنی ایمان والے پر فرض ہیں۔ ورنہ نہیں۔ خدانخواستہ کسی کا

سینہ نورِ ایمان ہی سے خالی ہو تو اس پر کوئی عبادت فرض نہیں۔ کسی بھی فقہ کی کتاب پڑھنے سے پہلے قرآن پاک ہی کو دیکھ لیں جہاں بھی کسی عبادت کے فرض ہونے کا ذکر ہے، پہلے ایمان کا حوالہ ہے۔ مثلاً

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○ (النساء۔۱۰۳)

ترجمہ: بیشک نماز مسلمانوں پر وقت بندھا ہوا فرض ہے۔ (کنزالایمان)

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ...... الخ (البقرہ۔۱۸۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے۔

بلکہ اکثر و بیشتر وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور جنھوں نے نیکیاں کیں) سے پہلے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (جو ایمان لائے) کا ذکر ہے۔ گویا ایمان ہو تو فرائض لاگو ہوتے ہیں اور ایمان ہو تو نیکیاں قبول ہوتی ہیں اب پھر اسی بات کی طرف آیئے، ایمان کیا ہے؟ حضور پرنور شافعِ یوم النشور ﷺ سے دل کا غلامانہ تعلق۔ تو دور آخر میں چونکہ ایسے منافق پیدا ہونے والے تھے جو اس تعلق کے دشمن اور یوں ایمان اور جان ایمان کو دلوں سے نکالنے کی کوشش کرنے والے ہوں اس لئے نبی کریم علیہ التحیۃ والسلام سے رابطہ امت قائم رکھنے کیلئے ضروری تھا کہ روز اول ہی سے وہ انھیں ہمیشہ زندہ، قریب، سمیع، بصیر، مختار، متصرف، حاجت روا، سراپا کرم، سراپا عطا، مشکل کشا سمجھے۔ اگر امت ایسا نہ سمجھے گی تو تعلق کیونکر قائم رہے گا یا رہ سکتا ہے۔ سوچئے، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے القاب کا ذکر کرتے ہوئے کیا یہ نہیں فرمایا۔

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (التوبہ۔۱۲۸)

ترجمہ: مسلمانوں پر کمال مہربان ہیں۔ (کنزالایمان)

اب خیال فرمایئے کیا یہاں مومنین سے مراد مدینہ منورہ کے لوگ ہی ہیں یا سب اہل ایمان۔ معاذ اللہ اگر یہاں مدینہ منورہ یا گلی محلے کے لوگ ہی مراد ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایمان والے صرف مدینہ منورہ میں ہوں یا اس کے کسی گلی کوچے تک ہی محدود ہوں۔ ظاہر ہے کوئی یہ مراد نہیں لیتا اور اگر اس سے مراد سب اہل ایمان ہیں جو دنیا کے ہر ہر خطے میں ہیں تو فرمایئے کیا حضور پرنور ﷺ ان پر رحم فرما سکتے ہیں۔

جب تک زندہ نہ ہوں

جب تک سمیع وبصیر نہ ہوں اور سب کی مشکلات کا علم نہ رکھیں،

جب تک قریب نہ ہوں

جب تک مختار نہ ہوں (یعنی ان کی مشکلیں حل کرنے اور ان کی حاجتیں پوری کرنے کے اختیارات نہ رکھیں اور ایسے خزانوں کے مالک نہ ہوں جن سے سب مومنوں کی کفالت فرما سکیں۔)

صرف مومن ہی کیا، اللہ سب کا خالق ہے تو یہ محبوب ﷺ سب کی وجہ تخلیق ہے کوئی ذرہ اللہ رب العالمین جل جلالہ' کی ربوبیت سے بھی بے نیاز نہیں ہے تو بے شک وہ محبوب جو رحمۃ للعالمین ﷺ ہے، کوئی ذرہ اس کی رحمت سے بھی بے نیاز نہیں۔ اللہ سب کو عطا فرماتا ہے تو اسی محبوب ﷺ کا صدقہ عطا فرماتا ہے۔ یہ محبوب ﷺ سب کو نوازتا ہے۔ تو اس اللہ کے فضل سے نوازتا ہے اس اللہ کا فضل بھی غیر محدود ہے تو اسی کے فضل سے محبوب کا فضل بھی غیر محدود ہے۔ اس اللہ کا اپنے محبوب ﷺ پر فضل عظیم ہے اور اس پر قرآن پاک گواہ ہے۔

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (النساء۔۱۱۳)

ترجمہ: اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

چنانچہ اللہ کا اپنے محبوب عظیم ﷺ پر ایسا فضل عظیم ہے کہ آپ ﷺ کے فضل عظیم سے سب مؤمنین بھی فیض پا رہے ہیں اور غیر مومن بھی اپنے اپنے ظرف کے مطابق، اپنی اپنی ضرورت کے مطابق، ماننے والے بھی اور نہ ماننے والے بھی۔ یعنی جو سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ دیتے ہیں، انہیں بھی حضور پر نور ﷺ دیتے ہیں، اور جنہیں انکار ہے، انہیں بھی حضور ﷺ ہی دیتے ہیں، کیونکہ سارا فضلِ عظیم تو ان کے پاس ہے۔ اللہ کے بعد ان کے سوا کوئی سب کا داتا اور حاجت روا ہی کہاں ہے کہ کسی کے کام آسکے، ہاں ہاں رب العلمین ایک ہے تو رحمۃ للعالمین بھی ایک ہے۔ گویا حقیقت میں دینے والا بھی ایک ہے اور اس ایک دینے والے کے دینے سے آگے دینے والا یایوں کہہ لو دلانے والا بھی ساری خدائی میں ایک ہے۔ وہ ایک سب کا رب ہے، یہ ایک سب کا وسیلہ ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

اس کی بخشش ان کا صدقہ
دیتا وہ ہے، دلاتے یہ ہیں
رب ہے معطی، یہ ہیں قاسم
رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

اُس ایک سے کچھ لینے کیلئے، اِس ایک کا وسیلہ وذریعہ ضروری ہے۔ اس ایک سے تعلق قائم ہوا تو اُس ایک سے بھی قائم ہو جائے گا۔ اور اس ایک سے قائم رہا تو اُس ایک سے بھی قائم رہے گا۔ لہٰذا اس ایک سے تعلق قائم رکھنے کیلئے یہ اہتمام کیا گیا کہ انہیں پکارو تو 'یا رسول اللہ' 'یا حبیب اللہ' کہہ کر پکارو تا کہ اس

محبوب ﷺ کے قریب و مجیب، سمیع و بصیر، حامی و ناصر، حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ کبھی دل سے اوجھل نہ ہو سکے یا کبھی کمزور نہ ہو سکے اور ظاہر ہے جب تک امت اس عقیدے پر جمی رہی تو اس محبوب کے رب کے بارے میں کبھی کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوگی۔

منکر 'توحید' کے محافظ یا خیر خواہ نہیں۔ اگر توحید مومن کی منزل مقصود ہے تو منافق کا اصل ٹارگٹ بھی یہی ہے۔ وہ اسی توحید کو ختم کرنا چاہتا ہے کیونکہ یہ مرد مومن کی ماورائی قوتوں کا منبع ہے، منافق جو دراصل بیرونی اسلام دشمنوں کا آلہ کار ہے اسے کیونکر برداشت کر سکتا ہے، اس کو ختم کرنے کے عیارانہ انداز اختیار کرتا ہے۔ یعنی جس ذات کے دروازے سے توحید کا عقیدہ ملا ہے، اس سے تعلق ختم کر دو یا کم از کم کمزور کر دو، پھر کیا ہوگا توحید کا نور بھی ان کے اندر سے ختم ہو جائے گا یا کم از کم کمزور ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ پہلے پہل اس ذاتِ پاک ﷺ کے کمالات کا انکار کراتا ہے اور کراتا ہے بظاہر توحید کا نام لے کر۔ چنانچہ دیکھ لیجئے جہاں جہاں حضور پُر نور ﷺ کی بخشی ہوئی توحید ہے، وہاں وہاں اللہ کی ذات پر ایمان کتنا مضبوط ہوتا ہے اور جہاں جہاں ان منافقین کی دی ہوئی توحید ہے وہاں لڑائی جھگڑوں کے سوا کیا رہ گیا ہے۔ جہاں اس قسم کی توحید ہو، وہاں اللہ کی ذات پر کتنا توکل ہوتا ہے، اللہ کی ذات سے کتنی محبت ہے، وہاں حق و صداقت کا کتنا راج ہے، وہاں اسلام سے کتنا پیار ہے اور اللہ کی مخلوق سے کتنا پیار ہے۔ بقول اقبال

زندہ قوت یہی توحید تھی دنیا میں کبھی
اور اب کیا ہے فقط اک مسئلہ علم کلام

توحید زندہ تھی تو مردِ مومن کا شعور، اللہ کی ذات پر بھروسہ اور اعلیٰ اخلاقی

اقدار کا پاس زندہ تھا۔اور یہ توحیدِ زندہ محبوب اعظم ﷺ کی نظر کیمیا اثر کا فیض ہے اوراہل محبت کے روئیں روئیں میں جلوہ گر ہے۔ جہاں وہابی ہے، وہاں عیاری ومکاری کے سوا کیا رہ گیا ہے۔اس بات کی کہیں پہلے بھی وضاحت آگئی ہو گی کہ کمالاتِ نبوت دراصل کمالات توحید کا آئینہ ہیں اور دلیل ۔۔۔ جب دلیل ہی کو کسی بہانے کمزور کرنے کی کوشش کی جارہی ہو تو دعویٰ کو سمجھنا مشکل تر ہوتا جائے گا اوراس پر یقین کرنا دشوار تر۔ مختصر یہ کہ توحیداور ایمان بچانے کیلئے امت، کا رابطہ ضروری ہے اوراس رابطے کو مضبوط کرنے کیلئے یہ عقیدہ از حد ضروری ہے کہ نبی امت سے روحانی ونورانی طور پر دور نہیں، اس کا معین ومددگار ہے اور حاضر وناظر ہونے کے ساتھ ساتھ خدا کے فضل سے کائنات بھر کا مالک ومختار بھی ہے۔اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں ان تمام عقائد، تصورات کو مضبوط کرنے کیلئے ضروری تھا کہ ''یا'' کہہ کر محبوب ﷺ کو پکارنے کا انداز نہایت مضبوطی سے قائم رکھا جائے۔لہٰذا انقلابات کے زوروشور کے باوجود کوئی قوت اس ندائے غلامانہ کو یعنی

یارسول اللہ!، یا حبیب اللہ!، یا رحمۃ للعلمین

کو ختم نہیں کرسکی۔

☆......☆......☆

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
19
صفحہ نمبر 360
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

غرض عقیدۂ توحید کی حفاظت اور بندے کے اپنے سچے خدا کے ساتھ تعلق کی مضبوطی و پختگی کیلئے از حد ضروری ہے کہ مخلوق کے لئے اپنی بارگاہ میں پہنچنے کا وسیلہ جو خود اس نے بتایا ہے، اس کا دامن مضبوطی سے تھاما جائے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ آنے دی جائے۔ یہی عقیدۂ رسالت ہے۔ رسالت کے واسطے کو بھی معاذ اللہ شرک سمجھنا دراصل رسالت ہی کا انکار ہے اور ایسا کرنے والے توحید کو تو کیا پائیں گے، کفر و شرک کے ایسے گہرے کنوئیں میں گر جائیں گے کہ 'چاہِ جہنم' کے سوا اس سے نکلنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ بریلی کے رئیس العاشقین علیہ الرحمہ کا فرمان بھی سن لیجئے

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

اسی واسطے کے حوالے سے مومن اور کافر کا فرق بتاتے ہیں

مومن ان کا کیا ہوا، اللہ اس کا ہو گیا
کافر ان سے کیا پھرا، اللہ ہی سے پھر گیا

بلکہ اس سے بھی آگے

وہ کہ اس در کا ہوا، خلقِ خدا اس کی ہوئی
کہ وہ اس در سے پھرا، اللہ اس سے پھر گیا

مگر یہ تو مجدد تھے چودھویں صدی کے، آیئے شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ کی طرف، انہوں نے بار بار اس شعر کو اپنے مکتوبات شریفہ کی زینت بنایا ہے۔

محمد عربی ﷺ کا بروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاکِ درش نیست خاک برسرِ اُو

یعنی حضور محمد عربی ﷺ ہیں جو دونوں جہان کی عزت و آبرو کا اصل ہیں، جو بدنصیب ان کے دروازے کی خاک نہیں بننا چاہتا، اس کے سر پر خاک پڑے (اور وہ تباہ و برباد ہو جائے)

حضرت شیخ مجدد بلکہ شیخ المجدد دین رضی اللہ عنہم نے اسی واسطۂ رسالت (یا دوسرے لفظوں میں عقیدۂ رسالت) کی تفسیر کرتے ہوئے یہ نعرۂ مستانہ لگایا ہے

محبتِ من بحضرت حق سبحانہٗ ازاں جہت است کہ او تعالیٰ رب محمد است ﷺ

ترجمہ: میری محبت حق تعالیٰ سے اس لئے ہے کہ وہ (حق) تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا رب ہے۔

شاید کسی مفکر خودسر کو یہ شبہ پریشان کرے کہ حضرت مجدد نے یہ بات کیسے کہہ دی۔ تو میں عرض کرتا ہوں 'سورۃ الکفرون' پر غور کر لیجئے، اس کا لب لباب بھی یہی ہے۔ بلکہ حضرت مجدد صاحب کے سامنے ممکن ہے، اس وقت یہی ہو

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ (الکفرون: ۱ تا ۳)

ترجمہ: تم فرماؤ اے کافرو! نہ میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو جو میں پوجتا ہوں (کنز الایمان)

گویا ایک معبود وہ ہے جسے کافر پوجتے ہیں تو اللہ کے سوا جس جس کو بھی کافر پوجتے ہیں اسے اللہ کا رسول نہیں پوجتا۔ ایک ہے رسول کا معبود یعنی خود اللہ تعالیٰ جسے پوجنے سے کافروں کو انکار ہے۔ اللہ کا رسول، کافروں کے ہر معبود باطل

کو باطل سمجھتا ہےاور صرف اپنے اللہ کو عبادت کے اہل جانتا ہے۔اس کے برعکس کفار اپنے معبودوں کو عبادت کے لائق جانتے ہیں،حق مانتے ہیں،خدا اور خدائی میں شریک گردانتے ہیں۔اس صورتِ حال میں سچے معبود کی پہچان یہ کہ رسول اس کا پجاری ہے، جھوٹے معبودوں کی پہچان یہ کہ کافر اُن کی پرستش کرتے ہیں۔ مومن سچے اللہ کی بندگی کرتا ہے تو اپنے رسول ﷺ پر ایمان لاکر،اس کے حوالے سے،اس کے بتانے سے،اس کے ذریعے پہچان کر،کافر سچے خدا کی عبادت پر قانع نہیں ہیں کیونکہ ان کا اللہ کے رسول سے واسطہ نہیں،رابطہ نہیں۔یقیناً معبود وہی سچا ہے جس کی عبادت رسول کرتا ہےاور معبود وہی باطل ہے جس سے رسول کو انکار ہے۔کافروں کے سینکڑوں دین ہیں،یہ سب غلط ہیں۔ان کے مقابلے میں ایک سچا دین ہےاوراس کی پہچان یہی ہے کہ اللہ کے رسول کا دین ہے۔کافروں کے ہر دین کی نسبت انہیں کافروں سے ہے مگر سچے دین کی نسبت اللہ کے رسول سے ہے۔اسی حقیقت کو اسی سورت کے آخر میں یوں بیان کیا گیا ہے

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ O (الکفرون......٦)

ترجمہ: (اے کافرو!) تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین (یعنی اللہ کے رسول کیلئے اس کا اپنا سچا دین)

مختصر،سچا معبود اللہ جس کی پہچان یہ کہ وہ رسول کا معبود ہے

جھوٹے معبود کافروں کے،وہ جتنے بھی ہیں سچا دین اسلام کہ وہ رسول ﷺ کا دین ہےاور یہی اس کی پہچان ہے

جھوٹے دین کافروں کے کہ وہ انہیں کے گھڑے ہوئے ہیں۔

سچے دین کو اللہ کا دین بھی کہا جاتا ہے کہ اسی نے اتارا ہے،
چنانچہ اسی سے اگلی سورت میں ہے۔

وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر.....۲)

ترجمہ: اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہوتے ہیں

جلال الدین اکبر جیسے ملحد اپنے دینوں کا نام 'دین الٰہی' رکھتے پھریں، حقیقت نہیں بدل سکتی، اور حقیقت کیا ہے، یہی کہ اللہ کا دین وہ ہے جو رسول کا دین ہے۔ اللہ دین اتارنے والا، رسول وہ جس پر دین اترا، دین جو اتارا گیا یا اترا ایک ہی ہے۔

پھر چونکہ اہل ایمان اس دین پر چلتے ہیں، ان کی طرف بھی نسبت درست ہے، چنانچہ قبر میں جو سوالات ہوں گے، ان میں دوسرا یوں ہوگا۔

مَا دِیْنُکَ (تیرا دین کیا ہے)

اور مومن اس کے جواب میں کہتا ہے

دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ (میرا دین اسلام ہے)

(مسند احمد، ابوداؤد: جلد:۴ص ۲۸۷، کتاب السنۃ، باب المسئلۃ فی القبر جلد:۲ص ۳۰۶، مشکوۃ باب اثبات عذاب قبر ص ۲۵، ترمذی جلد:۲ص ۱۴۰ سورۂ ابراہیم کتاب التفسیر)

بہر حال دین حق کو اتارنے والے اللہ کی طرف نسبت کریں یا اس پر چلنے والے اہل ایمان کی طرف، اس کی پہچان یہی ہے کہ یہ 'اللہ کے رسول کا دین' ہے۔
یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر خطیب خطبہ جمعہ وغیرہ میں یہ دعا کرتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ سیدنا مُحَمَّدٍ وَّاخْذُلْ مَنْ

خَذَلَ دِیْنَ سیدنا مُحَمَّدٍ

ترجمہ: اے میرے اللہ اس کی امداد فرما جو دین محمد ﷺ کی امداد کرے اور اس کو ذلیل کر کے رکھ دے جو حضرت محمد ﷺ کے دین کو (معاذ اللہ) ذلیل کرنے کیلئے کوشاں ہو

دین کی بات آپ نے سن لی (یعنی یہ کہ اس کی پہچان نسبت رسولی سے ہوتی ہے) اب آیئے عرفان حق کی طرف۔ خدا کی پہچان بھی یونہی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے الفاظ میں

اُو تعالیٰ رب محمد ﷺ است

(وہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کا رب ہے)

بلاشبہ وہ رب العٰلمین ہے، رب العرش ہے۔ رب السمٰوت ہے۔ رب الکعبہ ہے، مگر اس کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ وہ رب محمد ﷺ ہے۔ اسی حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے، قرآن ابدی میں جا بجا اور بار بار ربك (تیرا رب) فرما کر۔ سیدھی سی بات ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم خدا پر ایمان اس پہچان سے نہیں لائے کہ وہ آسمانوں، زمینوں، جنوں، فرشتوں، انسانوں کا رب ہے، یا عرش و کعبہ کا رب ہے، وہ صرف اور صرف محمد مصطفےٰ ﷺ کو مان کر ان کے بتائے ہوئے رب پر ایمان لائے ہیں یعنی رب محمد علیہ التحیۃ والثناء مان کر۔ یہ سب کچھ موجود تھا، اپنی آنکھوں سے مظاہر فطرت اور مناظر قدرت دیکھتے تھے، ایمان نہیں لائے، بلکہ دیکھنے والے انہیں دیکھتے تھے مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا رب کون ہے۔ اب جو انہوں نے حضور پرنور ﷺ کا

رب مان لیا تو معلوم ہو گیا۔ چاند، سورج، ستارے، زمین، دریا، سمندر، پہاڑ، آسمان، عرش و کعبہ سب مخلوق ہیں اور ان سب کا رب، رب واحد یعنی رب محمد ﷺ ہے۔

ذرا خیال فرمایئے محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء عرفان حقیقت کا کیسا منبع ہیں کہ آنکھوں سے ہر رزر بلکہ ہر آن دیکھی جانے والی چیزیں بھی پہچان سے باہر تھیں تو جسے قیامت سے پہلے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اُس اَن دیکھے کی، اس غیب الغیب کی پہچان کیونکر ہوتی اب حضور پرنور ﷺ تشریف لے آئے تو خدائی کی پہچان بھی ہوگئی، خدا کی بھی، مخلوق کی پہچان بھی ہوگئی، خالق کی بھی، بلکہ وجہ تخلیق کی بھی پہچان ہوگئی مادۂ تخلیق کی بھی، ان چیزوں کے آغاز کی خبر بھی ہوگئی انجام کی بھی، یہ ہیں جناب محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء جو ازل سے ابد تک اپنے خالق کے، اپنے مالک کے، اپنے منعم کے، اپنے رب کے سب سے بڑے عارف ہیں، سب سے بڑے وسیلۂ عرفان ہیں اور جن کا واسطہ نہ ہو تو نہ خدا کی پہچان آتی ہے نہ مخلوق کی، بلکہ جس کو جس کی جتنی، جب، جیسی، سچی پہچان ہوئی، اسی عارف واحد و یکتا ﷺ کے طفیل ہوئی۔

حضور پرنور ﷺ اول مخلوق ہیں، غالباً اس کی بحث گذشتہ قسطوں میں آچکی ہے۔ یہاں یوں سمجھو اللہ نے سب کچھ بنایا مگر سب سے پہلے اپنے حبیب کریم ﷺ کو دانا و بینا پیدا فرمایا۔ باقی سب کچھ بنایا تو اس وقت خدا بنانے والا موجود تھا یا مصطفیٰ سننے دیکھنے جاننے والے موجود تھے ﷺ۔ لہٰذا مخلوقات کے حقائق اللہ عالم الغیب جانتا ہے کہ اسی نے انہیں بنایا اور اس کے فضل سے اس کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے ہیں جنہوں نے ان حقائق کو بنتے دیکھا۔

ہاں ہاں سب کچھ بنانے والا خالق واحد ہے اور دیکھنے والا رسول شاہد۔ یہ دنیا میں آنے کے بعد شاہد نہیں ہوا بلکہ شاہد بنا کر ہی بھیجا گیا ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے

یَاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا الخ (الاحزاب)

ترجمہ: اے نبی ہم نے تمہیں شاہد (یعنی مشاہدہ کرنے والا) بنا کر بھیجا

بہر حال خدا کی مخلوق میں خدا کا اور مخلوق کا سب سے بڑا شاہد ہی سب سے بڑا گواہ ہے لہذا الصادق بھی ہے، الامین بھی اور یوں اس کے فیصلے کے بعد کسی کی گواہی کی ضرورت ہے نہ کسی تحقیق و تدقیق کی، فلاسفر یا فلاسفی لاکھ سر ماریں، سائنسدان لاکھ تحقیق کریں مگر اس 'شاہد' کا جواب کیونکر، سچ فرمایا تھا اکبر الہ آبادی نے

برسوں فلاسفہ کی چنان و چنیں رہی
لیکن نبی (علیہ الصلوۃ والسلام) کی بات جہاں تھی، وہیں رہی

میں نے عرض کیا

نبوت کے سوا سائنس نہ حکمت پر بھروسا کر
ترے مقصود سے نا آشنا وہ بھی ہے اور یہ بھی

مگر یہ تو نبی اعظم ﷺ یعنی شاہد اعظم اور عارف اعظم ﷺ ہیں ان کے علاوہ بھی ہر نبی اپنی اپنی شان کے مطابق شاہد ہے اور عارف۔ جس طرح اللہ کی پہچان کا سب سے بڑا وسیلہ یہ رسول اعظم و نبی اکرم ﷺ ہیں، اسی طرح اپنے اپنے دور کے اعتبار سے ہر نبی و رسول علیہ الصلوۃ والسلام ہی اللہ کی معرفت کا سب سے بڑا ذریعہ رہا ہے۔ اور جس طرح رب العلمین کو رب محمد ﷺ کہنا وسیلہ معرفت کے طور پر بھی ہے یونہی ہر دور میں اللہ کی پہچان اس دور کے نبی ﷺ کا نام لے کر بھی ہوتی رہی ہے۔ مثلاً نوح علیہ السلام کے دور میں اللہ کی پہچان رب

نوح کہہ کر اور ابراہیم علیہ السلام کے دور میں رب ابراہیم کہہ کر بھی ہوتی رہی ہے۔

یونہی فرعون کے دور میں خدا کی سب بڑی پہچان اہل زمانہ کے لئے یہی تھی کہ وہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا رب ہے۔ چنانچہ جب فرعون ان کے مقابلے میں جادوگروں کا ایک بڑا گروہ لایا اور انہوں نے کمال نبوت دیکھا تو سب سچے دل سے اسلام لے آئے۔ اس وقت کا حال قرآن پاک سے پوچھئے۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ۝

(طٰہٰ۔ ۷۰)

ترجمہ: تو سب جادوگر سجدے میں گرائے گئے، بولے ہم اس پر ایمان لائے جو ہارون اور موسیٰ کا رب ہے۔

یاد رہے یہاں "گرائے گئے" سے مراد ہے توفیق ربانی سے گرائے گئے کیونکہ مفسرین کے بقول انہیں موسیٰ علیہ السلام کے ادب کی وجہ سے ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ ادب یہ تھا کہ انہوں نے رسیوں کو آپ سے اجازت لے کر پھینکا تھا۔

بات پھیلتی پھیلتی دور تک پہنچ گئی، مقصود تو صرف یہ تھا کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ۔ کے عرفان کا سب سے بڑا وسیلہ ہوتا ہے۔ اگر نبی سے تعلق ہے تو بندہ مومن بھی ہے، عارف و موحد بھی اور اگر خدانخواستہ یہ تعلق ہی نہ رہے تو نہ مومن، نہ عارف اور نہ موحد۔ نبی اکرم ﷺ سے تعلق ہی گویا ایمان کی اصل ہے اور ایمان کی جان۔

نبی سے تعلق کیا ہے، اس کی محبت۔ اب فرمایئے محبت یا تعلق کمالات کے اقرار سے پیدا ہوتا ہے یا انکار سے۔ جو لوگ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اسی دھن میں رہتے ہیں کہ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے کمالات کا انکار کس کس بہانے سے

کریں ،وہ اگر محبت رسول ﷺ کا دعویٰ بھی کریں تو محض دعویٰ ہے ،نفاق ہے،تکلف ہے اور مصلحت۔ان کی باتیں سنیں تو رات دن یہی شور وغل،غوغا آرائی اور یہی ہرزہ سرائی کہ

اگر حضور ﷺ کو علم غیب ہوتا تو ایسا کیوں ہوتا، ویسا کیوں ہوتا، اگر حاضر وناظر ہوتے تو یوں کیوں ہوتا اور ووں کیوں ہوتا،اگر کسی کی امداد کر سکتے تو فلاں کی کیوں نہیں کی۔

کیا یہ طرز و تکلم واضح نہیں کر رہا کہ انہیں ایمان سے کوئی سروکار نہیں ،ان کے دل کے کسی دور و دراز گوشے میں بھی خدا کا ڈر نہیں اور نبی کریم کی شرم نہیں،ان کے دل بے نور ہیں ، جانیں تاریک اور زبانیں زہریلی۔جس طرح ان کا اسلام محض دعویٰ کی حد تک ہے یونہی ان کی انسانیت محض شکل کی حد تک ہی ہے۔انہوں نے کلمہ توحید کے سوا کبھی اپنے نبی ﷺ کی تعریف نہیں کی (اگر انہیں کہیں سے معلوم ہو جاتا کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) بھی حضور کی نعت ہے تو شاید اسے بھی چھوڑ دیتے)

ان کے قال وحال کا جو نقشہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، کسی گمان وقیاس کا نتیجہ نہیں، بلکہ مدتوں ان سے واسطہ رہا اور قریب سے انہیں دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا۔

چنانچہ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں فارسی کے ایک لیکچرر ہوتے تھے جو وہیں سے پرنسپل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ مجھے چار سال ان سے پڑھنے کا اتفاق ہوا، پھر ان کا رفیق کار اور پھر ان کے ماتحت رہا۔ ہر دور میں چپقلش جاری رہی۔رفیق کار ہونے کے دور میں ایک بار اُن سے چھیڑ چھاڑ ہوگئی تو میں نے دورانِ بحث بات کاٹتے ہوئے پوچھ ہی لیا،

'استاذِ گرامی'! آپ کے پاس بڑی لمبی فہرست ہے کہ حضور ﷺ میں

(معاذ اللہ) فلاں فلاں کمال نہیں تھا، کیا آپ کی نظر میں کوئی کمال تھا بھی؟

فرمانے لگے'ہاں کمال بھی تھے' میں نے عرض کیا' کبھی آپ نے بیان بھی کئے' کہنے لگے'ہاں کرتے ہیں' میں نے کہا'اچھا! پھر اب کر کے دکھائیں' (یعنی کسی کمال کا ذکر) خدا کی قسم! پروفیسر صاحب جو بڑے بڑے علما کو بزعم خود خاطر میں نہیں لاتے تھے، مہر بلب ہو گئے اور ایک جملہ بھی ان کی زبان باطل ترجمان سے ادا نہیں ہوا۔

مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اللہ کریم نے ان کے دل سے ایمان اور ان کی زبان سے ثنائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ الثناء کی توفیق ہی سلب کر لی ہے۔ایسا ہی ایک واقعہ'اشرف السوانح' سے نقل کیا جاتا ہے۔یہ دیو بند کے حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی سوانح عمری ہے۔

> ''اسی طرح دار العلوم دیو بند کے بڑے جلسۂ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے حضور سرور عالم ﷺ کے فضائل بیان کئے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو۔ یہ موقع بھی اچھا ہے کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں۔حضرت والا نے باادب عرض کیا کہ اس کے لئے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایات مجھ کو مستحضر نہیں۔''
>
> (اشرف السوانح جلد ا ص ۷۹)

اس واقعے پر غور فرمایا آپ نے؟ حضور پرنور ﷺ کے فضائل بیان کرنا بزرگان دیو بند کے نزدیک ایمان کا نہیں، مصلحت کا تقاضا ہے۔گویا وہ جب بھی

حضور پرنور ﷺ کی تعریف کرتے ہیں، اللہ کو راضی کرنے کے لئے نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے کرتے ہیں۔ چلو مصلحت ہی کا تقاضا سہی، دیوبند کے حکیم الامت اشرفعلی صاحب تھانوی کو حضور پرنور ﷺ کے فضائل میں ایک آیت بھی یاد نہیں، ایک حدیث تک یاد نہیں۔ یہ ہے مبلغ علم اس کا جو حکیم الامت ہے۔ یقیناً یاد نہیں ہوگی۔ مگر فضائل کے خلاف انہیں ذرا چھیڑ کر دیکھئے، بقولِ غالب

'اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے'

انصاف کیجئے، کیا یہ سب کچھ 'بغضِ رسول' ہی نہیں؟۔ کیا محبت کا یہی تقاضا ہے؟ آیئے اہل محبت کے مدرسے میں اور کسی ابتدائی جماعت کے طالب علم سے پوچھ کر دیکھئے حضور پرنور ﷺ کی شان میں آیتیں؟

وہ آپ کو اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ o سنا دے گا

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ O کی تلاوت کر دے گا

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ o پوری سورت نعت کے مضامین کا سرچشمہ ہے۔

ہمارے ہاں ختم شریف میں ہر چھوٹا بڑا پڑھتا ہے ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیین ۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہاں چھوٹا سا مبتدی اتنی آیات سنا دے گا کہ آپ دنگ رہ جائیں اور دیوبندی کا منتہی بلکہ 'جامع المجدد دین' اور حکیم الامت تک کو جس کی سوانح عمری کا نام بھی 'اشرف السوانح' (یعنی بہترین سوانح عمری) ہے ایک آیت یا حدیث بھی یاد نہیں۔

فرق کیوں؟ ایک مومنوں کا مدرسہ ہے اور دوسرا مصلحت کیشوں کا۔ مومن

ایمان اور اس کے مقتضیات سیکھتے ہیں، یعنی حضور پرنور ﷺ کو جانِ ایمان مانتے ہیں اس لئے ایمان کو مضبوط کرنے کے لئے حضور پرنور ﷺ کی محبت سکھاتے ہیں، منافق نفاق کی اشاعت کرتے ہیں، ان کا اپنا انداز ہے۔

میں نے ایک بار ہزاروں کے مجمع میں پوچھا تھا کہ

''اگر مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی فضیلت بیان کروں تو بتاؤ کسے تکلیف ہوگی، جواب آیا 'دیوبندیوں کو'

پھر پوچھا 'اگر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی مدح وثنا کروں تو کسے تکلیف ہوگی' جواب ملا 'غیر مقلدین کو'

پھر سوال کیا 'اگر اہل بیت رضی اللہ عنہم کی تعریف کروں تو کون جلے گا'؟

کہا گیا 'خارجی'

پھر عرض کیا 'اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی توصیف کروں تو کون کانٹوں پر لوٹے گا'

بولے 'رافضی'

آخر میں پوچھا 'بتایئے جب میں حضور پُرنور شافع یوم النشور ﷺ کی نعت پڑھوں، فضائل بیان کروں، کمالات کا چرچا کروں تو کسے رنج ہوگا'

سب نے بلند آواز سے کہا 'کافر کو'

بالکل ٹھیک ہے، یقیناً کافروں کی دو ہی قسمیں ہیں

جو علانیہ کفر کا اقرار کرے وہ کافر'

اور جو زبان سے ایمان اکا اقرار کرے مگر دل میں انکار رکھے وہ منافق، منافق نماز بھی پڑھ لیتا ہے، روزہ بھی رکھتا ہے، صدقات بھی دیتا ہے، بظاہر پابند

سنت بھی ہوتا ہے، مگراس کے باوجود منافق کا منافق ہی رہتا ہے۔
کیونکہ خدااور رسول ﷺ کی رضا کی بجائے 'مصلحت' ہی اس کا مقصود ہوتی ہے۔

بات چلی تھی حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ امتی کے تعلق کی، تو ظاہر ہے اس کی علامت کمالاتِ رسالت کا اقرار ہے۔ جنہیں دیکھ کر کافر دائرۂ ایمان میں آتے تھے۔ اوراس تعلق کو مضبوط کرنا ہے تو حضور پرنور ﷺ کی بارگاہ میں فریاد کرو، راحت و رنج میں انہیں پکارتے جاؤ، کسی حال کو اُن سے اوجھل نہ جانو اور کسی وقت انہیں بے خبر نہ سمجھو، لہذا

نعرۂ رسالت جو بڑے اہتمام سے امت میں جاری و ساری کیا گیا، پھر اسے بڑے اہتمام سے زندہ رکھا گیا (جیسا کہ گذشتہ قسط میں گزرا) اور ہر دور میں گونجتا رہا، لگاتے جاؤ، لگاتے جاؤ۔

توحیدٗ اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
20
صفحہ نمبر 374
توحیدٗ اور محبوبانِ خدا کے کمالات

منصب نبوت:

مختصر یہ کہ ایمان کے پھلنے پھولنے اور عقیدۂ توحید کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لئے ضروری تھا کہ امت کا اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ رابطہ رہے اور یہ رابطہ غائبانہ قسم کا نہ ہو بلکہ اس عقیدے کے ساتھ ہو کہ نبی اپنی خداداد قوتوں کے ساتھ امت کو ہر آن ملاحظہ فرماتا ہے، ان کی فریاد بلکہ ہر بات سنتا ہے، ہر آڑے وقت ان کے کام آتا ہے، اُن کی حفاظت فرماتا ہے، اور بوقت ضرورت اُن کی رہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے۔ پھر امت کا اپنے نبی پاک سرور لولاک ﷺ کے ساتھ یہ رابطہ و تعلق کسی وقت سے مخصوص نہیں بلکہ جب تک نبی نبی ہے اور امت امت ہے، (یہ رابطہ و تعلق) یونہی رہے گا۔ اللہ کے حبیب اکرم ﷺ کے بارے میں قرآن حکیم نے یہ عقیدہ اس وضاحت سے دیا کہ خلوص کے ساتھ آیات بینات کی تلاوت کرنے والے کے لئے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ مثلاً عظیم الشان رسول ہونے کے ناتے حضور پرنور ﷺ کے منصب کی وضاحت یوں فرمائی گئی

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

(آل عمران: ۱۶۴)

ترجمہ: بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا

ہے۔اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی میں تھے (کنزالایمان)

خیال فرمایئے مومنوں پر اللہ کا احسان یہ ہے کہ انھیں اس رسول سے وابستہ کیا جو ان پر تلاوتِ آیات فرماتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے مگر یَتلُوا یُزَکِّی اور یُعَلِّمُ مضارع کے صیغے ہیں، لہٰذا جس طرح رسول حال و مستقبل کا بھی رسول ہے یونہی ان صیغوں کا تعلق بھی حال و مستقبل دونوں سے ہے۔گویا یہ نبی اکرم ﷺ

مومنوں پر آیات تلاوت کرتا ہے اور کرے گا

اور اُنہیں پاک فرماتا ہے اور فرمائے گا

نیز انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور سکھائے گا

اسی مضمون کو مزید وضاحت سے قرآن حکیم میں یوں بیان فرمایا

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (الجمعہ:۲،۳)

ترجمہ: وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور اُنہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔اور ان میں سے اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں جو ان اگلوں سے نہ ملے اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

غور کیجئے کیا ہی دوٹوک انداز ہے کہ حضور پرنور ﷺ نزول قرآن پاک کے دور میں موجود مسلمانوں کو بھی تلاوت وتزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت سے نوازتے ہیں اور جو بعد میں آنے والے ہیں، انہیں بھی اسی طرح ان نعمتوں سے مالامال کریں گے۔ قرآن پاک نے حضور پاک ﷺ کو 'شہید' بھی فرمایا، طرز بیان یہ ہے

وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (البقرہ:۱۴۳)

ترجمہ: اور رسول تمھارے گواہ ہو جائیں

اس کی تفسیر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ کے قلم حقیقت رقم سے سیکھئے، آپ فرماتے ہیں:

ترجمہ: تمھارا رسول تم پر گواہی دے گا کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کون سا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رکی ہوئی ہے۔ پس وہ تمھارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں، تمھارے ایمان کے درجوں کو، تمھارے نیک وبد سارے اعمال کو اور تمھارے اخلاص اور نفاق کو بھی خوب جانتے ہیں۔

یہ ہے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا فہم قرآن۔ ان کے نزدیک قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کا حال بالتفصیل حضور پرنور ﷺ کے سامنے ہے۔ حضور پرنور ﷺ کے 'گواہ' ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی مومن کا ایمان، کسی بھی کافر کا کفر اور کسی بھی منافق کا نفاق آپ کی چشم حق بیں وہمہ بین سے اوجھل نہ ہو، بلکہ کوئی مومن اگر روحانی مدارج طے کرتا ہوا کسی خاص مقام پر رک گیا

تو حضور شہیدِ اعظم ﷺ کو اس خاص مقام کا بھی علم ہے اور رکاوٹ کے سبب کا بھی، بلکہ جس انسان کے دل میں جب بھی اور جو وسوسہ بھی پیدا ہوگا، حضور پرنور ﷺ اُسے جانتے ہیں، اور دیکھتے ہیں۔ اور یہ کمال علم اور وسعت نظر کیوں حاصل ہے، اس لئے کہ آپ نبی ہیں اور یہ سب کچھ نورِ نبوت سے ہی ملاحظہ فرماتے ہیں۔

مومنانہ اور منافقانہ سوچ:

ایک یہ فخر المحدثین ہیں جو حضور پرنور ﷺ کے اس کمال علم کو لفظ 'شہید' کے حوالے سے بیان فرما رہے ہیں اور ان کے نزدیک اس کی بنیاد 'نورِ نبوت' ہے اور ایک ہمارے دور کے بعض 'منچلے مفسرین' ہیں جو 'نبی' کی نبوت کا اقرار کر کے بھی اس تمام وسعت علم ونظر کے منکر ہیں بلکہ نبی کے بارے میں اس قسم کے عقیدے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ آخر یہ فرق کیوں؟ محض اس لئے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ حضرت شاہ عبدالرحیم اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہما الرضوان جیسے عاشقانِ رسول کی اولاد میں سے تھے اور عشق و مستی کی فضا میں پرورش پا کر انوارِ قرآن بلکہ اسرارِ قرآن سے آراستہ تھے۔ محبوبانِ خدا کے کمالات کا انکار کرنے والے عموماً کسی تاریک فضا میں آنکھ کھولتے ہیں اور ایسے ہی بے نور ماحول میں پرورش پاتے ہیں، گویا اگر گھر کے ماحول میں انہیں عشقِ رسول ﷺ کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تو جس 'علمی' ماحول میں تربیت حاصل کرتے ہیں وہ بھی بغض رسول ﷺ کی بنا پر اتنا تاریک ہوتا ہے کہ توحید اور شرک کا فرق تک سجھائی نہیں دیتا۔ ایسی گندہ اور پراگندہ فضا میں شرک و توحید اور کفر و ایمان باہم گڈمڈ ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات اس سنڈاس سے بھری ہوئی تاریک فضا سے باہر نکلتے ہیں تو بھی

دل کی تاریکیاں اور روح کی ویرانیاں بدستور قائم رہتی ہیں۔ چنانچہ

ان کے چہرے، نحوست کا 'مینار'
ان کے سینے ظلمتوں کے غار
ان کی بولی سخت دلآزار
اوران کی صحبت ازحد بدبودار

ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (النور۔۴۰)

ترجمہ: (اندھیرے ہیں، ایک پر ایک)

کے یہ نقیب وعظ فرماتے ہیں تو ان کے ایک ایک نقطے پر دل سے آواز آتی ہے

'اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی'

خیر، چھوڑیئے! ان بدنصیبوں کا ذکر جو ایمان کے مدعی ہو کر بھی ایمان سے خالی اور توحید کا شور مچا کر بھی توحید سے تہی دامن ہوتے ہیں۔ سچ فرمایا حضرت حسن رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے

نجدیا سخت ہی گندی ہے طبیعت تیری
کفر کیا شرک کا فضلہ ہے نجاست تیری

گواہ ونگہبان: آیئے اہل ایمان کی طرف، وہ قرآن پاک سے سید المحبوبین حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کے بارے میں کیا سیکھتے ہیں۔ آپ نے اوپر ملاحظہ فرمایا 'شہیدً' سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ کا اخذ کیا ہوا سرمایہ محبت وعقیدت۔ بعض دوسرے مفسرین نے 'علیکم' سے ایک اور نکتہ بھی نکالا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عربی میں اگر لفظ شہید کا صلہ علیٰ ہو یعنی شہید کے ساتھ علیٰ آئے تو مراد ہوتی ہے خلاف گواہی دینے والا۔ اس طرح علیکم شہیداً کا ترجمہ بنتا

ہے 'تم مسلمانوں کے خلاف گواہی دینے والا'۔ حالانکہ ظاہر ہے حضور پرنور ﷺ اپنی امت پر از حد بلکہ خدا کے بعد سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ قرآن پاک میں ہے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌO (التوبۃ: ۱۲۸)

ترجمہ: مسلمانوں پر کمال مہربان ہیں

بالیقین جو آقا رحمۃ للعالمین یعنی سب جہانوں کے لیے رحمت بن کے تشریف لایا ہے، وہ اپنی امت کے لئے تو یقیناً خدا کے بعد ہر مہربان سے زیادہ مہربان ہے۔ لہٰذا علیٰ خلاف گواہی دینے کے مفہوم میں نہیں ہوسکتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ شہید کے ضمن میں رقیب (محافظ) کا مفہوم بھی شامل ہے اور رقیب کا صلہ علیٰ ہی ہوتا ہے اب اس آیت کے الفاظ

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

کا ترجمہ وہی ہوگا جو اعلیحضرت مجدد ملت فاضل بریلوی قدس سرہ نے فرمایا ہے

یعنی 'اور ہوں یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ'

ہاں ہاں حضور پرنور ﷺ کی نگہبانی کا یہ فیض ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی امت اسلام دشمنوں کی ہزار ہا سازشوں کے باوجود اپنے مرکز سے وابستہ ہے اور اس کی غالب اکثریت کا ایمان محفوظ ہے۔ یہ جو فرمایا گیا تھا

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ، فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ

(ابن ماجہ: المستدرک، باب لا یجمع اللہ ھذہ الامۃ علی الضلالۃ ابدا جلد ۱ ص ۱۱۵، مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۳۰)

ترجمہ: بڑی جماعت کی پیروی کرو، اور بیشک جس نے سواد اعظم کو چھوڑا،

وہ تنہا ہی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

اور

يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ

(ترمذی: المستدرک باب من شذ شذ فی النار جلد:۱ص۱۱۶،ترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعۃ جلد:۲ص۳۹،مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص۳۰)

ترجمہ:۔ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو جماعت سے جدا ہو گیا، وہ تنہا ہی آگ میں ڈالا جائے گا۔

یقیناً حضور پرنور ﷺ کی برکت ہی تو ہے کہ اللہ کا دستِ قدرت و رحمت اس امت کو مصائب و آلام سے محفوظ رکھتا ہے۔ ہاں ہاں یہ امت اللہ کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ہے، اللہ کو اس سے بہت پیار ہے اور وہی اس کا محافظِ حقیقی ہے مگر قرآن پاک کی رو سے یَدُ اللّٰہِ (یعنی اللہ کے ہاتھ) کی ایک مخصوص تعبیر بھی ہے۔ سورۃ الفتح میں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ج (الفتح:۱۰)

ترجمہ:۔ وہ جو تمھاری بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

(کنز الایمان)

تو جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے تو ظاہر ہے جماعت پر اللہ کا ہاتھ بھی ہے اور پیارے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا ہاتھ بھی۔ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ سوادِ اعظم (یعنی

امت کی سب سے بڑی جماعت) کا محافظ ہے اور اس کا حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی۔ اللہ کے محافظ ہونے کا تو کسی کو انکار نہیں مگر اس کی صورت کیا ہے، یہی نا کہ اس کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس امت کے محافظ ہیں، دیکھئے اور غور کیجئے اوپر کے قرآنی جملوں پر، جن کا حاصل یہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت ہونے والے اللہ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہے ہیں۔ دیکھنے میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاتھوں پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ہاتھ ہے مگر یہی تو وہ ہاتھ ہے جسے خدا تعالیٰ اپنا ہاتھ فرما رہا ہے گویا کوئی اللہ کے دستِ قدرت پر بیعت ہونا چاہے تو کیا کرے، اُس کے محبوبِ اعظم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ہو جائے۔ یوں ہی اسی کی مزید وضاحت کے لیے قرآن پاک کے ان الفاظ پر بھی غور کیجئے

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ج (الانفال۔١٧)

ترجمہ:۔ اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔ (کنزالایمان)

حفاظت کی برکات: حضور ﷺ نے مٹھی بھر خاک نہیں پھینکی جب حضور ﷺ نے پھینکی تو پھر کس نے پھینکی ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے۔

ان جیسے ارشادات کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ حضور پرنور ﷺ کا دستِ مبارک واقعی اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت کا نمائندہ ومظہر ہے۔ ایک ہی کام بظاہر حضور ﷺ کا ہے، بباطن اللہ تعالیٰ کا، سو حضور ﷺ کی امت کے بڑے گروہ پر بظاہر حضور پرنور ﷺ کا دستِ رحمت ہے، بباطن اللہ تعالیٰ کا، حضور ﷺ بھی اس کے نگہبان ہیں مگر مجازاً اور اللہ تعالیٰ بھی اس کا محافظ ہے مگر حقیقی طور

پر۔سو قرآن پاک نے حضور ﷺ کو علیکم شہیداً فرما کر جو عقیدہ دیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ اپنی پیاری امت کے گواہ بھی ہیں اور محافظ بھی اور جب آپ اپنی امت کے محافظ ہیں تو وہ کیوں نہ رنج و راحت میں اپنے نبی ﷺ کی دہائی دے، اس کی عظمتوں کے گیت گائے، اس کی رحمتوں کے ترانے الاپے، اس پہ نثار ہو جائے۔راحت ملے تو اسے رحمۃ للعالمین ﷺ کا صدقہ سمجھے، دکھ آئے تو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ کی میں فریاد کرے۔حق یہ ہے کہ قرآن پاک کے سکھائے ہوئے یہ عقیدے امت کے رگ و ریشہ میں سمائے ہوئے ہیں اور چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود یہ پرانے نہیں ہوئے۔وقت کے فرعونوں نے اپنی اپنی قوت صرف کردی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے امت کا رابطہ توڑنے کیلئے مگر چند احمق لوگوں کے سوا کسی پر ان کا تیر نہ چلا، شیطان نے اپنے سارے چیلے چانٹوں کو امت کے دل سے اس کے نبی پاک ﷺ کا پیار نکالنے پر لگا دیا، مگر کامیاب نہ ہوا۔حضرت اقبال علیہ الرحمۃ کے بقول ابلیس لعین کی اپنے شاگردوں کے لئے سب سے بڑی تلقین یہی ہے کہ

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

مگر حق یہ ہے کہ جس امت کی حفاظت حضور پرنور ﷺ فرما رہے ہیں اس کو کیا کھٹکا ہو سکتا ہے۔کتنی عجیب حقیقت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام چند روز کیلئے طور پر جائیں اور اُن کی امت حضرت ہارون علیہ السلام کے موجود ہوتے ہوئے بھی اور ان کے روکنے کے باوجود بچھڑے کو معبود بنا لے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے دلکشا معجزات دکھا کر آسمانوں پر چلے جائیں تو عیسائی امت دیکھتے ہی دیکھتے توحید

سے دست بردار ہو کر تثلیث کا شکار ہو جائے، ایک یہ اللہ کے محبوب اعظم ﷺ ہیں کہ صدیاں بیت گئیں امت کے عقائد و نظریات بحمدہ تعالیٰ روز اول کی طرح محفوظ ہیں۔ شیطان نے اس صورت حال کو دیکھا تو جان گیا کہ نبی ﷺ کی حفاظت و نگہبانی کے مقابلے میں ساری چالیں بیکار ہیں تو کچھ خودسر خود پسند لوگوں کو گستاخی رسول پر آمادہ کرلیا اور اپنے ان انسانی شاگردوں کے ذریعے یہ تصور عام کرنے کی کوشش کی کہ نبی دور سے دیکھتے نہیں، دور کی سنتے نہیں، کسی کے کام نہیں آسکتے، کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتے اور انہیں دیکھنے، سننے، کام آنے والا مانیں تو شرک ہو جاتا ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب اعظم ﷺ نے یہاں بھی اسے ذلیل کیا اور دوٹوک انداز میں اپنے ماننے والوں کو تسلی دی کہ

اِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْهَا (بخاری کتاب الجنائز: باب الصلوٰۃ علی الشہید جلد: ۱ص ۱۷۹ مسلم کتاب الفضائل باب اثبات حوض نبینا وصفاتہ جلد ۲: ص ۲۵۰)

ترجمہ: واللہ مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تمھارے بارے میں یہ خوف ضرور ہے کہ حصول دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرو گے۔

دیکھیے، حضور پرنور ﷺ قسم کھا کر امت کے مشرک نہ ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ نہیں، نہیں یہ فرمان 'الصادق' اور 'الامین' کا ہے۔ لہذا یہی نہیں کہ امت شرک نہیں کرے گی، بلکہ شرک نہیں کر سکے گی۔ یہ بھی نہیں فرمایا کہ کفر نہیں

کرے گی یا نفاق سے بچی رہے گی۔ خصوصیت سے شرک نہ کرنے کا ذکر اسی لئے فرمایا کہ نگاہِ نبوت میں کچھ ایسے لوگ ضرور تھے جنھیں پوری امت کے معمولات کو شرک سے تعبیر کرنا تھا، اللہ کے پیارے حبیب ﷺ جن سے ماضی و مستقبل کی بھی کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے، گویا انھیں کے پیش نظر فرما رہے ہیں کہ اس قسم کے لوگ جو امت کی عاشقانہ و مستانہ اداؤں کو شرک کہیں گے، خود ہی ایمان اور توحید کے نور سے خالی ہوں گے، ورنہ مجموعی طور پر امتِ مسلمہ، ایمان و اسلام پر قائم ہی رہے گی۔ پوری امت کو مشرک کہنے والے لوگ پوری امت کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں، ان کا بدلنا اور ان کا بگڑنا بھی دراصل اسی لئے ہے کہ انھوں نے گستاخی و بے ادبی کا ارتکاب کر کے حضور پاک ﷺ کے حفاظتی حصار سے باہر چھلانگ لگا دی اور شیطان کی چال میں آگئے۔ ضرب المثل ہے، لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ (اکثریت پر کل کا حکم ہی عائد ہوتا ہے) ہاں یہی چند ایک ہیں جنہیں کافر کہہ لیں، منافق کہہ لیں، مشرک کہہ لیں یا مرتد کہہ لیں، کیونکہ انھوں نے حضور پرنور ﷺ کے ادب سے منہ موڑا اور ہمیشہ کے لئے مردود ہو گئے۔ حق یہ ہے کہ شیطان اپنے بندوں کو اسی راہ سے تباہ و برباد کرتا ہے اس کی اپنی آپ بیتی کا یہی نچوڑ ہے کہ ہزاروں لاکھوں سال بارگاہ خداوندی میں سجدہ ہائے نیاز لٹانے والا اگر اللہ کے خلیفے کو 'سجدہ' نہ کرے تو پہلا کیا دھرا سب اکارت جاتا ہے اور معلم الملکوت (یعنی فرشتوں کا استاد) ہونے کے باوجود وہ مردود و رجیم قرار پاتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ہم مزاج لوگوں کو پہلے متکبر کرتا ہے پھر انھیں اللہ کے پاک بندوں کی ہمسری کا دعوی سکھاتا ہے پھر ان کے تمام امتیازی اوصاف و کمالات کے انکار پر انہیں کمربستہ کرتا ہے اور جب تک انہیں اپنی طرح راندۂ درگاہ نہ کرا لے، چین

سے نہیں بیٹھتا۔

مختصر یہ کہ حضور پرنور ﷺ اپنی امت کے گواہ اور نگہبان ہیں۔ حضور پرنور ﷺ کی نگہبانی کی یہ برکت ہے کہ امت کا سوادِ اعظم گمراہی سے محفوظ ہے اور سوادِ اعظم سے کٹ کر جو لوگ ادھر ادھر ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں، جس طرح امت کے مجموعی طور پر ایمان پر قائم رہنے کی بار بار مختلف الفاظ میں پیشگوئی کی گئی ہے، یونہی ان دوسروں کے گمراہ ہونے کی صراحت بھی ہو چکی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ یوں فرمایا،

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْراً فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ (ابوداؤد: مسند احمد جلد: ۵ص ۱۸۰، المستدرک جلد ا: ص ۱۱۷ باب من فارق الجماعۃ)

ترجمہ:۔ جو جماعت سے ایک بالشت بھی ہٹا، اس نے اسلام کا پٹا اپنی گردن سے اتار دیا۔

ایک اور حدیث پاک میں نہایت ہی دوٹوک انداز اختیار کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر ابن کثیر کی دوسری جلد میں ہے (اردو ترجمہ)

''حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمھارے بارے میں مجھے جن امور کا خدشہ ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایسا آدمی ہوگا جو قرآن بہت پڑھے گا حتیٰ کہ وہ قرآن کی رونق سے پوری طرح سیراب ہوگا۔ اس کا اوڑھنا بچھونا بھی اسلام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے کسی ایسے عیب یعنی زعم میں مبتلا کر دے گا کہ قرآنی اثرات

سے محروم ہو جائے گا۔ پھر وہ شخص قرآن کو پس پشت ڈال کر ارد
گرد کے (مسلمان) لوگوں پر انہیں مشرک کہتے ہوئے تلوار
کھینچ لے گا۔ میں نے پوچھا ان دونوں میں فی الواقع مشرک
کون ہوگا، کہنے والا یا جسے مشرک کہا گیا؟۔حضور ﷺ نے
فرمایا 'دوسرے کو مشرک کہنے والا خود مشرک ہوگا'۔

باغیوں کی نشاندہی: امت کا یہ 'حزب اختلاف' بہت پرانا نہیں، ابھی دو صدیاں پہلے جہاں سے اس کا سرچشمہ پھوٹا تھا، اس علاقے کا نام 'نجد' ہے۔ اس کی نشان دہی بھی حدیث مبارک میں متعدد مقامات پر کر دی گئی مثلاً جب حضور ﷺ نے شام و یمن کے لئے برکت کی دو بار دعا فرمائی

'اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ شَامِنَا وَ یَمَنِنَا

(اے اللہ ہمارے شام اور ہمارے یمن میں ہمارے لئے برکت نازل فرما) تو بعض نے کہا، حضور ہمارے نجد میں بھی (وَفِی نَجْدِنَا) تو حضور ﷺ نے تیسری بار نجد کے بارے میں فرمایا

هُنَاکَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا یَطْلُعُ قَرْنُ الشَّیْطٰنِ

(بخاری: کتاب باب الفتن قول النبی الفتنہ من قبل المشرق جلد ۲، ص ۱۰۵۱)

ترجمہ:۔ وہاں زلزلے اور فتنے بپا ہوں گے اور اسی سے شیطان
کا سینگ یا گروہ نکلے گا۔

جس علاقے میں زلزلوں اور فتنوں کے پیدا ہونے اور شیطانی گروہ کے سر اٹھانے کی پیشگوئی کی گئی ہے، یہی نجد ہے۔ اسی سرزمین میں محمد ابن عبدالوہاب پیدا ہوا جس نے ان تمام لوگوں کو جو اُس کے پیرو نہ ہوئے مشرک کہا۔ اسی ابن

عبدالوہاب کی نسبت سے محبوبان خدا کے کمالات وتصرفات کے منکروں کو وہابی اور اس کے علاقہ نجد کی وجہ سے نجدی کہا گیا۔ انہیں زلزلوں اور فتنوں کا اثر ہے کہ جہاں جہاں پہنچے مزار تو مزار رہے، بعض عظیم وقدیم مسجدیں بھی شہید کردی گئیں اور یہ سب کچھ توحید کے نام پر ہوا۔ جس 'توحید' سے مسجدیں بھی سلامت نہ رہیں، اس کی حقیقت کو سمجھنا مشکل نہیں۔ مزار بھی شعائر اللہ میں داخل ہیں مگر مسجدوں کے شعائر اللہ ہونے میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں، جب انہیں بھی نہ 'بخشا گیا' تو عام مسلمان کس کھاتے میں، سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری وابدی کتاب میں

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○ (الحج۔۳۲)

ترجمہ: اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔' (کنزالایمان)

فی الواقع! یہ مسجدوں، مزاروں اور مسلمانوں کو شہید کرنے والے لوگ قلبی تقوی سے محروم تھے، ان کا تقوی زیادہ سے زیادہ شکل وصورت تک ہی تھا۔ جب یہ رسول اللہ، نبی اللہ اور خلیفۃ اللہ کی تعظیم کو شرک سمجھتے ہیں تو شعائر اللہ کی تعظیم کیوں کرنے لگے۔ ان سے ایسی توقع فضول، بلکہ ان کی سینہ زوری دیکھئے، قرآن پاک جس تعظیم کو قلبی تقویٰ کا ثمرہ قرار دیتا ہے، اسی کو یہ شرک کہتے ہیں۔ کتاب وسنت سے ان کے فکر کا تضاد ہر کہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ انصاف کیجئے اس قسم کے لوگ اگر قرآن یا حدیث کا نام لیتے ہیں تو محض مصلحت کے طور پر ہے، ورنہ ان کے نزدیک یہ دونوں (قرآن وحدیث) شرک سکھاتے ہیں۔ گذشتہ اوراق میں کئی ایسی آیات اور احادیث آپ نے ملاحظہ کرلی ہیں جن کا مضمون وہابی نقطۂ نظر سے مشرکانہ

ہے۔مگر کیا کریں قرآن کے متن پر ان کا بس نہیں چلتا۔اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ہاں احادیث شریفہ بدلنے کی کوشش جاری رکھے ہوئے ہیں۔حج کے دوران سنا تھا کہ مکۂ معظمہ میں باقاعدہ ایک ایسا محکمہ ہے جس کا کام ہی پرانی تفاسیر وغیرہ سے تمام ایسی احادیث اور عبارات کی جو وہابی عقائد کے خلاف ہوں چھانٹی کرنا ہے۔پاکستان میں بھی سنا ہے ایسا ہیر پھیر شروع ہو چکا ہے۔

نبی غافل نہیں ہوسکتا:

بات چلی تھی حضور پرنور ﷺ کے لطف و کرم سے جو پیہم امت کے شامل حال ہے اور امت کے رابطے سے جو اُس کا اپنے نبی ﷺ سے ہے۔بیان کیا جارہا تھا کہ حضور پرنور ﷺ امت کے گواہ اور نگہبان ہیں اور یہ قرآنی عقیدہ امت کے ایمان کی جان ہے۔صحابہ کرام سے تابعین نے ،اُن سے تبع تابعین اور ان سے بعد کے عوام وخواص نے سیکھا۔فقہاء ومحدثین اور صوفیہ ومجددین سب نے اپنے علم وعرفان کی روشنی میں اس عقیدے کی صداقت واہمیت پر زور دیا۔مثلاً شیخ المجددین امام ربانی حضرت شیخ مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

چوں نبی در رنگ شبانِ امت است درمحافظت امت خود

غفلت شایان منصب نبوت اونباشد

(مکتوبات امام ربانی،دفتر اول مکتوب ۹۹)

ترجمہ:۔چونکہ نبی اپنی امت کی حفاظت میں شبان کی طرح ہیں

تو پھر غفلت منصب نبوت کے مناسب نہیں۔

دیکھئے حضور ﷺ کی حفاظت امت کے سلسلے میں حضرت شیخ مجدد کا

عقیدہ کتنا دوٹوک ہے۔آپ گویا فرما رہے ہیں کہ گڈریا اپنے ریوڑ سے غافل ہو جائے تو اس کی حفاظت کیونکر ہو گی، یونہی بفرض محال اگر اللہ کا نبی ﷺ اپنی امت سے غافل ہو جائے تو وہ بھی غیر محفوظ ہو جائے گی۔ایک یہ نقطۂ نظر کہ امت سے ایک لمحے کے لیے غافل ہونا بھی منصب نبوت کے لائق نہیں، اور دوسرا یہ کہ نبی کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں ہوتا اور اگر دیوار کے پیچھے کا علم مان لیں تو شرک ہو جائے گا

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

جب حضور ﷺ کسی وقت بھی امت کے حال سے غافل نہیں بلکہ ہر وقت اس کی حفاظت فرماتے ہیں، تو ظاہر ہے امت جب بھی اور جس مصیبت میں بھی اپنے نبی ﷺ کو پکارے گی، انہیں دادرس اور فریادرس پائے گی

خلق کے دادرس، سب کے فریادرس
کہف روز مصیبت پہ لاکھوں سلام

چونکہ یہ حفاظت امت منصب نبوت کا تقاضا ہے اس لئے

فریاد امتی جو کرے حال زار میں
ممکن نہیں کہ خیر البشر کو خبر نہ ہو

حضور پُرنور ﷺ ساری مخلوق کے اسی طرح رسول ہیں، جس طرح رب سب کا رب ہے۔خود فرماتے ہیں

أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً

(مسلم شریف: جلد:۱ص ۱۹۹ کتاب المساجد باب الصلوٰۃ فی ثوب واحد۔ترمذی جلد:۱ص ۱۸۸ کتاب السیر ،مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ ص ۵۱۲)

ترجمہ: میں ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

بلکہ قرآنی الفاظ رحمۃ للعالمین اور نذیرا للعلمین میں بھی یہ مفہوم شامل ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے دائرہ بعثت میں انسانوں کے بعض قبائل نہیں بلکہ سارے انسان بلکہ ساری مخلوق داخل ہے، یہاں تک کہ انبیائے کرام اور رسل عظام علیہم السلام بھی شامل ہیں گویا آپ رسولوں کے رسول ہیں اور نبیوں کے نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ ان سب کو حضور ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا علم تھا، اس لئے سب وقت ضرورت حضور ﷺ کو پکارتے رہے، بارگاہ خدا میں آپ کا وسیلہ پیش کرتے رہے اور اپنی اپنی امتوں کے سامنے آپ کی عظمت شان کے گیت گاتے رہے۔ ظاہر ہے کہ قرآنِ حکیم میں سب کا تفصیلی ذکر تو کیا، سب انبیاء کے نام تک مذکور نہیں ہوئے اور جن کے نام آئے، ان کے بھی چند ضروری واقعات ہی بیان کئے گئے، تفصیلی سوانح نہیں اور نہ ایسا ممکن ومقصود ومفید تھا۔ پھر قرآنِ پاک اور حدیث شریف سے بھی عقائد ومسائل اخذ کرنے میں سب برابر نہیں نیز ان کی تفسیرات وتشریحات میں بھی سب برابر نہیں۔ پھر یہ بھی ممکن بلکہ واقع ہے کہ کسی زمانے میں تفسیر وحدیث کی بعض کتابیں عام ملتی ہوں، اور کسی بعد کے زمانے میں وہ نایاب ہو جائیں۔ یہ ساری باتیں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام تابعین، اور ائمۂ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کوئی ارشاد مل جائے تو وہ بھی ہمارے لئے حجت ہونا چاہئے اگرچہ اس کے اصل ماخذ کا ہمیں علم نہ ہو۔

امام اعظم کا عقیدہ: انبیائے کرام حضور پرنور ﷺ کو اپنے دَور میں پکارتے رہے اور آپ کا وسیلہ پیش کرتے رہے، اس سلسلے میں حضرت سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لکھا ہوا ''قصیدہ النعمان'' ہمارے سامنے ہے۔ اہ لوگ

جو بات بات میں صحاح ستہ کے حوالے کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ اُن کے ذوق کی چیز نہیں، لیکن میں عرض کردوں دور تابعین سے جسے 'امام اعظم' کہا جاتا رہا ہے، وہ ایسی معمولی شخصیت بھی نہیں کہ ماوشما خواہ مخواہ اس کے انکار کی جرأت کرسکیں۔ غیر مقلدین میں منہ پھٹ لوگوں کی کمی نہیں مگر ان کے علاوہ ایسے بھی ہیں جنھوں نے ان بزرگوں کی عظمت کا اعتراف کیا ہے اور اسے بڑی سعادت سمجھا ہے۔ مثلاً تاریخ اہلحدیث میں مولنا محمد ابراہیم میر صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں:

''ہر چند کہ میں سخت گناہگار ہوں لیکن یہ ایمان رکھتا ہوں اور اپنے صالح اساتذہ جناب مولانا ابوعبداللہ عبیداللہ غلام حسن مرحوم سیالکوٹی اور جناب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کی صحبت وتلقین سے یہ بات یقین کے رتبے تک پہنچ چکی ہے کہ بزرگان دین خصوصاً حضرات ائمہ متبوعین رحمہم اللہ سے حسن عقیدت نزول برکات کا ذریعہ ہے۔ اس لئے بعض اوقات خدا تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے کوئی فیض اس ذرہ بے مقدار پر نازل کردیتا ہے۔ اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کیلئے کتب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پہ کچھ غبار آ گیا۔ جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب

سورج پوری طرح روشن تھا۔ یکا یک میرے سامنے گھپ
اندھیرا چھا گیا گویا ظلمت بعضھا فوق بعض کا نظارہ ہوگیا۔ معاً
خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب
سے بدظنی کا نتیجہ ہے، اس سے استغفار کرو۔ میں نے کلمات
استغفار دہرانے شروع کئے۔ وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے
اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات
کردیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحب سے حسن
عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی اور میں ان شخصوں سے جن کو حضرت
امام صاحب سے حسن عقیدت نہیں کہا کرتا ہوں کہ میری اور
تمھاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرینِ
معارجِ قدسیہ آنحضرت صلعم سے خطاب کرکے فرماتا ہے
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى میں نے جو کچھ عالم بیداری اور
ہوشیاری میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔
هٰذَا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْهِدَايَة (۵۲،۵۱)

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ حافظ ذہبی نے امام ابو
حنیفہ کو امام اعظم کہا ہے اور امام یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے
فرمایا امام ابوحنیفہ میں کوئی عیب نہیں اور آپ کسی برائی سے متہم
نہیں۔ (ص ۴۱)

نوٹ: صلعم لکھنا بدعت ہے پورا ﷺ لکھنا چاہئے

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و رفعت غیر مقلد محقق علامہ محمد ابراہیم میر صاحب کی تحریر کے آئینے میں دیکھنے کے بعد آیئے اب آپ کے چند اشعار کا مطالعہ کریں۔ آپ حضور ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں عرض کرتے ہیں ساتھ ہی راقم الحروف کا منظوم ترجمہ بھی دیکھ لیجئے

بِکَ الْخَلِیْلُ دُعَا فَعَادَتْ نَارُهٗ

بَرْداً وَّ قَدْ خَمِدَتْ بِنُوْرِ سَنَاکَا

(خلیل اللہ نے حضرت کے صدقے سے دعا جب کی

بجھی تھی آپ ہی کے نور سے وہ آتش سوزاں)

وَدَعَاکَ اَیُّوْبُ لِضُرٍّ مَّسَّهٗ

فَاُزِیْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِیْنَ دُعَاکَ

(پکارا آپ کو ایوب نے جوش مصائب میں

ہوئے غم دور سارے چھٹ گئے آلام کے طوفاں)

وَکَذَاکَ مُوْسٰی لَمْ یَزَلْ مُتَوَسِّلاً

بِکَ فِی الْقِیَامَةِ یَحْتَمِیْ بِحِمَاکَا

(کلیم اللہ دنیا میں تھے حضرت ہی کے متوسل

قیامت میں بھی حضرت ہی کا تھامیں گے سر داماں)

انبیاء کرام علیہم السلام کے توسل اور ندا وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فریاد و استمداد کے واقعات ہیں، اسی طرح جنگلی جانوروں کا بارگاہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں داد پانا مذکور ہے۔ مگر یہ سب

کچھ ضمنی چیزیں ہیں۔ یہاں مقصود صرف یہ تھا کہ جو جو بھی حضور پرنور ﷺ کو اللہ کا رسول اور رحمۃ للعالمین جانتا ہے، مخلوق میں آپ کو آخری امید گاہ سمجھتے ہوئے فریاد کرتا ہے، داد پاتا ہے۔ اور غور کریں تو ظاہر ہے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی امتوں کو حضور ﷺ کے دیگر فضائل و کمالات آپ کی رحمتِ عامہ اور دادرسی و فریاد رسی کا تعارف بھی کراتے تھے۔ چنانچہ انتہائے شوق میں اُن کی مجلسوں میں نعرۂ رسالت اسی طرح لگتا تھا جیسے آج متعارف ہے۔ چنانچہ انجیل برناباس (انگریزی) میں ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے ایک وعظ سے متاثر ہوکر لوگ پکار اٹھے۔

O God ! send us thy messenger.O Mohammad,come quickly for the salvation of the world (Chapter 97)

ترجمہ:۔ اے خدا اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج۔ یارسول اللہ! دنیا کی نجات کے لئے جلدی تشریف لائیے۔

توحیدٗ اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
21
صفحہ نمبر 396
توحیدٗ اور محبوبانِ خدا کے کمالات

خیال یہ تھا کہ اب ایسے مشہور واقعات بیان کئے جائیں جن کی شہرت گویا تواتر کے درجے تک پہنچ چکی ہے اور جو سب محبوبانِ خدا کے توسل کے گرد گھومتے ہیں مگر اچانک ایک دوست تشریف لے آئے اور فرمانے لگے۔ ہماری قوم میں ایک ؛و ایسے محقق بھی پیدا ہو چکے ہیں جو انبیا کرام علیہم السلام اور اولیاءِ عظام علیہم الرضوان سے مدد مانگنے کو جائز کہہ کر آخر میں یہ فیصلہ بھی دیتے ہیں کہ افضل و بہتر یہی ہے کہ خدا ہی سے مانگا جائے اور تنہا اسی کو پکارا جائے۔ اس 'مانگنے' کی کچھ وضاحت ضروری ہے۔

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ اللہ کو جب بھی پکارا جاتا ہے اور اس سے جب بھی مدد طلب کی جاتی ہے تو اسے مستعان حقیقی یا کارسازِ حقیقی مان کر طلب کی جاتی ہے۔ یعنی حقیقت میں امداد کرنے والا وہی ہے اور حقیقت میں اُسی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ نیز کارساز یا کام بنانے والا بھی حقیقت میں وہی ہے، اُس کے سوا کوئی مستعان حقیقی ہے نہ کارساز حقیقی۔ وہ اگر کسی کا کام نہ بنانا چاہے تو کوئی بنا نہیں سکتا اور وہ اگر کام بنانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ کسی اور کے پاس جو اختیارات ہیں یا قوتیں ہیں سب اسی کی بخشی ہوئی ہیں۔ اس کی بخشی ہوئی یہ قوتیں اُس کی اپنی قوتوں کے مقابلے میں نہایت محدود، نہایت عارضی اور نہایت کمزور ہیں اگرچہ دوسرے بندوں کے مقابلے میں غیر محدود دکھائی دیتی ہوں۔ بعض طاقتیں اور بعض کمالات اس نے اپنے دشمنوں، منکروں اور باغیوں کو بھی عطا فرمائے ہیں مثلاً کئی کفار بڑے بڑے بادشاہ، بڑے بڑے سائنسدان، بڑے بڑے فلسفی اور بڑے بڑے سپہ سالار، بڑے بڑے پہلوان ہوتے ہیں، اللہ اپنے دشمنوں کو بھی دنیا میں ضرور چھوٹے بڑے کمالات سے نوازتا ہے۔ حقاف نمبر ۲۰) کیونکہ یہاں اس کی شانِ 'رحمانی' کا ظہور ہے۔ ہاں اپنے بندوں کو بالخصوص وہ بندے جو اس کے دشمنوں اور

منکروں کو سمجھانے یا نیچا دکھانے کیلئے میدان میں اتر آتے ہیں، انھیں زیادہ اور بہت نمایاں کمالات سے آراستہ فرماتا ہے۔ ان پاک بندوں کے یہ کمالات دیکھ کر انسان کو یہ فیصلہ کرنا بالکل آسان ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ قوتیں عام دائرہ انسانیت سے باہر ہیں، قوتوں والے بندے مخصوص ہیں اور جس ذات پاک نے ان مخصوص بندوں کو یہ مخصوص طاقتیں عطا فرمائی ہیں، وہ یقیناً قادر مطلق ہے۔ یہ بات پوری طرح کھل جاتی ہے کہ جب اللہ کے پاک و مخصوص بندوں کی طاقتوں کا یہ حال ہے تو جس مالک و مولا نے انہیں نوازا ہے اس کی اپنی قدرت وقوت کی وسعتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اللہ کے منکرین کا سارا جاہ وجلال ان اللہ والوں کی قوتوں کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کا دعویٰ خدائی یقیناً غلط اور بوگس ہے۔

یہ اللہ کے بندے اپنی عظیم اور بے مثال طاقتوں کے باوجود کبھی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ یہ طاقتیں ان کی اپنی ہیں بلکہ ان کے ذہن میں بھی اور ان کے ماننے والوں کے ذہن میں بھی یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی دی ہوئی طاقتیں ہیں اور ان سے اللہ کی شان قدرت ہی کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ مردے زندہ کریں، برص کے مریضوں یا مادرزاد اندھوں کو تندرست کریں یا گھروں میں چھپی ہوئی چیزوں کے نام بتائیں یہ سب کچھ باذن اللہ ہے یعنی یہ طاقتیں اللہ کے اذن، فضل اور کرم سے ہیں، چونکہ یہ قوتیں عام انسانی بس سے باہر ہوتی ہیں لہٰذا مخالفین بھی اتنا ضرور سمجھ جاتے ہیں کہ یہ ماورائی طاقتیں اسی ذات پاک کی بخشی ہوئی ہیں جس کو یہ پاک اور طاقتور لوگ خدا مانتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ بعض کم ظرف اور کم نظر لوگ ایک مدت کے بعد ان پاک بندوں کو اپنی مرضی اور جہالت سے خدا کا شریک ٹھہرا لیں تو ان کا اپنا قصور ہے، ورنہ اللہ والوں نے، ان کے سچے ماننے والوں نے بلکہ ان کے دشمنوں نے بھی جنہوں نے ان کی قہرمانی

قوتوں کا جلوہ اپنی آنکھ سے دیکھا ہوتا ہے، ان طاقتوں کو ہمیشہ دل ہی دل میں انکے دینے والے سچے خدا کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔ الحمدللہ حضور نبیٔ خاتم ﷺ کی امت نے محبوبان خدا کے بڑے بڑے کمالات کی بنا پر کبھی انہیں خدا نہیں کہا کیونکہ حضور پرنور ﷺ اس کے محافظ ہیں اور بتا گئے ہیں کہ اس میں شرک نہیں ہوگا۔

پھر ان طاقتوں کے ظہور سے زیادہ تر دو ہی مقصود ہوتے ہیں ایک اللہ واحد و لاشریک کی عظمت توحید کا تعارف اور دوسرا ان مخصوص بندوں کے بارے میں پختہ تصور کہ یہ خدائے واحد و لاشریک کے مخصوص، ممتاز اور عظیم و مقبول بندے ہیں۔ یہ اپنی اپنی شان کے لائق اللہ کے نائب، نمائندے اور اس کی رحمت کے دروازے ہیں۔ احکام شرعیہ میں ان کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی بھی دراصل اللہ ہی کی نافرمانی ہے۔ یہ کسی سے خوش ہو جائیں تو خدا اس سے راضی ہو جاتا ہے اور اگر یہ ناراض ہوں تو اللہ کا غضب نازل ہو جاتا ہے۔ ان کو اللہ کا بندہ ماننا دراصل اللہ کو واحد و لاشریک ماننا ہی ہے۔ اور ان کی ماننا دراصل اللہ ہی کی ماننا ہے۔ مانگنے والا ان سے مانگتا ہے تو انہیں اللہ کا شریک سمجھ کر نہیں بلکہ اللہ کی رحمت کا دروازہ جان کر مانگتا ہے۔ ان سے مانگنے والا اس تصور سے جب مانگتا ہے تو وہ اللہ کے قادر مطلق، کارساز مطلق، وہاب مطلق اور مستعان مطلق ہونے پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ ہی سے مانگ رہا ہوتا ہے اور ان پاک بندوں سے مانگنا محض وسیلے کے طور پر ہوتا ہے معاذ اللہ سے مقابلے کے طور پر نہیں اور اللہ سے بے نیاز ہو کر نہیں۔ جیسا کہ اوپر مقصد اول میں ذکر ہوا ان کے دروازے پر آنا، ان سے سوال [illegible] نا بلکہ ان سے راہ و رسم رکھنا عرفان خداوندی کا سبب ہے اور بارگاہ خداوندی میں [illegible] یل ہے۔ ان کا جو ادب و احترام کیا جاتا ہے وہ بھی اللہ کا شریک سمجھ کر نہ[illegible] بلکہ اس کا بندہ سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ مگر افسوس جس طرح ان

کے ادب و احترام کو جاہلوں نے شرک سمجھ لیا یونہی ان سے بھیک مانگنے والوں کو بھی مشرک قرار دیا۔ دیکھا سمجھ کا پھیر! کسی امیر سے، کسی راہرو سے، کسی دروازے پر بھیک مانگنے والے کو کوئی مشرک نہیں کہتا جونہی کوئی کسی اللہ کے کسی محبوب سے مانگنے لگا، جھٹ شرک کا فتویٰ داغ دیا۔ حالانکہ کوئی امیر، کوئی وزیر، کوئی سرمایہ دار نہ اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے منظر عام پر آتا ہے اور نہ اس کی طاقتیں، دولتیں، سخاوتیں اللہ والوں کی طاقت، دولت وسخاوت کی طرح ہوتی ہیں۔ پھر بھی ان سے مانگنے پر کوئی پابندی نہ ہو اور اس کے برعکس اللہ والوں سے مانگنے والے کو ایمان ہی سے خارج کر دیا جائے تو یہ بیر اللہ والوں ہی سے ہوا اور اسی لئے کہ وہ اللہ والے ہیں، افسوس ان توحید کے پجاریوں کو یہ بات بھی یاد نہ رہی کہ اللہ والوں سے اللہ کیلئے محبت کرنا تو افضل الاعمال ہے۔

اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہ تعالٰی اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہ (ابوداؤد)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے بغض ہے۔

ایک اور حدیث پاک میں اللہ کیلئے محبت وغیرہ کرنے کو تکمیل ایمان کا سبب قرار دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ (ابوداؤد، ترمذی: مسند احمد جلد ۳؛ ص ۴۴۰، ترمذی ابواب القیامۃ باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض جلد ۲ ص ۷۵، مشکوۃ کتاب الایمان ص ۱۴)

ترجمہ: جو اللہ ہی کیلئے کسی سے محبت کرے اور اللہ ہی کیلئے

کسی سے بغض رکھے اور اللہ ہی کیلئے کسی کو کچھ دے اور اللہ ہی
کیلئے نہ دے تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

یہ کسی سے اللہ کیلئے محبت رکھنا آخر کیا ہے، اللہ والوں سے محبت رکھنا انہیں اللہ والا مان کر۔ کتنی عظمت والی بات تھی کہ اسے ایمان کے مکمل ہونے کا سبب فرمایا گیا مگر یار لوگوں نے اپنے بغض و تعصب سے اس کے آگے بھی بند باندھنے شروع کر دیئے اور وہ ایک گروہ کو اللہ والوں کی محبت سے محروم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

کاش اولیا اللہ کے دشمن اس وعید کو سامنے رکھتے

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ

(بخاری کتاب الرقاباب التواضع جلد۲ص ۹۶۳)

ترجمہ: جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی رکھی، میں نے
اس کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔

خیر ان کی بات تو چھوڑو جن کے خلاف اللہ اعلان جنگ کر چکا اور جن کا ایمان سلب ہو چکا۔ اپنے دوستوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں غور فرمائیں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ کی خدمت میں مختلف حاجات کیلئے حاضر ہوتے تھے تو کس نیت اور کس تصور سے آتے تھے، کیا یہ سمجھ کر آتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے مانگنا، اللہ ہی سے مانگنا اور رسول اللہ ﷺ کا عطا فرمانا اللہ ہی کا عطا فرمانا ہے یا کچھ اور تصور ہوتا تھا۔ کیا وہ معاذ اللہ حضور پر نور ﷺ کو کارساز حقیقی یا مستعان حقیقی سمجھتے تھے یا اللہ کی بارگاہ کا وسیلہ۔ پھر یہ بھی سوچیں کہ وہ حضور اکرم وارحم ﷺ کی بارگاہ میں مخصوص حاجتیں ہی پیش کرتے تھے یا دین و دنیا بلکہ جنت تک کی ہر قسم کی حاجتیں۔

پھر کیا حضورانور ﷺ نے کسی موقع پر بھی کسی صحابی سے یہ فرمایا کہ میرے پاس کیا لینے آئے ہو، اللہ سے کیوں نہیں مانگتے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اللہ کے حبیب کریم ﷺ نے ہر مانگنے والے کی حوصلہ افزائی فرمائی اور کسی ایک کو بھی 'لا' (یعنی یہ چیز میرے پاس موجود نہیں) نہیں فرمایا۔

نرفت 'لا' بزبان مبارکش ہرگز
مگر دراشھد ان لا الہ الا اللہ

یعنی کلمہ شہادت کے سوا کبھی بھی حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک پر لفظ 'لا' نہیں آیا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

مانگیں گے، مانگے جائیں گے، منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت 'اگر' کی ہے

یعنی نہ دینے کی دو صورتیں ہوتی ہیں، دینے والا کہہ دے کہ فلاں چیز میرے پاس نہیں یا کوئی شرط عائد کر دے کہ فلاں کام کرو گے تو فلاں چیز دوں گا۔ حضور پرنور نبی الانبیاء سخی الاسخیاء ﷺ کے پاس سب کچھ بھی ہے اور حضور ﷺ فرمانے کیلئے شرط بھی نہیں لگاتے۔

حق یہ ہے کہ اللہ نے اپنے حبیب پاک سرورِ لولاک ﷺ کو 'رحمۃ للعلمین' فرما دیا اور اسی فرمان کا تقاضا یہ ہے کہ زمین و آسمان والے۔ انبیاء و مرسلین تک، حور و ملک تک، انسان و حیوان تک سب مانگیں، سب پائیں۔

میں نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا۔

تیرے در سے بھی جو پھرنا تھا کسی کو خالی
پھر تجھے رحمت عالم نہ بنایا ہوتا!

حق یہ ہے کہ جس جس کا بھی ایمان ہے حضور پرنور ﷺ کے رحمۃ للعلمین ہونے پر، وہ اللہ کو راضی کرنے کیلئے بھی اللہ کے محبوب اکرم ﷺ سے مانگتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ رحمۃ للعلمین سے مانگنا رب العلمین ہی سے مانگنا ہے اور حضور پرنور ﷺ بارگاہ خداوندی کی طرف ایسا وسیلہ ہیں جس کے سب مقربین انبیاء ومرسلین علیہم السلام تک محتاج ہیں۔ امام بوصیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ

غَرْفاً مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

(قصیدہ بردہ شریف)

ترجمہ: اور سب انبیاء علیہم السلام حضور رسول اکرم ﷺ سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے دریا سے ایک چلو عنایت کیجئے یا اپنے مینہ سے ایک گھونٹ پانی۔

اب اللہ سے مانگنے کی دو صورتیں ہوئیں، ایک بغیر وسیلے کے مانگنا اور ایک محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کے وسیلے سے مانگنا، خود ہی فیصلہ فرمالیں ایمان کیا کہتا ہے، لفظ رحمۃ للعالمین کا کیا تقاضا ہے، بلکہ پچھلی قسطوں میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ منصبِ نبوت خود خالق ومخلوق کے درمیان وسیلہ ہی تو ہے۔

توبہ کی قبولیت کا مرحلہ کتنا کٹھن، کتنا نازک اور کتنا اہم ہے، اس کیلئے بھی رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کے دروازے پر بلایا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْ ا اَنْفُسَهُمْ جَاءُ و كَ فَا سْتَغْفَرُو

اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُ وا اللّٰهَ تَوَّا باً

رَّحِیْماً (النساء......٦٤)

ترجمہ: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس حاضر ہوں، پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

کیا کافی نہیں تھا کہ اللہ اپنا دروازہ دکھاتا اور پھر اپنے دروازے پر بلاتا آخر حضور پرنور ﷺ کے دروازے پر کیوں بلایا اس لئے کہ اللہ کا دروازہ یہی ہے۔

بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اورکوئی مفرمقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

ہاں ہاں جس محبوب کی اطاعت، اللہ کی اطاعت، جس سے بیعت اللہ سے بیعت، جس کی رضا، اللہ کی رضا اور جس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہو اس کا دروازہ اللہ کا دروازہ اور اس سے مانگنا اللہ سے مانگنا کیوں نہ قرار پائے۔

مختصر یہ کہ یوں کہا جائے کہ

یا الٰہی رحم فرما مصطفےٰ کے واسطے

اور یوں کہا جائے

یارسول اللہ کرم کیجئے خدا کے واسطے

دراصل وسیلے ہی کی دونوں صورتیں ہیں اور دونوں کا ایک ہی حاصل ہے۔ یاد رہے یہاں 'خدا کے واسطے' سے مراد 'فی سبیل اللہ' حضور پرنور ﷺ کی شان وعظمت تو وراء الورا ہے اور اللہ جل شانہٗ کے سوا کوئی اسے جان نہیں سکتا۔ آپ تو ہر حال میں اللہ

کے مظہر کامل ہیں، آپ کے غلاموں میں بھی ایسے لوگ ہیں جن سے مانگنا خدا ہی سے مانگنے کیلئے وسیلہ ہے اور خود حضور ﷺ نے ان سے مانگنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً فرمایا

اَعِیْنُو نِیْ یَاعِبَادَ اللّٰہِ

ترجمہ: میری مدد کرو اے اللہ کے بندو!

فرمایئے حضور پرنور ﷺ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ مستعان حقیقی یا کارساز حقیقی اللہ کے سوا کوئی نہیں پھر حضور پرنور ﷺ کا فرمانا کہ 'یا عباداللہ' کہو۔ آخر کیوں؟ صرف اس لئے کہ اللہ کے مقرب بندوں سے مانگنا اللہ ہی سے مانگنا ہے۔ بلکہ یہاں حضور ﷺ اس بات کی تربیت فرماتے ہیں۔

اب کسی شخص کے ذہن میں یہی سوال آئے کہ حضور ﷺ نے اس موقعے پر یہ کیوں نہیں فرمایا کہ اس طرح کہو

اَللّٰھُمَّ اَعِنّیِ

ترجمہ: یعنی اے اللہ میری مدد فرما

مثلاً ایک حدیثِ پاک میں یہ دعا سکھائی گئی

اَللّٰھُمَّ اَعِنّیِ عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِکَ

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی الاستغفار جلد:۱ص۲۲۰، المستدرک باب الدعاء فی دبر کل صلوٰۃ جلد:۳ص۲۷۳)

ترجمہ: اے میرے اللہ میری مدد فرما اپنے ذکر پر اور اپنے شکر پر اور اپنی اچھی عبادت پر (یعنی میری مدد فرما کہ تیرا ذکر کروں اور تیرا شکر کروں اور اچھے انداز میں تیری عبادت کرسکوں)

شاید اسی لئے کہ امت سمجھ جائے دونوں صورتوں میں اللہ ہی مقصود ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَعِنّیِ میں بھی وہی مستعانِ حقیقی ہے اور یَاعِبَادَ اللّٰہِ میں بھی وہی۔ جہاں جس

صورت کی تلقین کی گئی، وہی اپنائی جائے اور حضور پرنور ﷺ نے جس موقع پر جس انداز کو آپ نے پسند فرمایا، وہاں وہی افضل ہے۔

اگر اللہ کو کارساز حقیقی نہ سمجھا جائے یا اس کے ساتھ یا اس کے سوا کسی اور کو (کارسازِ حقیقی) سمجھا جائے تو یقیناً شرک ہے، بالیقین اس کے سوا کوئی مستعان حقیقی اور کارساز حقیقی نہیں مگر اس کے فضل سے دوسروں کو بھی مستعان (جس سے مدد لی جائے) اور کارساز کہا جا سکتا ہے اگرچہ مستعان حقیقی اور کارساز حقیقی اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ جیسے اوپر کی حدیث میں عباد اللہ مستعان ہیں مگر حقیقی نہیں۔ اسی طرح عالم حقیقی شہنشاہِ حقیقی صرف اسی کی ذات ہے اگرچہ عالم اور شہنشاہ کا اطلاق دوسروں پر ہی ہوتا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کارآفریں، کارکشا، کارساز

بندۂ مومن کا ہاتھ غالب و کارآفریں، کارکشا اور کارساز، کیوں ہے اس لئے کہ کہ اللہ کے ہاتھ کا مظہر ہے جیسا کہ بخاری شریف اور دوسری کتب احادیث میں بندۂ مقرب کے سلسلے میں

﴿ وَيَدَهُ الَّتِىْ يَبْطِشُ بِهَا ﴾

ترجمہ: 'اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے'

بیان فرمایا گیا جب بندۂ مومن کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے یعنی اس کا مظہر ہے تو پھر بندۂ مومن سے مدد مانگنا کیوں نہ جائز ہوگا۔ مانگنے والا مومن سے نہیں، اللہ کے دستِ قدرت سے بلکہ اللہ ہی سے تو مدد مانگ رہا ہے۔ ہاں مشرکوں اور کافروں سے یہ مدد نہیں مانگی جا سکتی کیونکہ ان کا اللہ کی ذات پر ایمان نہیں اور اگرچہ اُن کو اللہ ہی نے طاقت بخشی

ہے مگر وہ باغی و مخالف ہونے کی بنا پر اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان سے مدد اس لئے نہیں مانگی جاسکتی کہ وہ اللہ کے مستعان حقیقی ہونے کے قائل نہیں۔ اگر وہ مسلمان ہوتے تو اللہ کا بندہ ہونے کی بنا پر ان کی امداد کو بھی اللہ کی امداد ہی سمجھا جاسکتا تھا۔ دیکھئے ایک ۔۔یث پاک

اِنَّالَا نَسْتَعِیْنُ بِمُشْرِکٍ

(برکات الامداد بحوالہ احمد، ابن ماجہ بسند صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد ۲ ص ۱۱۸، ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۹ کتاب الجہاد)

ترجمہ: ہم کسی مشرک سے مدد نہیں مانگتے۔

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ اس کے تحت فرماتے ہیں۔

اگر مسلمان سے بھی استعانت ناجائز ہوتی تو مشرک کی تخصیص کیوں فرمائی جاتی ولہذا امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے ایک نصرانی غلام وثیق نامی سے کہ دنیاوی طور کا امانت دار تھا، ارشاد فرماتے!

اَسْلِمْ اَسْتَعَنْ بِکَ عَلٰی اَمَا نَۃِ الْمُسْلِمِیْنَ

ترجمہ: مسلمان ہو جا کہ میں مسلمانوں کی امانت پر تجھ سے استعانت کرسکوں۔ وہ نہ مانتا تو فرماتے ہم کافر سے استعانت نہ کریں گے۔

اس کی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ مسلمان خدا اور اس کی عنایات کا اقرار کرتا ہے اور خود کو ان کا محتاج سمجھتا ہے۔ لہذا اس سے مدد مانگنا اس کو قوت و کمال سے آراستہ کرنے والے اللہ سے مدد مانگنا ہے۔

اہل ایمان و عرفان سے حاجات اور خیر طلب کرنے کی ترغیب

حضور پرنور ﷺ نے متعدد مقامات پر دی ہے۔اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے سترہ حدیثیں اس مضمون کی اپنی کتاب مستطاب 'الامن والعلیٰ' میں درج کی ہیں۔ صرف ایک روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

﴿ اُطْلُبُوْا الْفَضْلَ عِنْدَ الرُّحَمَآءِ مِنْ اُمَّتِیْ تَعِیْشُوْا فِیْ اَکْنَافِهِم فَاِنَّ فِیْهِمْ رَحْمَتِیْ ﴾ (ابن حبان فی الضعفاء جلد۲ص۲۸۶، کنز العما ا ،باب فی اداب طلب الحاجۃ جلد:۳ص۵۱۹رقم ۱۶۸۰۶۔المستدرک باب الطلبوا المعروف من رحما امتی جلد:۴ص ۳۲۱ واللفظ لہ فیض القدیر جلدا: ص۵۴۴ رقم ۱۱۱۵۔مجمع الزوائد جلد:۸ص۱۹۸باب ما یفعل طالب الحاجۃ)

ترجمہ: میرے رحمدل امتیوں سے فضل مانگو، اُن کے دامن میں آرام سے رہو گے کیونکہ ان میں میری رحمت ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ حضور پرنور ﷺ میں رحمتِ خداوندی جلوہ گر ہے لہٰذا حضور ﷺ سے مانگنا اللہ ہی سے مانگنا ہے اور رحیم وکریم مسلمانوں میں حضور پرنور ﷺ کی رحمت جلوہ فرما ہے، لہذا ان سے مانگنا حضور ﷺ ہی سے مانگنا ہے۔

☆......☆......☆

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
22
صفحہ نمبر 409
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگوں کے ہاں دعا کرانے والوں کے میلے لگے رہتے ہیں، اس لئے کہ انہیں مستجاب الدعوات سمجھا جاتا ہے یعنی اُن کے بارے میں یہ تاثر عام ہوتا ہے کہ اُن کی دعا بارگاہِ خداوندی میں زیادہ قبول ہوتی ہے۔ پھر ایسے لوگ یکا یک معاشرے کی توجہ کا مرکز نہیں بن جاتے بلکہ ایک عرصے تک ان کی قبولیت دعا کے مشاہدات ہوتے رہتے ہیں، پھر یہ تاثر قائم ہوتا ہے اور پھر دروازے پر لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے ہیں۔ بعض لوگ اس صورتحال سے پریشان ہوجاتے ہیں، دعا کرانے والوں کو جاہل اور خود کو بڑا عقلمند اور معاملہ فہم خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک خدا جب خود سنتا ہے اور خدا اور بندے کے درمیان کوئی حجاب بھی حائل نہیں تو کیوں نہ خود ہی دعا کر لی جائے۔ حقیقت یہ ہے ایسے لوگ عقلمند ہوتے ہیں نہ معاملہ فہم، غرور وتکبر نفس نے اُن کی عقل پر پردے ڈال رکھے ہوتے ہیں اور مقدر نے ان کی محرومی پر مہر کر رکھی ہے افسوس انہیں ہادیٔ دارین معلم کونین ﷺ کے یہ ارشادات بھی یاد نہیں جن میں بعض مخصوص لوگوں کی دعا کی قبولیت کا صراحت سے ذکر ہے مثلاً مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا، روزہ دار کی دعا بوقت افطار کی دعا، والدین کی دعا، اولاد کے حق میں، امام عادل کی دعا وغیرہ پھر غور فرمایئے، حضور اکرم ﷺ کی مشہور حدیث پاک ہے۔

﴿ لَا یَرُدُّ الْقَضَآءَ اِلَّا الدُّعَاءُ ﴾

(ترمذی: ابواب القدر باب ماجاء فی لا یرد القدر الا الدعا جلد: ۲ ص ۳۶)

ترجمہ: مقدر کو دعا کے سوا کوئی نہیں پھیر سکتا۔

فرمایئے دعا کی اہمیت کے بارے میں اس سے زیادہ پرزور انداز کونسا ہوسکتا تھا؟ مگر یہ بھی سوچئے تقدیر کو بدلنے والی دعا کیا ہر ایک کی دعا ہے، نہیں، ایسا

نہیں۔ خود حدیث پاک کے الفاظ پر غور فرمایئے الدعاءِ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر کو بدلنے والی دعا کوئی خاص دعا ہے۔ اور ظاہر ہے خاص بندوں کی دعا ہی خاص ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث پاک ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَآءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ (ترمذی شریف جلد۲ ص۱۸۶ کتاب الدعوات)

ترجمہ اور جان لو خدا غافل اور کھیلنے والے دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔

فرمایئے کیا یہ کیفیت ہمارے دل کی نہیں، یقیناً ہمارے دل ایسے نہیں جن سے نکلی ہوئی دعا شرف قبولیت حاصل کر سکے۔

تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس کا سیدھا سادا سا جواب یہی ہے کہ جن لوگوں کی دعائیں یقیناً قبول ہوتی ہیں، اُن سے اپنے لئے دعا کی التجا کریں چنانچہ اس کی صراحت بھی حدیث پاک میں آ گئی ہے۔ ارشاد عالی ہے۔

اِنَّ خَيْرَ التَّابِعِيْنَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ اُوَيس ولهٗ وَالِدَةٌ وَكَانَ بِهٖ بَيَاض فَمُرُوْهُ فَلْيَسْتَغْفِر لَكُمْ

(مسلم شریف: کتاب الفضائل من فضائل اویس القرنی جلد:۲ ص ۳۱۱ مشکوٰۃ ص ۵۸۲)

ترجمہ: بے شک تابعین میں سے بہترین اویس ہے۔ اس کی والدہ ہے۔ اس سے کہنا تمہارے لئے دعائے مغفرت کرے۔

اس حدیث کے راوی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ گویا آپ

جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور پر نور ﷺ حضرت اویس رضی اللہ عنہ سے دعا کرانے کی تلقین فرمارہے ہیں۔

اس سے کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی افضل ہیں بلکہ اس حقیقت کو واشگاف کیا جارہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے جن کی دعائیں قبول ہوں گی۔ گویا حضور سرور انبیاء علیہ السلام کا فیض صحابہ تک یا ایک دور تک محدود نہیں بلکہ جب تک امت زندہ ہے۔ زندہ نبی ﷺ کا فیض بھی زندہ و تابندہ رہے گا۔ نیز امت کو اطمینان دلایا جارہا ہے کہ میں اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہی نہیں جانتا بعد میں آنے والے بھی میری نگاہ میں ہیں۔ نگاہ نبوت سے کسی کی ذات، صفات، حلیہ کردار، درجات، خاندان غرض کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں، چنانچہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مزید تفصیلات بھی مسلم شریف کی دوسری روایات میں موجود ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان سے دعا کرانے کی تلقین بھی دراصل تعلیم امت کیلئے ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مردم ناشناس آدمی نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے حقارت آمیز انداز میں ان کا ذکر کیا تو آپ نے اسے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی شان بتائی اور اسے آپ سے دعا کرانے کی ترغیب دی۔ رہ گئی یہ فاضل ومفضول کی بحث، تو اس روایت پر غور فرمائیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عمرہ کرنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت دیتے ہوئے فرمایا۔

لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ

(ترمذی جلد۲: ۱۹۵، کتاب الدعوات۔ ابوداؤد جلد: ۱ص ۲۱۷ کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء، ابن ماجہ ص ۲۰۸ کتاب

ابواب المناسک باب فضل الدعا الحاج))

ترجمہ: اے میرے پیارے بھائی ہمیں اپنی دعا میں فراموش مت کرنا۔

یہ دونوں روایتیں وضاحت کر رہی ہیں کہ نبی ﷺ صحابی رضی اللہ عنہ سے اور صحابی تابعی رضی اللہ عنہما سے دعا کیلئے فرما رہے ہیں تو ہم گنہگار کیوں نہ اللہ کے پاک بندوں سے دعا کیلئے عرض کریں۔ خصوصاً اس وقت جب کہ ہم گناہوں میں ڈوبے ہوئے اور مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ اب وہ لوگ غور کریں جو اللہ والوں سے دعا کرانے کے سخت مخالف ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ کیا خدا سب کی نہیں سنتا؟

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی کہ سب کی دعائیں یکساں نہیں اور ان کا اثر بھی یکساں نہیں بلکہ سب کی عبادت بھی ایک جیسی نہیں اور سب کی تلاوت بھی ایک جیسی نہیں۔ میرے جیسے گنہگار سو دفعہ سورۂ فاتحہ (جو شافیہ بھی ہے) بھی پڑھ کر دم کریں تو وہ اثر نہیں ہوگا جو ایک مردِ حق کے محض ایک بار سورۂ فاتحہ بلکہ اس کی صرف پہلی آیت پڑھنے سے ہوگا۔

سُبْحٰنَ اللّٰہ، رب ایک، اس کا کلام ایک مگر اثر مختلف۔ کیوں؟ اس لئے کہ پڑھنے والے ایک جیسے نہیں۔ ان لوگوں کو تو چھوڑیئے جنکے بارے میں حدیث پاک میں آیا کہ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں کہ قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے، یا وہ جن کے بارے میں فرمایا گیا کہ 'قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترتا'۔ ہاں بات اُن کی کیجئے جو مومن و مخلص ہیں۔ کیا سب کی تلاوت ایک جیسی ہے اور تلاوت کا اثر ایک جیسا ہے۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں۔ جب سب کی تلاوت اور تلاوت کا اثر مختلف ہے تو یقیناً سب کا فیض بھی ایک جیسا نہیں ہو

سکتا۔ممکن ہے کوئی ضد کی بنا پراس کا بھی انکار کردے۔مگر دیکھئے احادیث اٹھا کر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پڑھتے تھے تو کیا ہوتا تھا۔مثلاً صرف ایک روایت:’حضرت براء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک صحابی سورۂ کہف کی تلاوت کررہے تھے اوران کی ایک جانب دورسیوں میں گھوڑا بندھا ہوا تھا۔آسمان سے بادل اترے اورگھوڑے کے قریب ہوتے رہے یہاں تک کہ اس کو ڈھانپ لیا۔صبح انہوں نے حضوررسول خدا ﷺ کو ماجرا سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا

تِلْکَ السَّکِیْنَۃُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُراٰنِ

(بخاری: جلد:۱ص۵۱۰ کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔ بخاری جلد:۲ص۷۴۹ کتاب التفسیر باب فضل سورۃ الکہف، مسلم جلد:۱ص۲۶۸ کتاب صلوۃ المسافرین باب نزول السکینۃ لقراۃ القرآن۔ مسند احمد جلد:۴ص۲۸۱ابویعلی رقم الحدیث۱۷۱۶)

ترجمہ: یہ سکینہ (رحمت) تھی جو تلاوت قرآن پاک کی وجہ سے نازل ہوئی تھی

فرمائیے،قرآن تو اب بھی موجود ہے اوراسے رات کو پڑھنے والے بھی ہزاروں نہیں بلکہ عالم اسلام میں لاکھوں لوگ ہوں گے اورصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے آج تک اربوں ایسے لوگ ہو چکے ہوں گے جو اس کی تلاوت کرتے ہوں مگر ایسا کوئی واقعہ کیا بعد میں بھی رونما ہوا۔وجہ وہی یعنی صحابہ کے بعد کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو کسی بھی ایک صحابی ہی کے برابر ہو۔

اور سنئے،حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بسم اللہ شریف پڑھ کر زہر کی شیشی منہ میں انڈیل لینا اور ذرا فرق نہ پڑنا نیز اسے اسلام کی حقانیت کی دلیل قرار دینا یقیناً اس کی کتنی ہی روایات ہیں کس کس کو لکھئے۔

یہاں بخاری شریف سے ایک روایت درج کی جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے کچھ اصحاب ایک سفر میں گئے تھے۔ جاتے جاتے، ایک قبیلے کے قریب اترے اور چاہتے تھے کہ قبیلے والے مہمانی کریں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اتفاق سے ان کے سردار کو بچھو (یا سانپ) نے کاٹ کھایا اور اُنکی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ کچھ لوگ ان سے کہنے لگے چلو ان لوگوں سے پوچھیں جو یہاں آن کر اترے ہیں۔ شاید ان میں سے کوئی اس کا منتر جانتا ہو، وہ آئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہنے لگے "لوگو! ہمارے سردار کو بچھو یا سانپ نے کاٹ کھایا ہے اور ہم نے سب جتن کئے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ تم میں سے کسی کو اس کا منتر معلوم ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بولے خدا کی قسم میں اس کا منتر جانتا ہوں لیکن تم لوگوں سے ہم نے یہ چاہا کہ ہماری مہمانی کرو تو تم نے نہ مانا، اب میں تمہارے لئے منتر پڑھنے والا نہیں جب تک ہمیں اس کی مزدوری نہ دو، آخر چند بکریاں اجرت ٹھہریں، وہ صحابی گئے اور سورۂ فاتحہ پڑھ پڑھ کر تھو کنے لگے۔ وہ ایسا ٹھیک ہوا جیسے کوئی جانور رسی سے بندھا ہو کھول دیا جائے تو ٹھیک ٹھاک چلنے لگا، اس کو کوئی دکھ نہ رہا۔ جو بکریاں اُجرت ٹھہری تھیں وہ انہوں نے دے دیں۔ (کتاب الاجرت)

سوال یہ ہے کہ اب بھی فاتحہ کے دم سے مریضوں کو شفا دینے والے تو ہوں گے مگر کتنے؟ فاتحہ کا ایک نام 'شافیہ' بھی ہے، بلکہ سارے قرآن پاک کو قرآن ہی میں شفا فرمایا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

شِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ O (یونس: ۵۷)

ترجمہ: یعنی ان دلوں کے لئے جو سینوں میں ہیں اور ہدایت

اور رحمت اہل ایمان کیلئے

ہاں ہاں قرآن پاک یقیناً شفا ہے مگر ہماری زبانیں ایسی نہیں کہ اس کی 'شفا' کا مظہر بن سکیں۔ اِکادُکا لوگ اب بھی ہیں، جن کی تلاوت سے مریض صحت یاب ہو جاتے ہیں، مقدمات میں کامیابی مل جاتی ہے، بے اولاد کو اولاد سے نوازا جاتا ہے، غربت و افلاس کے دھوئیں غائب ہو جاتے ہیں۔ بھوت پریت سے نجات مل جاتی ہے، مگر سب کو تلاوت قرآن سے یہ فائدے میسر نہیں آتے۔ قرآن پاک خیر ہی خیر، رحمت ہی رحمت اور شفا ہی شفا ہے مگر پھر بھی سب کو ایک جیسا فیض نہیں ملتا، اس کی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ جس کا دل خدا اور رسول ﷺ کی محبت سے مالا مال ہے اور جان و دل سے انکے ہر حکم پر قربان ہے، وہ فیض پانے کا زیادہ حقدار ہے اگر چہ ظاہراً کم پڑھا لکھا بلکہ بالکل ان پڑھ ہو۔ اور جس کا دل جتنا دنیا کی محبت میں ڈوبا ہوا ہو، حرص و ہوس سے تاریک یا غرور و تکبر اور ریاء و سمعہ سے سیاہ ہو چکا ہے، قرآنی انوار و برکات سے اُتنا ہی محروم ہوتا ہے، ہم جیسے گنہگار لوگ جو اپنی بدعملی، کوتاہی، قلتِ اخلاص کے مریض ہیں اگر قرآن پاک سے فیض حاصل کرنا چاہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہوں کہ خدا کا کلام منبع ہر خوبی، مخزن ہر شفا اور مطلع ہر رحمت ہے تو کیا کریں گے، خدا کے مخلص بندوں کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا و توجہ کی التجا کریں گے۔ وہ کوئی آیت یا اس کا بھی کوئی حصہ پڑھ کر دم کریں گے، ہمارا کام بن جائے گا اور ہم قرآن پاک سے بلاواسطہ نہیں تو بالواسطہ فیض حاصل کر ہی لیں گے۔ اولیاء و صوفیہ کی کرامات کیا ہیں یوں سمجھئے قوت توحید کے مظاہر اور انوار قرآنی کے جلوے۔ خدانخواستہ ایسے لوگ دنیا سے بالکل ناپید ہو جائیں تو توحید کی عظمت اور قرآن پاک کے فیض کے اجاگر ہونے کی کیا صورت ہوگی۔ انصاف

سے سوچیے محبوبانِ خدا کے کمالات کے منکرین قرآن پاک کے فیض سے خود محروم ہونے کے بعد اب کس طرح باقی امت کو بھی اپنی طرح محروم کرنا چاہتے ہیں۔

گویا ۔

خود تو ڈوبے ہیں صنم، تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

پر عمل پیرا ہیں۔

ذرا خیال فرمائیے، ایک شخص قرآن پاک پڑھتا ہے کہ اس کی مراد حاصل ہو، اسے صحت ملے یا مقدمے میں کامیابی حاصل ہو، مگر اس کے پڑھنے سے بظاہر کچھ نہیں ہوتا تو اب وہ یہ خیال کرے کہ (معاذ اللہ) قرآنی فیض محض افسانہ ہے، اس میں حقیقت کچھ نہیں یا یہ خیال کرے کہ قرآنی فیض تو شک وشبہ سے بالاتر ہے، البتہ میری زبان سے اس کی اصل تاثیر ظاہر نہیں ہوتی، اس لئے چلو کسی ایسے شخص کی تلاش کرتے ہیں جو فیض قرآنی کا مظہر ہو تو وہ اولیاء اللہ کے آستانوں پہ حاضر ہو جائے۔ حق یہ ہے کہ چورہ شریف، علی پور سیداں شریف، سیال شریف، شرقپور شریف، جیسے مقدس آستانوں پر حاضر ہونے والے لوگ قرآنی فیض کے حصول ہی کیلئے آتے ہیں اور ان کے آستانوں سے روکنے والے دراصل قرآنی فیض سے محروم اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یقین جانئے اللہ کے کلام کے اپنے معجزات، اور فیوض و برکات ہیں، اگر خدانخواستہ یہ معجزات اور فیوض و برکات سے خالی ہو تو اللہ کا کلام کیسا؟ پھر ان معجزات وغیرہ کا ایک چرچا ہے جو ہر طرف برپا ہے اور ایک شور ہے جو ہر طرف گونج رہا ہے۔ اس کے جلال سے دنیا بھر کے شیاطین لرزاں ہیں اور اس کے خوف سے اقوام عالم ہراساں ہیں۔ بظاہر یہ ایک کتاب ہے مگر اس کے خوف سے امریکہ کے فرعونوں کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں

اگر اللہ کا کلام نہ ہوتا تو ایسا جلال بھی نہ ہوتا۔ حضرت مولانا محمد یوسف سیالکوٹی (م۔۱۹۶۸) قیام پاکستان سے پہلے بھی بڑے دھڑلے کے خطیب تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک دور دراز علاقے میں خطاب کیلئے گیا تو ہندوؤں کا مشہور مناظر بچھو رام بھی اس بستی میں آ گیا۔ میں نے خطاب کے دوران اعلان کیا بچھورام اگر مقابلہ و مناظرہ کرنا چاہتا ہے اور قرآن پاک اور وید پر گفتگو کرنا چاہتا ہے تو آ جائے، درخت کی کسی کٹی ہوئی سوکھی شاخ پر وہ وید اور میں قرآن پڑھ کر دم کرتا ہوں۔ جس کے دم سے شاخ سبز ہو جائے اس کا دین سچا۔ مولانا فرماتے تھے کہ بچھورام راتوں رات دم (کٹا کر نہیں) دبا کر بھاگ گیا۔

یہ اللہ والے قرآن پاک سے اپنے قلبی و روحانی رابطے کی بنا پر جس کسی کو کوئی قرآنی وظیفہ سکھاتے ہیں، اس میں بھی دوسروں سے زیادہ تاثیر ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ ہم دیکھتے ہیں کہ زیادہ پڑھا لکھا شخص اس قرآن پاک سے وہ فائدہ و فیض حاصل نہیں کر سکتا جتنا ایک کم پڑھا بلکہ مقابلتاً ان پڑھ شخص حاصل کر لیتا ہے۔ وجہ دریافت کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اس ان پڑھ کو فلاں ولی نے اجازت دے رکھی ہے۔ ولی جب خصوصی وظیفہ ارشاد فرماتا ہے تو اپنی خصوصی توجہ بھی ساتھ کر دیتا ہے، (میں حضور نقش لاثانی علی پوری قدس سرہٗ النورانی کا ادنیٰ سا غلام ہوں، میں نے اپنی آنکھ سے ایسے کئی واقعات دیکھے ہیں) بلکہ قرآنی انوار میں ڈوبے ہوئے مقدس لوگوں کے اپنے نام بھی دوسروں کیلئے وظیفہ بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ اسماء اصحاف کہف کو بمع ان کے کتے کے ذکر کے غیر مقلد محدث نواب صدیق حسن بھوپالی نے بھی حفاظت و برکت کیلئے لکھ کر اپنے پاس رکھنا بیان کیا ہے۔ (الدعاء والدوا)

آیئے ایک واقعہ سنئے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بیان فرمایا۔

''غالباً حدیقہ ندیہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ دجلہ پر تشریف لائے اور یا اللہ کہتے ہوئے اس پر زمین کی مثل چلنے لگے، بعد میں ایک شخص آیا، اسے بھی پار جانے کی ضرورت تھی۔ کوئی کشتی اس وقت موجود نہیں تھی۔ جب اس نے حضرت کو جاتے دیکھا، عرض کی 'میں کس طرح آؤں'۔ فرمایا 'یا جنید'، 'یا جنید' کہتا چلا آ۔ اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا، جب بیچ دریا میں پہنچا، شیطان لعین نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلواتے ہیں۔ میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں۔ اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا۔ پکارا، 'حضرت میں چلا'۔ فرمایا وہی کہہ، یا جنید یا جنید جب کہا دریا سے پار ہوا عرض کی حضرت یہ کیا بات تھی آپ یا اللہ کہیں تو پار ہوں اور میں کہوں تو غوطہ کھاؤں، فرمایا ارے نادان! ابھی تو جنید تک پہنچا نہیں۔ اللہ تک رسائی کی ہوس ہے''، اللہ اکبر۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ ایک صوفی و مرشد ہی نہیں تھے بلکہ اپنے دور کے بہت بڑے فقیہ، خطیب اور مفتی بھی تھے۔ تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ کسی نے حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ حضرت جنید کو خواب میں دیکھا اور ایک شخص نے کوئی فتویٰ حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے حضرت جنید بغدادی کی

طرف اشارہ کر دیا۔ اس نے کہا جب حضور ﷺ خود تشریف فرما ہیں تو دوسرے کی کیا ضرورت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو اپنی امت پر فخر ہے لیکن مجھے اپنی امت میں جنید پر اس سے بھی زیادہ فخر ہے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہٗ کا معاذ اللہ یہ مطلب نہیں تھا کہ دوسروں کو یا اللہ نہیں کہنا چاہیئے۔ بلکہ مقصود یہ تھا کہ یا اللہ اگر چہ بہترین وظیفہ ہے۔ اس کا بے حد ثواب ہے۔ مگر دنیا میں اس کی فوری تاثیر اسی وقت ہوگی۔ جب یا اللہ کہنے والا حرص و ہوس سے خالی، کبر و غرور سے پاک، انوار توحید سے آراستہ اور تجلیات قرآن سے پیراستہ ہوگا، یا جنید راستہ ہے، یا اللہ منزل ہے۔ یا جنید وسیلہ ہے، یا اللہ مقصود ہے، جو اس وسیلے کو مضبوطی سے تھامے گا تو پھر وہ وقت بھی آجائے گا جب یا اللہ تک پہنچ جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک کے فیض سے بعض دفعہ اس کے قاریوں کا نام بھی سراپا فیض بن جاتا ہے، مگر اولیاء اللہ کو پکارنے کی وجہ یہی نہیں، اور بھی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اقتباس پر غور کریں جو تذکرۃ اولیاء سے لیا گیا ہے۔

> "ایک مرتبہ کوئی جماعت کسی مخدوش راستے پر سفر کرنا چاہتی تھی۔ لوگوں نے آپ (یعنی حضرت ابوالحسن خرقانی رضی اللہ عنہٗ) سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی ایسی دعا بتا دیجئے جس کی وجہ سے ہم راستے کے مصائب سے محفوظ رہ سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آئے تو مجھ کو یاد کر لینا۔ لیکن لوگوں نے آپ کے اس قول پر کوئی توجہ نہیں دی اور اپنا سفر شروع کر دیا۔ راستے میں ان کو ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ تو ایک

شخص جس کے پاس مال واسباب بہت زیادہ تھا۔ جب ڈاکو
اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے صدق دل سے آپ کا نام
لیا، جس کے نتیجے میں مال واسباب سمیت لوگوں کی نظروں
سے غائب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ڈاکوؤں کو بہت تعجب ہوا۔ مگر جن
لوگوں نے آپ کو یاد نہیں کیا تھا، وہ سب لوٹ لئے گئے۔ پھر
ڈاکوؤں کی واپسی کے بعد وہ سب کی نظروں کے سامنے
آ گیا اور جب اس سے پوچھا گیا کہ تو کہاں غائب ہو گیا تھا، تو
اس نے کہا کہ میں نے سچے دل سے شیخ کو یاد کیا تھا اور خدا نے
اپنی قدرت سے مجھے سب کی نگاہوں سے پوشیدہ فرما دیا۔ اس
واقعہ کے بعد جب وہ جماعت خرقان واپس آئی تو حضرت
ابوالحسن سے عرض کیا کہ ہم صدق سے خدا کو یاد کرتے رہے
اس کے باوجود بھی ہمارا مال لوٹ لیا گیا۔ لیکن جس شخص نے
آپ کو یاد کیا وہ بچ گیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم
صرف زبانی طور پر خدا کو یاد کرتے تھے اور ابوالحسن خلوص قلب
سے خدا کو یاد کرتا ہے لہٰذا تمہیں چاہئے تھا کہ ابوالحسن کو یاد کرو
کیونکہ ابوالحسن تمارے لئے خدا کو یاد کرتا ہے اور خدا کو صرف
زبانی طور پر یاد کرنا بے سود ہوتا ہے"۔

میرا خیال ہے اب یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ اولیاء اللہ کو پکارنے کا حکیم کیوں دیا گیا۔ وہ بندے جو خلوص قلب سے، اپنے اللہ کی یاد میں مگن رہتے ہیں اور دن رات اس کے آستانِ عظمت پر جھکے رہتے ہیں، بارگاہ الٰہی سے انہیں یہ

انعام ملتا ہے کہ دنیا کی محفلیں ان کے ذکر سے گرم ہوں اور جس گرمی عشق سے وہ 'یااللہ'، 'یااللہ' کرتے رہیں، دنیا بھی ذوق وشوق سے انہیں یاد کرے۔ اسی لئے قرآن پاک نے فرمایا

فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوالِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ O (البقرہ ۱۵۲)

ترجمہ: تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔

ذکر سے مراد یہاں 'چرچا' ہے تو گویا جو لوگ اللہ کو خلوص محبت سے یاد کرتے ہیں، ان کو اللہ کی بارگاہ سے جو صلہ ملتا ہے اس کا ایک عنوان یہ ہے کہ دنیا میں ان کا چرچا ہوتا ہے اور صدیاں بیت جانے کے باوجود ان کی شہرت روز افزوں ہی ہوتی ہے۔ اور عمر بھر خلوص دل سے یااللہ، یااللہ کہنے والوں کے نعرے آخر تک گونجتے ہیں۔ یاغوث، یاخواجہ، یافرید، یامجدد الف ثانی، یاشاہ لاثانی، یانقش لاثانی کی صدائیں اذکرکم کی عملی تفسیریں ہوتی ہیں۔

اولیاء اللہ کا یہ ذکر خیر اور ان کے نام کی اس دہائی کی بنیاد ایک اور بھی ہے۔ قرآن پاک میں حضور پرنور ﷺ سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔

وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ O (الم نشرح:۴)

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

لک میں 'ل' ملکیت کا ہے گویا حضور پرنور ﷺ کو اس رفعت ذکر کا مالک کر دیا گیا ہے۔ لہذا جو بھی حضور پرنور ﷺ سے متعلق ہوگا اور جس پر حضور پرنور ﷺ کی نظرِ کرم ہوگی، رفعت ذکر سے نوازا جائے گا۔ اس میں کیا شک ہے کہ

جن حضرات کے نعرے حضور پرنور ﷺ کی نسبت سے فضا میں گونج رہے ہیں، ان کا نام ہمیشہ بلند رہے گا اور ان کا ذکر خلق خدا کی زبان پر جاری رہے گا۔

اور یہ بات بخاری شریف کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو پھر جبرائیل کو حکم فرماتا ہے کہ آسمان والوں کو بھی بتادے کہ میں فلاں بندے سے محبت فرماتا ہوں لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جبرائیل میرے اس پیارے بندے کی محبت زمین والوں کے دلوں میں بھی ڈال دے چنانچہ تمام زمین والوں کے دلوں میں بھی اس اللہ کے محبوب بندے کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ یہ سبب ہے مخلوق خدا کی ان سے محبت وعقیدت کا۔

یوں سمجھئے قدرت کاملہ انہیں ذکر خداوندی اور اتباع مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انعام میں زندۂ جاوید دیکھنا چاہتی ہے، یہ بات گویا مقدر ہو چکی کہ ان کا ذکر نہ مٹے تو اس کی ایک ظاہری صورت بھی بنادی۔ وہ کیا؟ ان کے دروازے سے لوگوں کی امیدیں اور آرزوئیں وابستہ کر دیں حدیث پاک میں ہے۔

اِذَا اَرَادَا للّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْراً صَیَّرَ حَوَائِجَ النَّاسِ اِلَیْہِ (الامن والعلیٰ بحوالہ مسند الفردوس)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو، اسے لوگوں کا قبلۂ حاجات بنادیتا ہے۔

یہ حدیثِ پاک شاید پہلے بھی کسی قسط میں آچکی ہے۔ سرکار ابد قرار دولت مدار ﷺ فرماتے ہیں۔

اِذَا اَرَادَاللّٰہُ بِعَبْدٍخَیْرًا نِ اسْتَعْمَلَہ عَلیٰ قَضَاءِ حَوَائِجِ النَّاسِ

(الامن والعلیٰ بحوالہ مسند الفردوس)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے۔

دونوں روایتوں میں اس دنیا کی قید نہیں لگائی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور جانِ سرور ﷺ کو جامع کلمات عطا فرمائے گئے آپ خود فرماتے ہیں۔

اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ

(مسلم شریف: کتاب المساجد، جلد ۱، ص ۱۹۹، ترمذی جلد ۱، ص ۱۸۸ کتاب السیر۔ مشکوٰۃ ص ۵۱۲)

ترجمہ: مجھے جامع کلمات عطا فرمائے گئے۔

ان جامع کلمات کا اثر یہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی سمیٹ دیتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں بلکہ ان جیسی متعدد احادیث مقدسہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو قبلہ حاجات بناتا ہے، صرف اس وقت تک کیلئے نہیں جب وہ دنیا میں جلوہ افروز ہوں بلکہ اس وقت بھی وہ مرجع حوائج، غوث، داتا، خواجہ ہوتے ہیں، جب قبروں میں آرام فرما ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کی حاجت روائی اور مشکلکشائی کا جو چرچا ان کے جیتے جی تھا، وہ ان کے وصال کے بعد بھی قائم بلکہ روز افزوں ہوتا ہے پھر جس طرح وہ اپنی زندگی میں اپنے اخلاق کریمانہ سے اسلام کی اشاعت وتبلیغ کرتے تھے، یونہی ان کے وصال کے بعد ان کی قبروں سے بھی حاجت روائی ومشکلکشائی کا سلسلہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ جیسے جیتے جی ان کی صحبت سے مردہ دل زندہ ہوتے تھے یونہی

ان کے وصال کے بعد مزار شریف کے قریب بیٹھ کر ولولۂ تازہ بھی ملتا ہے۔ (اور جیسے دنیوی زندگی میں شیطان ان کے فیض کے منکر اور ان کے آستانوں کے دشمن تھے، یونہی ان کے وصال کے بعد بھی خدا کے دشمن ان کے فیض سے خود محروم اور دوسرں کو محروم کرنے کیلئے دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں)

آپ بھی گذشتہ صفحات میں بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد عالی دیکھ چکے ہیں کہ کسی کو مدد کی ضرورت ہو تو پکارے۔

يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ

ترجمہ: اے اللہ کے بندو میری مدد کرو

خیال فرمایئے اللہ کے بندے مطلقاً فرمایا، ظاہر ہے۔ اگر زمین پر چلنے پھرنے والے اللہ کے بندے ہیں تو قبروں میں بھی تو اللہ کے بندے ہی ہیں، اللہ کا بندہ کہیں بھی ہے اللہ کی مخلوق کا مددگار ہے۔ اور اسے اللہ نہیں، اللہ کا بندہ سمجھ کر پکارنا شرک نہیں، پھر اللہ کے بندے کا دور سے سننا اور حاجت روائی و مشکلکشائی فرمانا اللہ کا خاص بندہ ہونے کی دلیل ہے۔ تو اس کی خداداد قوتوں اور کمالات کا اقرار شرک کیونکر ہوسکتا ہے۔

پھر جس طرح یا عباد اللہ کہنا شرک نہیں بلکہ توحید کی دلیل ہے (اسی طرح کہ رب یکتا ہی نے اپنے خاص بندوں کو یہ یکتا قوتیں عطا فرمائی ہیں) تو یا علی، یا غوث، یا داتا کے نعرے بھی توحید کی ہی دلیل اور منشا ہیں۔

☆......☆......☆

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
23
صفحہ نمبر426
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

ہمارے ہاں مسلمانوں کے پسندیدہ اور مروج نعروں میں 'نعرۂ حیدری ...... یاعلی' اور نعرہ غوثیہ...... یاغوث اعظم۔ بھی ہیں، اس سلسلے میں بظاہر کوئی اور دلیل نہ بھی ہوتو کیا یہی کافی نہیں کہ حضور پرنور ﷺ نے اپنی امت کو 'یَا عِبَادَ اللّٰہِ' (اے اللہ کے بندو!) کا وظیفہ سکھایا ہے۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ صلحائے امت نے اس ندائے مقدس (یاعلی) کو اپنے معمولات و وظائف میں عملاً بھی شامل کر رکھا ہے تو ہمارے دل کو اطمینان بھی ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب ان صلحائے امت میں ایسی شخصیات بھی شامل ہیں جو صرف صوفی نہیں، بلکہ فقیہ و محدث بھی ہیں اور وہ بھی اس شان کے کہ انہیں سند الفقہاء اور سید المحدثین بھی کہا جا سکتا ہے اور فقہ و حدیث کو ان پر بجا طور پر ناز بھی ہے۔ نہیں بلکہ انہیں تفسیر اور علم کلام پر بھی خاصا عبور ہے۔ مثلاً امام الہند حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ اور انہیں کے فرزند اکبر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدست اسرارہم۔ جہاں تک حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ کا تعلق ہے، آپ نے تصوف و طریقت پر متعدد کتابیں تحریر فرمائی ہیں، ان میں ایک کا نام ہے انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ۔ اس کتاب میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اور ان کے اکثر اساتذہ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جواہر خمسہ کے اعمال کی اجازت بھی لیتے رہے ہیں اور اس کی دعائے سیفی کی بھی۔ اسی میں ایک وظیفہ ہے جسے 'نادِ علی' کہتے ہیں، اور وہ یہ ہے۔

نَادِ عَلِیًّا مُّظْهَرَ الْعَجَائِبِ
تَجِدْهُ عَوْنًا لَّكَ فِی النَّوَائِبِ
كُلُّ هَمٍّ وَّغَمٍّ سَيَنْجَلِیْ

بِوَ لَا یَتِکَ یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ

ترجمہ: پکار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کہ وہ مظہر عجائب ہیں۔ تو انہیں مصیبتوں میں اپنا مددگار پائے گا۔ ہر پریشانی اور ہر غم آپ کی ولایت کے صدقے فوراً دور ہو جاتا ہے یا علی یا علی، یا علی

کوئی بدبخت انسان جسے شرم وحیا سے دُور کا واسطہ بھی نہ ہو اگر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ پر بھی شرک وکفر کا فتویٰ لگا دے تو الگ بات ہے ورنہ سب جانتے ہیں کہ برعظیم میں علم حدیث کی خصوصی اشاعت کیلئے جو آپ نے اور آپ کے خاندان نے کارنامے سرانجام دیئے ہیں، ناقابل فراموش ہیں۔ حقیقت ہے کہ اس قسم کے بزرگ گویا بنائے اتحاد اور معیارِ حق ہوتے ہیں اور ان کا علم وعرفان اسی بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ ہم ان کی پیروی کریں۔ نیز ان کی تحقیقات کی روشنی میں اپنی اصلاح کریں، نہ یہ کہ اپنی جہالت کی اقتداء کریں اور اس کی تاریکی میں ایسے بلند پایہ بزرگوں پر بھی شرک وکفر کا فتویٰ لگا دیں جیسا کہ نام نہاد (کالعدم) لشکر طیبہ کے سرپرست حافظ سعید کو عادتِ بد پڑ گئی ہے۔

یہی عقائد تھے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے وارث حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جنہوں نے جلیل القدر محدثین کے حالات پر 'بستان المحدثین' جیسی معرکۃ الآرا کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ اس میں آپ نے حضرت ابوالعباس احمد زروق علیہ الرحمۃ کے ذکر میں آپ کے درج ذیل دو شعر بھی درج فرمائے ہیں۔

أَنَا لِمُرِیْدِیْ جَامِعٌ لِشَتَاتِہٖ
اِذَا مَا سَطَا جَوْرُ الزَّمَانِ بِنَکْبَۃٖ

وَاِنْ كُنْتَ فِی ضِیْقٍ وَّ کَرْبٍ وَّوَحْشَةٍ
فَنَادِ بِیَا زَرُّوْقُ اٰتِ بِسُرْعَةٍ

ترجمہ: میں اپنے مرید کیلئے پریشانیاں دور کرنے والا ہوں جبکہ جور زمانہ سختیوں کے ساتھ اس پر حملہ کرے اور (اے مرید) اگر تو تنگی وسختی و وحشت میں ہو تو 'یا زروق' کہہ کر پکار، میں فوراً آؤں گا۔

اب دیکھئے حضرت زروق علیہ الرحمۃ عظیم محدث 'یا زروق' جیسا وظیفہ سکھا رہے ہیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے درج فرما رہے ہیں، اب اس پر سارا کالعدم 'لشکر طیبہ' ماتم نہ کرے تو تعجب ہے۔

سچی بات یہی ہے کہ چند آیات کو رٹ لینا اور ان پر غور و تدبر کئے بغیر جھٹ ساری امت مسلمہ کو شرک کے بھینٹ چڑھا دینا خارجیوں کا طرز عمل تو ہوسکتا ہے، اسے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ خود قرآن پاک نے اس طرز عمل کی ایک سے زیادہ بار شدید مذمت فرمائی ہے، مثلاً

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّکِتٰبٍ مُّنِیْرٍO (الحج:۸)

ترجمہ: اور بعض آدمی وہ ہیں کہ اللہ کے بارے میں یوں جھگڑتے ہیں کہ نہ تو علم اور نہ کوئی دلیل اور نہ کوئی روشن کتاب۔

آپ نے دیکھا جن کے پاس علم ہے، ہدایت ہے اور کتاب منیر ہے، وہ تو 'یا علی' اور 'یا زروق' کا ورد سکھا رہے ہیں اور جو علم سے خالی ہے، ہدایت سے محروم

ہےاور کتاب منیر سے بے بہرہ ہے، وہ اس قسم کی باتوں کو شرک قرار دے رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر وہ ایسا کیوں کرتا ہے اور کس کی اتباع میں کرتا ہے۔ اس کا جواب بھی اسی سورت میں اس سے پہلے آ چکا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ o كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ o (الحج:٣-٤)

ترجمہ: اور کچھ لوگ وہ ہیں کہ اللہ کے معاملے میں جھگڑتے ہیں بغیر علم کے اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں جس پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو اس کی دوستی کرے گا تو یہ ضرور اسے گمراہ کر دے گا اور اسے عذاب دوزخ کی راہ بتائے گا۔

اور یہ ظاہر ہے شیطان لعین پہلے دن سے ہی محبوبان خدا کا دشمن رہا ہے۔ یہ وہی ملعون ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا، تو ظاہر ہے اسے یہ کیونکر گوارا ہوسکتا ہے کہ لوگ محبوبانِ خدا کی تعظیم کر کے جنت میں جائیں۔ چنانچہ مختلف قسم کے مکروفریب کر کے انہیں گستاخ و بےادب بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ یہ بدبخت جب توحید کا نام لیتا ہے، تو اس کا مقصود 'توحید' نہیں ہوتی بلکہ اللہ والوں کی توہین ہوتی ہے جو عین کفر ہے۔

کتنی سیدھی سی بات ہے اللہ کا سب سے بڑا محبوب، توحید کا سب سے بڑا مبلغ، کائنات کا سب سے بڑا ہادی، انسانیت کا سب سے بڑا محسن جسے دشمنوں نے بھی 'الامین' اور 'الصادق' کہا ﷺ۔ وہ تو یا عباد اللہ (اے اللہ کے بندو!) کی

ندا سکھائے اور اعینونی (یعنی میری مدد کرو) کا وظیفہ بتا کر اللہ کے بندوں کی بارگاہ میں فریاد کرنے کا ڈھنگ خود بتائے مگر شیطان جو خود شرک کا دلدادہ اور مشرکوں کا سرپرست ہے کے ساتھی اسے شرک بتائیں۔

انصاف سے سوچئے جس کتاب مجید میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا انداز بتاتے ہوئے اس طرح کہنے کی تلقین کی گئی ہے کہ

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ O (الفاتحہ:۴)

ترجمہ: ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں

اس آیت سے ظاہر ہے کہ جس طرح معبود واحد ہے یونہی مددگار (یا مستعان بھی) واحد ہے۔ اب تیس پارے پڑھتے جایئے، کسی ایک آیت سے بھی ہلکا سا اشارہ ایسا نہیں ملے گا جس سے کسی اور کی معبودیت کا امکان ابھرتا ہو، ہاں ایسی آیات ضرور ملتی ہیں جن میں ایک دوسرے کی مدد کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا گیا، یا جن میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور مقدس لوگ دوسروں سے مدد مانگتے نظر آتے ہیں وغیرہ، وغیرہ تو یہ فرق کیوں؟ حقیقت یہ ہے کہ عبادت تعظیم کے آخری اور انتہائی درجے کا نام ہے اور وہ درجہ ایک ہی ہوسکتا ہے لہٰذا عبادت کی ایک ہی قسم ہوسکتی ہے۔ یا بہر حال معبود ایک ہی ہوسکتا ہے۔ مگر دوسروں کے مددگار ہونے کا تصور قرآن پاک سے ملتا ہے تو جب 'ایاك نستعین' ایک ہی مددگار یا مستعان کا تصور دے رہا ہے تو باقی مددگار کیسے ہوں گے۔ حق یہ ہے کہ حقیقی مددگار یا مستعان صرف اللہ ہے، باقی اگر مددگار ہیں تو اس کے فضل سے، اس کی مشیت سے اور اس کی تقدیر سے، حقیقت میں مددگار یا مستعان (جس سے مدد لی جائے) صرف ایک ذات ہے جسے مددگار حقیقی یا مستعانِ حقیقی کہا جاسکتا ہے، اس کے سوائے کوئی

مستعانِ حقیقی نہیں۔ والدین اولاد کی مدد کریں، استاد شاگردوں کی کریں، پیر مریدوں کی کرے، بھائی بھائی کی کرے، حاکم رعایا کی کرے، ڈاکٹر مریض کی کرے، وغیرہ وغیرہ سب اسی ایک مستعانِ حقیقی ہی کی امداد کے مظہر ہیں یعنی وہ مدد کرنا چاہے تو یہ کر سکتے ہیں اور یہ کرتے ہیں تو وہی کرتا ہے۔ وہ اگر کسی کی مدد نہ کرنا چاہے تو کوئی بھی اس کی مدد نہیں کرسکتا۔ کیونکہ کوئی پتا اس کے ہلائے بغیر ہل نہیں سکتا، کوئی آگ اس کے ارادے کے بغیر نہیں جلاسکتی، کوئی سمندر اس کے چاہے بغیر ڈبو نہیں سکتا کوئی اس کے ارادے کے بغیر ارادہ بھی نہیں کرسکتا۔

وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ O (التکویر:۲۹)

ترجمہ: اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ سارے جہان کا رب

محبوبانِ خدا کے کمالات بھی خدائے واحد کی قدرت کی تجلیات ہیں اور ان کی امداد بھی اسی مستعانِ حقیقی کے فضل وکرم کا ظہور ہے۔ وہ مظہر عون الٰہی (یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی امداد کے مظہر) ہیں خود انہیں کو اگر مستعانِ حقیقی سمجھ کر پکارا جائے تو شرک اور اگر اسی مستعانِ حقیقی کے مظہر جان کر ان سے مدد طلب کی جائے تو جائز۔

یہی نقطۂ نظر ہے تمام اہل توحید کا اور اسی کو وضاحت سے پیش کیا ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ نے ایاک نستعین کی تفسیر میں، آپ فرماتے ہیں۔

لیکن در ینجا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد بر آں غیر باشد واورا مظہر عون الٰہی نداند حرام است واگر استعانت

محض بجانب حق است واورا یکے از مظاہر عون دانستہ ونظر بکار خانہ اسباب وحکمت اوتعالی درآں نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید، دوراز عرمان نخواہد بود ودرشرع نیز جائز درواست وانبیا ءواولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اندودر حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر۔

ترجمہ: لیکن یہاں یہ بات سمجھنا چاہئے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا اس وقت حرام ہوگا جب اُسی پر کامل بھروسا ہو اور اس کو اللہ کی مدد کا مظہر نہ جانے۔ لیکن اگر توجہ اللہ کی طرف ہو اور غیر اللہ کی امداد کو محض اسی اللہ کی امداد کا مظہر جانتا ہو اور رب تعالیٰ کے کارخانہ اسباب وحکمت کو پیش نظر رکھ کر بظاہر غیر اللہ سے مدد مانگے تو عرفان سے دور نہیں، اس قسم کی مدد انبیاء علیہم السلام، اولیاء علیہم الرحمۃ نے بھی غیر اللہ سے مانگی ہے اور حقیقت میں یہ مدد غیر سے نہیں، حق تعالیٰ ہی سے ہے۔

یہ محبوبانِ خدا کے غلاموں کا طرزِ فکر کہ وہ اگر کسی نبی علیہ السلام سے بھی مدد مانگتے ہیں تو اسے اللہ کی امداد کا مظہر جان کر مانگتے ہیں، نہ کہ (معاذ اللہ) اللہ کا شریک یا اللہ کے برابر سمجھ کر۔ ان کے ذہن میں یہی بات ہوتی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے فضل سے ہی مدد کر سکتا ہے اور مدد کرتا ہے۔ ہاں مخلوق میں جو طاقت اللہ نے اپنے نبی کو عطا کی ہے، وہ کسی اور کو نہیں کی اور جو

اختیارات اپنے نبی کو عطا فرمائے وہ کسی اور کو عطا نہیں فرمائے، نیز اللہ کا یہ مقدس ترین بندہ جسے نبی کہا جاتا ہے مخلوق خدا کی حاجت روائی اور مشکلکشائی کیلئے ہی پیدا ہوا ہے، اللہ کا نبی اللہ کے فضل سے وہ حاجتیں پوری کرتا اور وہ مشکلیں حل کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق میں کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ کسی کو اللہ کا نبی ماننا دراصل اسے دین و دنیا میں اللہ کی رحمتوں کا مظہر و نمائندہ ماننا ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ کا نبی علیہ السلام ہو کہ ولی علیہ الرحمۃ، باپ ہو کہ استاد، پیر ہو کہ مرید، حاکم ہو کہ محکوم، جس سے بھی مدد مانگے، اگر اسے اللہ کی امداد کا مظہر سمجھ کر مدد مانگی ہے تو جائز بلکہ سنت ہے۔ اور اس طرح غیر اللہ سے مدد مانگنا دراصل اللہ ہی سے مدد مانگنا ہے۔

منکرین کی بدبختی دیکھئے، انہوں نے بندوں کی تقسیم کی اور یونہی کاموں کی۔ چنانچہ مولوی سرفراز خاں گکھڑوی تنقید متین میں 'فرماتے' ہیں

'استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے، جو عادۃً اس کے بس میں اور اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے،

(تنقید متین ص ۲۷)

ذرا خیال فرمایئے۔ ایاك نستعين کہہ کر ہم نے اعلان کیا کہ اے اللہ ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں اور کوئی اس قابل نہیں کہ حقیقت میں تیرے سوا مدد کر سکے۔ اور جو کرتے ہیں تیرے فضل سے کرتے ہیں۔ ادھر یہ اعلان توحید اُدھر مدد گاروں کی کثرت تعداد کہ جو بھی زندہ ہے اور پاس ہے وہ مددگار ہے بشرطیکہ ایسی مدد مانگی جائے جو اس کے بس میں ہو۔ ہمارے نزدیک جو پاس ہے یا زندہ ہے وہ بھی اسی صورت میں مدد کرسکتا ہے کہ رب مدد کرنا چاہے ورنہ زندہ اور پاس والا شخص

بھی ذرہ بھر کام نہیں آسکتا۔ منکر کے نزدیک زندہ اور پاس والا شخص خود مدد کر سکتا ہے اس کیلئے یہ قید تو ہے تو مدد عادۃً اس کے بس میں ہے، مگر یہ شرط نہیں کہ رب چاہے، تو وہ زندہ و نزدیک والا شخص مدد کر سکے، رب نہ چاہے تو نہ کر سکے۔ شاید بات کچھ الجھ گئی ہے، پھر اس فرق کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ محبوبان خدا کے غلاموں کے نزدیک حقیقت میں مدد کرنے والا یعنی مستعانِ حقیقی صرف ایک ہے، وہ اگر مدد کرنا چاہے تو بغیر کسی کے وسیلہ کے مدد کرے یا جسے چاہے خود مدد کا ذریعہ بنادے اس کے چاہنے سے ہر زندہ یا مردہ، ہر قریب یا دور والا شخص مدد کر سکتا ہے۔ خواہ کسی چھوٹے کام میں مدد ہو یا بڑے کام میں۔ مگر منکروں کے نزدیک کوئی شخص قریب ہو اور زندہ ہو تو عام آدمی معاملات میں خود بھی کر سکتا ہے (خدا کے چاہنے نہ چاہنے کی کوئی شرط نہیں) چھوٹے کاموں میں جو عام انسان کے بس میں ہوتے ہیں، ان کے نزدیک مدد کرنے کی اسے طاقت ہے۔ منکروں کی اصطلاح میں اس مدد کو ماتحت الاسباب کہتے ہیں یا ظاہری استعانت۔ ان کے نزدیک ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کی عام اجازت ہے، جس سے آپ چاہیں کر سکتے ہیں (بشرطیکہ وہ قریب ہو، زندہ ہو اور عموماً اس کے بس میں ہو)

غور کیجئے قرآن پاک میں جب ایاک نستعین ہے یعنی مانگنے والا بندہ عرض کرے 'اے اللہ! ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں' تو کھل گیا کہ مرد مومن جیسے **ایاک نعبد** کہہ کر ایک ہی معبود کا اقرار کرتا ہے یونہی **ایاک نستعین** کہہ کر اسی ایک کو مستعان و مددگار یقین کرتا ہے۔ وہ اگر مچھر کے ذریعے لشکر نمرود ہلاک کرے، پانی کے ذریعے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو تباہ کرے، ابابیلوں کے ذریعے ابرہہ کے ہاتھیوں کا قلع قمع کرے، اپنے کسی پیغمبر کے ذریعے مادر زاد

اندھوں کو بینائی بخشے، مردوں کو زندہ کرے، یا اپنے محبوب اعظم ﷺ کے لعاب دہن شریف سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایڑھی کو زہر سے شفا بخشے، ہر جگہ اس کی قدرت وامداد کا ظہور ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ کی تصریح کے مطابق جو اوپر مذکور ہوئی آپ کسی زندہ سے یا مردہ سے قریب یا دور والے سے، نبی علیہ السلام سے یا ولی علیہ الرحمۃ سے مدد مانگتے ہیں یہ سمجھ کر کہ حقیقت میں مدد کرنے والا اللہ ہے، باقی سب اسی کی امداد کے مظاہر ہیں تو توحید کے منافی نہیں۔ اور اگر اس نکتے کو فراموش کر دیں، پھر کسی سے بھی (زندہ سے، مردہ سے، چھوٹے سے یا بڑے سے، دور والے یا قریب والے سے، مافوق الاسباب یا ماتحت الاسباب) امداد مانگیں حرام ہے اور شرک۔ منکر اولیاء میں یہ لیاقت نہیں کہ اس فرق کو سمجھتا، وہ دوسروں پر شرک کا فتویٰ لگاتا ہے اور خود شرک کے تاریک ترین کنوئیں میں گرا ہوا ہے۔ صبح وشام وہ کس کس سے مدد نہیں مانگتا اور جس جس سے بھی مدد مانگتا ہے۔ یہ سمجھ کر مدد مانگ رہا ہے کہ اتنا کام یہ خود بھی (یعنی معاذ اللہ خدا کے چاہے بغیر بھی) کر سکتا ہے۔ تو فرمایئے صبح وشام وہ کتنے شرک کرتا ہے مگر افسوس اسے احساس تک نہیں، ہاں سچ جانو یہ وہی قوم ہے جس کے بارے میں قرآن پاک فرماتا ہے۔

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ، لَا يَعْلَمُوْنَ وغیرہ وغیرہ

یعنی وہ نہیں سمجھتے، وہ نہیں جانتے۔

جس طرح حقیقی عالم اللہ ہی ہے، مگر اس نے اپنے فضل سے بعض بندوں کو علم بھی دیا اور انہیں عالم، علماء اور علیم بھی فرمایا۔

جس طرح حقیقی سمیع وبصیر اللہ ہی ہے مگر اس نے انسان کو سمیع وبصیر بنایا

چنانچہ فرمایا۔

فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًاo (الدھر:۲)

ترجمہ: تو اسے (یعنی انسان کو) سمیع و بصیر کردیا۔

اسی طرح حقیقی مددگار اللہ جل مجدہٗ ہی ہے مگر اس نے اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے بھی بعض کو بعض کا مددگار بنایا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کی دعا کا ذکر فرماتا ہے تو آخری جملہ یوں نقل فرماتا ہے۔

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ج وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًاo

(النساء۷۵)

ترجمہ: اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے۔

ولی اور نصیر جن کے تقرر کی دعا کی جارہی ہے، یہ اللہ کی طرف سے ولی اور نصیر بتائے جارہے ہیں تو یقیناً ان کی مدد اللہ ہی کی مدد ہے۔ ابابیل اللہ کی طرف سے بھیجے جائیں تو کعبے کی حفاظت میں ابابیلوں کی مدد اللہ ہی کی مدد ہے، اور ان کے ذریعے ہاتھیوں کی تباہی اللہ ہی کی طرف سے تباہی ہے، اسی طرح اللہ اپنے بندوں کے ذریعے کسی کی مدد فرماتا ہے تو لامحالہ یہ اسی کی اپنی مدد ہے۔ منکرین کو یہ تو گوارا ہے کہ اپنی مرضی سے ہزاروں لاکھوں ایسے مددگار مان لیں جو ماتحت الاسباب میں خود مدد کرسکتے ہیں اور اس میں یہ شرط بھی نہیں کہ خدا چاہے یا نہ چاہے مگر یہ گوارا نہیں کہ مستعان حقیقی اللہ کے محبوب بندے اللہ کے فضل سے اور اسی کی دی ہوئی طاقت سے اسی کی مدد کے مظہر بن سکتے ہیں

منکرین کی ایک کج فہمی تو یہی ہے کہ اُن کے نزدیک ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت ہر قریب والے زندہ شخص سے جائز ہے اور عادی امور میں یعنی ایسے کاموں میں جو عموماً انسانوں کے بس میں ہوتے ہیں کسی دوسرے سے مدد مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کاموں میں انہیں مدد کرنے کا اختیار ہے۔ دوسری کج فہمی یہ ہے کہ مافوق الاسباب امور میں خدا کے سوا کسی دوسرے سے مدد مانگی جائے تو شرک ہے کیونکہ یہ ان کے نزدیک طاقت اللہ نے کسی کو عطا نہیں فرمائی۔ حالانکہ امور ماتحت الاسباب ہوں یا مافوق الاسباب، ہر کہیں اللہ ہی مستعان حقیقی ہے اور اسے مستعان حقیقی مان کر امور تحت الاسباب میں مدد مانگی جائے یا فوق الاسباب میں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مدد کرنے والا اپنی خداداد طاقت کے مطابق ہی مدد کرے گا جس کی طاقت عام انسانوں کے برابر ہوگی، وہ ماتحت الاسباب تک ہی مدد کر سکتا ہے جو طاقت وقوت میں مظہر رب جلیل ہے، اس کی امداد امور مافوق الاسباب میں بھی ممکن ہے۔ معجزات وکرامات کیا ہیں، اسی قوت بے پایاں کے مظاہر۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضور ﷺ سے مدد مانگا کرتے تھے، وہ عموماً ایسی ہی مدد ہوتی تھی جو اللہ کے سب سے بڑے نائب ﷺ کی شان ارفع کے لائق وشایاں تھی۔

مختصر یہ کہ جس طرح چھوٹے موٹے کاموں میں جو عام انسانوں کے بس میں ہوتے ہیں، عام انسانوں سے مدد لیتے ہیں اور یہ ایاك نستعین کے خلاف نہیں ہوتا کیونکہ مدد مانگنے والا اس یقین سے مدد مانگ رہا ہے کہ ان چھوٹے کاموں میں بھی اللہ کے چاہے بغیر کوئی مدد نہیں کر سکتا اور مستعان حقیقی ایک اسی کی ذات پاک ہے، یونہی بڑے کاموں میں جو عام انسانوں کے بس میں نہیں ہوتے

وہ اللہ کے پاک ومقرب بندوں سے مدد مانگتا ہے، اس لئے کہ مستعانِ حقیقی اب بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی نے یہ بڑے بڑے کام اپنے پاک ومقرب بندوں کے بس میں کر دیئے ہیں مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کے درباری حضرت آصف بن برخیا کا دور دراز سے تخت بلقیس لانا اور وہ بھی آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے یقیناً عام انسانوں کی طاقت سے باہر ہے اور امور مافوق الاسباب سے تعلق رکھتا ہے۔ منکر اولیاء کے نزدیک اگر مافوق الاسباب میں اللہ والوں سے مدد مانگی جائے تو شرک، ماتحت الاسباب میں کسی سے مانگی جائے تو شرک نہیں اگرچہ مدد مانگنے والا خدا کو مستعان حقیقی نہ سمجھتا ہو اور جس سے مدد مانگ رہا ہے۔ وہ خود خدا کا منکر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ہے منکروں کی توحید (معاذ اللہ)

مزید وضاحت کیلئے دیکھئے ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

عَنْ اَنَسٍ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِیَسْأَلْ اَحَدُکُمْ رَبَّہٗ حَاجَتَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی یَسْأَلَہٗ شِسْعَ نَعْلِہٖ اِذَا انْقَطَعَ

(مشکوٰۃ ص ۱۹۶ کتاب الدعوات الفصل الثالث، ترمذی جلد ۲ ص ۳۰۰)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے رب سے حاجتوں کو طلب کرے یہاں تک کہ اگر جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کے بارے میں بھی۔

دوسری روایت میں آخری الفاظ یوں ہیں۔

حَتّٰی یَسْأَلَہُ الْمِلْحَ وَحَتّٰی یَسْأَلَہٗ شِسْعَہٗ اِذَا انْقَطَعَ

(مشکوٰۃ ص ۱۹۶ کتاب الدعوات الفصل الثالث، ترمذی جلد ۲ ص ۳۰۰)

ترجمہ: یہاں تک کہ نمک بھی اللہ سے مانگے اور یہاں تک اپنی جوتی کا تسمہ بھی

ٹوٹ جائے تو اسی سے مانگے۔

بات صاف ہوگئی چھوٹے سے چھوٹا کام ہو یا بڑے سے بڑا، مستعانِ حقیقی اللہ کے سوا کوئی نہیں، جس سے بھی مانگے اسے بقول حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اللہ کی مدد کا مظہر سمجھ کر مدد مانگے۔ حضرت شاہ صاحب نے جو کچھ تفسیر عزیزی میں فرمایا بالکل اسی کا ترجمہ محمود الحسن صاحب (دیوبندی) نے اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کیا۔ ان کے الفاظ نوٹ کیجئے۔

> ''اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر مقبول بندے کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کی جائے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی استعانت ہے''

یہ صاحب تھے دیوبندی مکتب فکر کے امام اور مولوی سرفراز گکھڑوی کے بزرگ، اب آیئے ایک اور واقعہ سنئے۔

> ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت اور اس کی تحقیقات کیلئے حکومت کی طرف سے سابق چیف جسٹس مسٹر محمد منیر اور جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل ایک عدالت مقرر کی گئی۔ مذہبی جماعتوں کے متحدہ محاذ کی مجلس عمل کے ناظم اعلیٰ مولانا داؤد غزنوی (اہل حدیث) تھے۔ جسٹس منیر نے انہیں الجھانے کی بہت کوشش کی مگر غزنوی صاحب نے اس کو بے بس کر دیا ایک سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

جسٹس منیر کیا آپ 'یا شیخ عبدالقادر جیلانی' کہنے والے کو مشرک قرار دیتے ہیں۔

فرمایا یہ کہنے والے کی نیت پر منحصر ہے۔ ہر وہ شخص جو یہ الفاظ زبان سے نکالتا ہے، مشرک نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ابھی آپ نے بھی یہ الفاظ زبان سے نکالے ہیں مگر ہم آپ کو مشرک نہیں کہیں گے۔ (سوانح مولانا داؤد غزنوی از مولانا ابوبکر غزنوی)

دیکھا آپ نے؟ یہ فیصلہ ہے غیر مقلدین کے ایک جید عالم دین کا۔ نیت صاف نہ ہو تو 'اللہ اکبر' کہنے والا بھی مشرک چنانچہ مشہور مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے پرستار اللہ اکبر کہتے تھے تو ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ (جلال الدین) اکبر ہی اللہ ہے اور اگر نیت صاف ہو تو یا شیخ عبدالقادر کہنے والا بھی موحد و مومن ہے، آخر وہ انہیں 'عبدالقادر' ہی کہہ رہا ہے (یعنی قادر کا بندہ) القادر تو نہیں کہہ رہا۔ اللہ کے سوا کسی کو خدا ماننا شرک ہے بندہ ماننا تو شرک نہیں۔
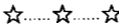
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
قسط نمبر
24
صفحہ نمبر 442
توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

ہمارے ہاں جتنے اختلافات نظر آتے ہیں، ان میں اکثر 'نیت' کو نہ سمجھنے کی بنا پر ہیں۔ بلکہ یوں لگتا ہے جیسے اختلافات پیدا کرنے والوں نے جان بوجھ کر نیت سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور انہوں نے اختلاف پیدا کرنے کیلئے ہی سارا زور صرف لفظوں پر صرف کر دیا۔ حضور پرنور ﷺ کا ارشاد گرامی جو عموماً محدثین نے سب سے پہلے اپنی تصنیفات کی زینت بنایا ہے، نیت ہی کے بارے میں ہے۔ اور دیکھئے ہمارے کرم فرماؤں نے اس پر بھی غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ان کی گفتگو سنئے، ان کی تحقیقات پر نظر دوڑائیے، ان کے انکشافات ملاحظہ فرمائیے، شور وغل بہت سنائی دے گا مگر جسے 'غور و فکر' کہتے ہیں شاید ہی اس کا کوئی شمہ کہیں نظر آئے۔ ہاں ہاں سوچئے جب سب سے پہلی حدیث کو بھی معاذ اللہ انہوں نے 'درخورِ اعتنا' نہیں سمجھا، تو باقی کتاب کے ساتھ ان کا کیا سلوک ہوگا۔ تو لیجئے یہ ہے پہلی حدیث

عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِیٍٔ مَا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی الدُّنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِ امْرَاَۃٍ یَتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ (بخاری کیف کان بدو الوحی الی رسول اللہ ﷺ جلد: ۱ ص ۲، مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ ﷺ انما الاعمال بالنیۃ جلد: ۲ ص ۱۴۰، مشکوٰۃ ص ۱۱)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

آپ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا، اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا، جس شخص کی ہجرت صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کیلئے ہے تو اس کی ہجرت ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کا سبب ہے اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی خاتون سے شادی کے لیے ہے تو اس کی ہجرت (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف نہیں ہوگی بلکہ) اسی کی طرف ہے جس کیلئے اس نے ہجرت کی ہے۔

کتنا واضح ارشاد ہے، کام بظاہر ایک ہے اور وہ ہے ہجرت جیسی عظیم الشان عبادت، مگر اس کا ثواب سب کو ایک جیسا نہیں۔ جس کی نیت خالص ہے رضائے خدا اور رضائے مصطفیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حصول کیلئے، اس کیلئے ثواب اور جس نے ہجرت کسی خاتون سے نکاح کرنے یا کسی اور دوسری دنیوی غرض کیلئے کی، وہ ہجرت کے ثواب سے محروم ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمۃ نے اس کے حاشیے میں لکھا ہے

> ''صاحب مشکوٰۃ ولی الدین محمد علیہ الرحمۃ نے شروع کتاب میں یہ حدیث ہم کو سمجھانے کیلئے لکھی کہ میری کتاب اخلاص سے پڑھنا، محض دنیا کمانے کیلئے نہ پڑھنا، نیز اپنی دلی کیفیت پر ہم کو مطلع فرمایا کہ میں نے یہ کتاب اخلاص سے لکھی ہے، شہرت یا مال مقصود نہ تھا، یہ حدیث میرے پیش نظر تھی''

جس طرح کام بظاہر ایک، مگر اجر کا دارومدار اخلاص نیت پر ہوتا ہے، یونہی بعض دفعہ کلام بظاہر ایک مگر فیصلہ کہنے والے کی نیت و مراد پر منحصر ہے۔ دیکھئے اسی مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے جب تم میں سے کوئی توبہ کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جنگل میں کسی کی سواری جس پر کھانے پینے کا سامان لدا ہوا ہو، کھو جائے اور وہ اس کی بازیابی کی امید کھو کر ایک سایہ دار درخت کے نیچے پڑ کر سو رہے اور جب بیدار ہو تو دیکھے کہ میری سواری کھڑی ہے اور فرطِ مسرت سے اس کی مہار پکڑ کر یہ کہہ دے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَ اَنَا رَبُّکَ

(مسلم شریف کتاب التوبہ جلد:۲ص۳۵۵)

(یعنی خداوندا! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں)

خوشی کی زیادتی میں غلط کلمات ہی کہہ دے
گویا کہنا چاہتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ وَ اَنَا عَبْدُکَ

(یا اللہ تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں)

مگر کہہ رہا ہے یا اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں (معاذ اللہ)
بظاہر اس سے بڑا شرک کیا ہوگا مگر وہ خوشی کے جوش میں آپے سے باہر

ہے لہٰذا شرکیہ کلمات کے باوجود محض حسنِ نیت کی بنا پر اللہ بھی اس سے راضی ہے اور اس کا رسول ﷺ بھی۔ ہمارے دور کا کوئی مفتی بے لگام موقع پر موجود ہوتا تو شاید اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ آپ کو یقین نہ آئے تحقیق کر لیجئے دورِ حاضر میں جن جملوں پر کفر و شرک کے فتوے داغے جاتے ہیں، وہ اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ کہنے والا بار بار یقین دلاتا ہے کہ میں اللہ کو واحد و لاشریک مانتا ہوں اور میرے نزدیک اللہ کی ذات میں نہ کوئی شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں مگر فتویٰ کی تلوار ہے کہ نیام میں آتی ہی نہیں ہے۔ اس سے زیادہ ضمانت کیا ہو سکتی ہے کہ کہنے والا خود اپنی زبان سے شرک سے بیزاری کا اعلان کر رہا ہے اور دوٹوک انداز میں عقیدۂ توحید و رسالت سے اپنی وابستگی کا اظہار کر رہا ہے، اگر اختلاف پیدا کرنا ہی ان کا مقصد نہ ہوتا تو بات بالکل واضح تھی مگر افسوس! 'خوئے بد را بہانہ بسیار' یونہی کوئی لفظ سنا اور جھٹ شرک کا فتویٰ دے دیا، خدا نخواستہ اگر یہی روش زیرِ عمل رہی تو اس سے قرآن پاک بھی کیونکر محفوظ رہے گا۔ مثلاً دیکھئے 'رب' کا لفظ۔ اس کے بارے میں ہمارا ایمان کیا ہے اور تصورات و تخیلات کیا ہیں، پھر پڑھئے سورۂ یوسف۔ اس میں بہت سے مقامات پر 'رب' سے مراد رب العلمین کی ذاتِ پاک ہی مراد ہے، مثلاً

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ...... (یوسف ۳۳)

ترجمہ: عرض کی اے میرے رب مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں (کنز الایمان)

اگلی آیت میں ہے۔

فَا سْتَجَابَ لَه' رَبُّه' فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَ هُنَّ ط (یوسف۔۳۴)

ترجمہ: تواس کے رب نے اس کی سن لی اوراس سے عورتوں کا مکر پھیر دیا۔

اس سورۃ میں بہت سے دوسرے مقامات پر بھی 'رب' سے مراد رب العلمین ہی ہے، مگر چند آیات وہ بھی ہیں جن میں رب سے مراد 'بادشاہ' ہے۔ دیکھئے یوسف علیہ السلام اپنے دوقیدی ساتھیوں کے خواب کی تعبیر کرتے ہوئے ان سے فرماتے ہیں۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّا اَحَدُ كُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّه' خَمْراً ج (یوسف:۴۱)

ترجمہ: اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! تم میں ایک تو اپنے رب کو شراب پلائے گا......(کنزالایمان)

اگلی آیت میں دوبار رب کا لفظ آیا ہے اور دونوں بار اس سے مراد 'بادشاہ' ہے.

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّه' نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ' .... (یوسف:۴۲)

ترجمہ: اور یوسف نے ان دونوں میں سے جسے بچتا سمجھا، اس سے کہا اپنے رب کے پاس میرا ذکر کرنا۔

پھر ایک عرصے کے بعد جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتا بھیجی، تو اس نے آپ کو بلانے کیلئے ایلچی بھیجا، آپ نے اسے واپس بھیج دیا۔ یہ واقعہ قرآن پاک نے یوں بیان فرمایا۔

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ط (یوسف۔۵۰)

ترجمہ: تو جب اس کے پاس ایلچی آیا، کہا اپنے رب (بادشاہ)
کے پاس پلٹ جا پھراس سے پوچھ کیا حال ہے ان عورتوں کا
جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ (کنزالایمان)

دیکھا آپ نے؟ خود قرآن حکیم میں اس قسم کے اطلاقات موجود ہیں اور ان کی رو سے اگر ذہن صاف ہو اور فکر میں کوئی اینچ پیچ نہ ہو تو 'رب' جیسا نہایت اہم لفظ بھی غیر خدا کیلئے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ سوچئے، جن کے ہاں غور و فکر کو ہی ممنوع قرار دیا گیا ہے، قرآن پاک کے ایسے مقامات سے کیسے گزرتے ہوں گے۔ اور اندھا دھند فتویٰ لگا دینے کی عادت کی بنا پر قرآن مجید کے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ قرآن پاک کی آیات تو ٦٦٦٦ ہیں اور احادیث ان کے مقابلے میں بیشمار ہیں۔ چنانچہ احادیث میں ایسے مقامات اور بھی زیادہ ہیں تو بے چاروں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو عموماً محبوبانِ خدا سے اور خصوصاً حضور محبوبِ اعظم ﷺ سے بغض ہے جس کی بنا پر عموماً یہ محبوبانِ خدا کے اور خصوصاً محبوبِ اعظم ﷺ کے کمالات کا ذکر کرنا یا سننا برداشت نہیں کرتے۔ جب کہیں حضور پرنور ﷺ کے فضائل کی بات آتی ہے، یوں لگتا ہے کہ ان کے اندر شرک کی گھنٹی بجنے لگتی ہے، یہ چوکس ہو جاتے ہیں اور فوراً اس کے سدباب کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی بدبختی کا یہ عالم ہے کہ قرآن پاک نے جو الفاظ عام انسانوں کیلئے استعمال کئے ہیں، انھیں بھی حضور پرنور ﷺ کی ذات پاک سے منسوب کرتے ہوئے ہچکچاتے ہی نہیں، سیخ پا ہو جاتے ہیں۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

بتایا کہ فاتح مرزائیت، عاشق رسول (ﷺ)، جناب طاہر عبدالرزاق نے کہیں حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا!

'یارسول اللہ ﷺ! ہمیں بخش دیجئے'

تو ایک وہابی بڑا چڑا اور کہنے لگا 'بخشنے والا صرف خدا ہے' کسی اور کو بخشنے کا کیا حق۔ وغیرہ من الخرافات۔ جناب طاہر نے اسے خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ ان کا جواب کیا تھا؟ مجھے معلوم نہیں۔ مجھے تو قرآن پاک سے یہ فیصلہ لینا ہے۔ دیکھئے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ O (الشوریٰ۔۔۔۔۔۴۳)

ترجمہ: اور بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔

(کنزالایمان)

سوچا آپ نے 'غَفَرَ' کا لفظ کس کیلئے آرہا ہے۔ جو بھی 'بخشے' مگر منکر اگر قرآن پاک پر ایمان رکھتا ہے تو گویا سب کیلئے یہ لفظ قبول کر رہا ہے، ایک حضور پر نور ﷺ جن کا کلمہ پڑھتا ہے کے بارے میں ضد کا شکار ہے۔

اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۶۳ ملاحظہ ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُھَآ اَذًی ط وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ O (۲۶۳)

ترجمہ: اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو، اور اللہ بے پروا حلم والا ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی حاشیے میں لکھتے ہیں۔

''یعنی فقیر کو نرمی سے منع کر دینا اور اگر وہ اس منع

کرنے پر نازیبا الفاظ کہے تو اسکو درگزر کر دینا اس دینے سے
بہتر ہے جس کے بعد فقیر کو ستایا جاوے یا بدنام کیا جاوے''

(نورالعرفان)

دیکھئے 'مغفرۃ' کی صفت اللہ کو پسند ہے، سب میں ہونی چاہئے۔ وہابی کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں، ہاں اللہ کے پیارے حبیب ﷺ میں 'مغفرۃ' ہو اور آپ کیلئے یہ لفظ لائیں تو وہابی کی توحید بپھر جاتی ہے۔ یعنی حضور پرنور ﷺ صبـــر کے ساتھ غــفــر پر عمل پیرا ہو جائیں (جیسا کہ وہ ہیں) اور کسی مجرم کی مغفرت فرمائیں تو دشمن کو قطعاً گوارا نہیں۔ ہاں ہاں جو بدنصیب حضور پرنور ﷺ کا شافع ہونا برداشت نہیں کرسکتا، اس کی نظر میں آپ کا 'غافر' (بخشنے والا) ہونا موت سے کیا کم ہوگا۔ یہ حضور ﷺ کے غلاموں کی سعادت ہے کہ اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کی مدح وثنا زبان سے کر کے اور کان سے سن کر خوش ہوتے ہیں۔ عشاق رسول ﷺ کے تاجدار اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ کا عقیدہ دیکھئے

دنیا ، مزار، حشر جہاں ہیں غفور ہیں
ہر منزل اپنے چاند کی، منزل غَفَر کی ہے

جس رؤف ورحیم اللہ کریم نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو رؤف ورحیم بنایا اسی غفور نے انہیں غفور بنایا، ہم اپنے اللہ کی ہر عطا پر اور اپنے آقا ﷺ کے ہر وصف پر ایمان رکھتے ہیں۔ دینے والا خدا بھی یکتا ہے اور لینے والا حبیب ﷺ بھی یکتا ہے اور اُس یکتا نے اِس یکتا پر جو کرم فرمایا وہ بھی یکتا ہے۔

وہ اللہ، یہ اُس کا بندہ، وہ بھی یکتا، یہ بھی یکتا

وہ اِس کا، یہ سب کا مولا، وہ بھی یکتا، یہ بھی یکتا
اُس کی ربوبیت کا جلوہ، تارا تارا، ذرہ ذرہ
اِس کی رحمت بھی ہے ہر جا، وہ بھی یکتا، یہ بھی یکتا

اعلٰیحضرت بریلوی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں یوں عرض کرتے ہیں

یہی بولے سدرہ والے، چمن جہاں کے تھالے، سبھی میں نے چھان ڈالے
ترے پایے کا نہ پایا، تجھے یک نے یک بنایا

غرض آنکھ کھلی ہو، ایمان سے دل منور ہو، اللہ کی محبت سے سینہ سرشار ہو تو ہدایت کیلئے قرآن پاک سے بڑھ کر کس سہارے کی ضرورت ہوگی، مگر دل اگر بغضِ رسول ﷺ نے تاریک کر دیا ہو اور آنکھ پر حسد وعناد کی پٹی بندھی ہو تو اسی کتاب مبین سے انسان گمراہ تو ضرور ہو سکتا ہے، ہدایت کا کوئی امکان نہیں۔ ہمارے معاشرے میں جو مذہبی اختلاف نظر آتا ہے، مذہبی سے زیادہ جذباتی ہے۔ جو شخص جذبۂ محبت سے قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے، اسے ایک ایک حرف میں بلکہ ایک ایک حرکت میں عظمت مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنا کے فانوس جگمگاتے نظر آتے ہیں بقول حضرت میاں محمد صاحب علیہ الرحمہ

زیراں، زبراں، شداں، مداں شان تیری وچ آئیاں
عاماں لوکاں خبر نہ کوئی، خاصاں رمزاں پائیاں

اس کے برعکس جو بغض وتعصب میں سر کے بالوں تک ڈوبا ہوا ہے، اسے تیس پاروں میں بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ وہابیت اسی بغض وتعصب سے لتھڑی ہوئی سوچ کا نام ہے۔ حضور پرنور ﷺ کی ذات میں کمال کا اقرار واثبات وہابیت کے دستور فکر وعمل کے خلاف ہے اس سے پوچھئے حضور پرنور ﷺ کی تعریف کتنی ہونی

چاہئے۔ان کے گروگھنٹال یعنی برصغیر کے پہلے وہابی نے اس کا جواب دیا۔

'بشر کی سی تعریف کرو بلکہ اس میں بھی اختصار کرو' (تقویت الایمان)

جب مرکزی دفتر سے یہ آرڈیننس نافذ ہو چکا کہ عام انسانوں سے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی تعریف بڑھنے نہ پائے، ہاں گھٹا سکو تو گھٹالو۔ پھر اور کسی کی کیا پرواہ؟ یہی وجہ ہے کہ وہابی قرآن پاک بڑی احتیاط سے دیکھتے ہیں اور بڑی محنت سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ احتیاط اس لئے کہ کسی عظمت کا سکہ کہیں دل پر بیٹھ نہ جائے اور محنت اس لئے کہ قرآن پاک کے محبت آفریں اثرات کا توڑ کیا جائے، اسی آرڈیننس کو لیجئے، کیا کوئی باایمان شخص اسے قرآن پاک کے مطابق کہہ سکتا ہے۔ جس کا اعلان یہ ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ...... (البقرہ۔۲۵۳)

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ (کنزالایمان)

پھر آگے فرمایا!

مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط

ترجمہ: ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے درجوں بلند کیا...... (کنزالایمان)

سوچئے رسول عام انسان نہیں، عظمتوں اور فضیلتوں کے مرقع کا نام رسول ہے۔ان کا گروہ اتنا عظیم ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام بھی ان میں داخل ہیں، اور پھر ان میں ایسی جلیل القدر ذاتِ ستودہ صفات بھی ہے، جسے ایک دو

درجے نہیں، وہ بھی عام لوگوں بلکہ رسولوں پر ان گنت درجوں سے فضیلت بخشی گئی۔ رسول تو ہوتے ہی فضیلت والے ہیں لیکن منکران کی ہر فضیلت کا انکار کر کے انھیں عام بشر کی سطح سے بھی نیچے لانا چاہتا ہے۔ اور یہی ہے اس کی توحید۔

☆......☆......☆

تَوحِیدُ اور مَحبُوبانِ خُدا کے کمالات
قسط نمبر
25
صفحہ نمبر 454
تَوحِیدُ اور مَحبُوبانِ خُدا کے کمالات

حق یہی ہے کہ توحید و رسالت کے بارے میں ذہن صاف ہو اور دل کسی گومگو کا شکار نہ ہو، پھر انسان ان کی بلکہ تمام بنیادی عقائد کی روشنی میں قرآنِ پاک کا مطالعہ کرے تو کوئی خطرے کی بات نہیں، مگر دل شکوک وشبہات سے تاریک ہو چکا ہو، عقائد کی اہمیت سے بے نیاز ہو تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔ لفظ 'رب' پر پھر غور کیجئے، اس کا استعمال سچے رب کیلئے جس مفہوم میں کیا گیا ہے، بالکل اسی مفہوم میں بادشاہ کیلئے یا کسی اور شخصیت کیلئے بلکہ اللہ کے کسی نبی علیہ السلام کے لئے بھی کیا جائے تو ناروا ہوگا اور شرک، پھر اسی کا ہم معنیٰ ہے عربی میں لفظ مربی اور فارسی میں لفظ پروردگار۔ لفظ 'رب' کی طرح لفظ 'مربی' اور لفظ 'پروردگار' کا استعمال بھی بڑی احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔ لفظ 'پروردگار' اللہ کیلئے دن رات استعمال ہوتا ہے اور یقیناً حقیقی پروردگار وہی ہے جو پیدا کرتا ہے اور پھر پرورش کا انتظام کر کے ہر مومن و کافر کو گوناگوں نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے۔ مگر بادشاہ، پالنے والے، تربیت کرنے والے وغیرہ کے مفہوم میں ہو تو دوسروں کیلئے اس کا استعمال جائز ہو سکتا ہے۔

حضرت اقبال نعت لکھتے ہوئے فرماتے ہیں

مقامش عبدہ آمد و لیکن

جہانِ شوق را پروردگاراست

دوسروں کی چھوڑیئے، منکرین کے اپنے گھر کی طرف آیئے۔ مولانا محمود الحسن صاحب جنھیں 'پروردگان دیوبند' شیخ الہند کہتے ہیں وہ اپنے 'رب' مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کا مرثیہ لکھتے ہوئے بلکتے ہیں۔

خدا ان کا مربی ، وہ مربی تھے خلائق کے
مرے مولا مرے ہادی تھے بے شک شیخ ربانی!

اگر نجد و دیو بند کی اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کیا جائے پہلے تو مصرع کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی ساری مخلوق کی پرورش و تربیت کرنے والے پروردگار یا رب ہیں اور انکے اوپر صرف ایک ذات ہے اللہ کی جس کی ربوبیت، و تربیت کے گنگوہی صاحب محتاج ہیں۔ گویا وہ جو حضور سرور عالم ﷺ کی شان میں عرض کیا جاتا تھا۔

'بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'

مولانا محمود الحسن دیو بند نے اس شعر کی روشنی میں اس منصب پر اپنے گنگوہی صاحب کو بٹھانے کی کوشش کی ہے۔ اگر اسی قسم کے الٹے سیدھے شعروں پر فتویٰ کا دار و مدار ہو تو فرمائیے کیا سارا دیو بند اصل دیو بند یعنی شرک گڑھ نظر آئے گا یا نہیں۔

دیکھا آپ نے لفظ رب کا مسئلہ، اگر اس کا استعمال بد نیتی اور بے احتیاطی سے کیا جائے تو بات کہاں تک پہنچتی ہے۔ حتیٰ کہ قرآن پاک بھی 'تہمت شرک' سے محفوظ نہیں رہے گا کیونکہ اس میں بھی لفظ رب مخلوق کیلئے وارد ہے (جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزرا) مگر ایک اسی لفظ کی بات نہیں، قوم کو پارہ پارہ کرنے والوں نے کئی الفاظ پر یوں ہی کرم فرمایا ہے اور شرک کا فتویٰ دینے میں ذرا احتیاط سے کام نہیں لیا۔ مثلاً اسی قبیل کے ایک اور لفظ 'عبد' پر غور کیجئے۔ ہمارے ہاں اردو، فارسی اور پنجابی میں لفظ 'غلام' جس مفہوم میں بولا جاتا ہے، عربی میں لفظ 'عبد' کا یہی مفہوم ہے۔ فارسی میں اور اس کے زیر اثر اردو میں بھی لفظ 'بندہ' کبھی انہیں معنوں میں آتا

ہے۔ 'میں تو آپ کا غلام ہوں' ۔'رشید تو آپ کا بندۂ بے دام ہے'۔

درخواستوں کے آخر میں لکھتے رہے ہیں، 'کمترین بندہ' کبھی کسی کو 'شرک' کی نہیں سوجھی مگر اسی اردو میں کوئی کہہ کے دیکھے کسی مفتیٔ بے مہار کے سامنے 'میں حضور ﷺ کا بندہ ہوں' طوفان اٹھا لے گا۔ میں سال سوم میں زیرِ تعلیم تھا کہ اسلامیات کے لیکچرر نے توحید کے جوش میں یہاں تک فرما دیا تھا۔

'اہل تقویٰ کے نزدیک غلام رسول نام رکھنا بھی جائز نہیں'

اسی طرح عربی میں ان لوگوں کے نزدیک عبد الرسول، عبدالنبی، عبدالمصطفےٰ وغیرہ نام مشرکانہ ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں 'عبد' کا لفظ، لفظ اللہ ہی کا مضاف بن سکتا ہے کسی اور کا نہیں یعنی اللہ کا 'عبد' (یا عبداللہ) تو کہہ سکتے ہیں کسی اور کا عبد یا غلام کہنا شرک کی بات ہے۔ اس میں کیا شک ہے حقیقت میں ہر ایک بندہ اسی ذات کا عبد ہے جو شہنشاہ حقیقی ہے۔ مالک حقیقی صرف ایک ہی ہے، باقی حقیقت میں صرف اسی کے بندے اور غلام ہیں ہاں اللہ کے فضل سے، اس کے ارادہ و مشیت سے، اُسی کی تقدیر سے دنیا میں کوئی رعایا ہے تو کوئی رعیت، کوئی حاکم ہے تو کوئی محکوم، کوئی صاحب ہے تو کوئی بندہ، کیا اقبال علیہ الرحمہ کا یہ شعر یاد نہیں۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

لفظ غلام اور لفظ بندے کا یہ عام استعمال جیسا کہ اوپر گزرا ہمارا روزمرہ ہے، اور کسی کو اس کے استعمال پر کوئی دکھ نہیں ہوتا۔ اور تو اور خود قرآن پاک میں یہ لفظ 'عبد' اسی مفہوم میں آیا ہے۔ مثلاً

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ ط

(النور ۳۲)

ترجمہ: اور نکاح کردو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔ (کنزالایمان)

خیال فرمایا قرآن پاک نے کس غیر مبہم انداز میں تمہارے بندے (یعنی غلام) اور 'تمہاری کنیزیں' کہا۔ مگر برا ہو دشمنان رسول کا کہ جونہی کسی نے کہہ دیا 'رسول کا بندہ' اچھل پڑے کودنے لگے، منہ میں جھاگ آ گئی، ماتھے پر بل آ گیا، اور شرک شرک کی نعرہ زنی شروع کر دی۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا بندہ وغلام کہنا شرک ہے تو دوسروں کا بندہ وغلام کہنا شرک کیوں نہیں۔ اگر یہ لفظ خدا ہی کا مضاف ہو سکتا ہے تو دوسروں کا مضاف کیوں بناتے ہو؟ اور اگر دوسروں کا بندہ یا غلام کہنے سے شرک نہیں ہوتا تو کسی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بندہ یا غلام کہنے سے شرک کیونکر ہو گیا۔ کیا بندگان نجد و دیوبند کے نزدیک مخلوق صرف حضور پرنور ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے، باقی سب خالق ہیں۔ اگر تم ایسا ہی سمجھتے ہو تو بتاؤ ان گنت خداؤں کا یوں اقرار کر کے کون شرک کا مرتکب ہو رہا ہے؟

چلو یوں ہی سہی قرآن پاک نے 'تمہارے بندے' اور 'تمہاری کنیزیں' کہہ کر بندوں کو بندوں کا بندہ کہنے پر پابندی نہیں لگائی تو بتاؤ حضور سرور کون ومکاں مالک این وآں اور باعث چنین وچناں ﷺ کا بندہ کہنے اور کہلانے پر کہاں پابندی عائد کی ہے۔ یہی نہیں، اس نے اپنے بندوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بندے فرما کر انہیں اپنی خصوصی رحمت کا اشارہ دیا ہے دیکھئے قرآن پاک کیا فرماتا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا

مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (الزمر ۵۳)

ترجمہ: تم فرماؤ' اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے، بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

(کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیسا کریم ہے۔ یہ نہیں فرمایا' قل لعبادی' یعنی میرے بندوں سے فرمادو، بلکہ فرمایا' قل یعبادی' یعنی فرما دواے میرے بندو! اب کوئی بد بخت حضور ﷺ کا بندہ بننے کو اپنے لئے وجہ عار سمجھتا ہے، تو سمجھتا رہے بہر حال اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کی تلقین حضور ﷺ کے بندوں (یعنی غلاموں) کیلئے ہے، دوسروں کیلئے نہیں۔ اب کوئی شخص ابلیس لعین کی سوچ کے مطابق شور مچائے کہ "میں اللہ کا بندہ ہوسکتا ہوں، کسی اور کا نہیں، تو اسے قرآن پاک گویا یہ جواب دے رہا ہے کہ اللہ کا سچا بندہ تو وہ ہے جو اس کے حبیب ﷺ کا بندہ (یعنی غلام) ہے اور جو اللہ کا بندہ کہلانے کے باوجود اس کے حبیب کا بندہ نہیں بننا چاہتا، وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے تو اسے مایوس ہی رہنا چاہئے۔ مایوسی سے وہی نکلے گا جو رحمۃ للعالمین ﷺ کا دامن غلامی تھامے ہوئے ہے۔ اللہ کی شان غفاری اور رحمت کے خاص جلوے بھی حضور ﷺ کے بندوں کیلئے ہیں۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور پرنور ﷺ کا بھائی بننے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کی غلامی و بندگی کو سرمایہ عزت و وقار

سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ کا اپنے اولین خطبہ خلافت میں خود کو حضور ﷺ کا عبد و خادم کہنا اسی مفہوم میں تھا۔ ہاں ہاں آپ کے یہ الفاظ کتنے مشکبار اور عشقبار ہیں۔

كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكُنْتُ عَبْدَهٗ وَخَادِمَهٗ

(الجامع الصغیر۔ ج:۱ وازالۃ الخفا از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

ترجمہ: حضور ﷺ کے ساتھ تھا اس لیے میں آپ ﷺ کا عبد و خادم تھا۔

کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ نے بھی ایک بار یوں ہی فرمایا تھا۔

اَنَا عَبْدٌ مِّنْ عَبِيْدِ مُحَمَّدٍ

(بحوالہ مولانا اسمٰعیل اور تقویۃ الایمان)

ترجمہ: میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔

خیر ان میں سے کسی روایت کو یا دونوں کو کوئی ضعیف کہہ دے، کسی حدیث کے راوی کو خاطر میں نہ لائے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کی تحقیق سے بھی بغاوت کر دے، تو قرآن پاک کے 'قل یعبادی' (فرمادو اے میرے بندو) کا کیا جواب دے گا اور الفاظ قرآن کو کیونکر ضعیف کہہ دے گا۔ اور اگر واقعی اس کے نزدیک حضور ﷺ کے ساتھ نسبت غلامی شرک ہے تو قرآن پاک کے بارے میں اس کا کیا عقیدہ یا (کیا) تصور ہوگا۔ مسلمان تو روز اول سے قرآن پاک کو ہی توحید کی سب سے بڑی کتاب سمجھتے آئے ہیں، شاید محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اسی قسم کی آیات دیکھ کر اس سے اعتماد اٹھالیا اور بڑے غصے کے عالم میں (معاذ اللہ) 'اصل' کتاب التوحید لکھ ماری جس میں اس نے پرانی قرآنی توحید سے بیزاری کا اظہار کر کے ایک نئی 'توحید' ایجاد کی۔ نئی 'توحید' تو خیر یہ بھی نہیں تھی کیونکہ ہزاروں

سال پہلے بھی اس کا ایک داعی تھا، ہاں ہاں وہی جسے پہلے پہل عزازیل اور پھر شیطان لعین کہا جاتا تھا۔

وہابیوں کو مسئلہ توحید میں قرآن پاک سے اختلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ کتاب التوحید لکھ کر انہوں نے اپنی اصلی توحید کا تعارف کرایا ہے۔ اس سے پہلے یہ توحید عالم اسلام میں اس آب وتاب اور اس تفصیل کے ساتھ کہیں بھی متعارف نہیں تھی، چنانچہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے جب اپنا 'دین' ظاہر کیا تو اس کے بڑے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نے اس کے رد میں کتاب 'اَلصَّوَاعِقُ الْاِلٰهِيَّةُ فِي الرَّدِّ عَلَى الْوَهَابِيَّةِ' لکھی، علامہ سلیمان نے اپنے بھائی کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر جو بدنصیب اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنا بھائی سمجھتا ہو وہ چھوٹے موٹے بھائیوں کی بات پر کیا کان دھرے گا، جناب سلیمان نے جان کا خطرہ محسوس کیا تو وہ حرمین شریفین چلے گئے۔ 'الصواعق الالھیہ' آج بھی موجود ہے اس میں انہوں نے جس خوبصورت اور مدلل انداز میں اس کو سمجھانے کی کوشش کی اس کی جھلکیاں دیکھنے کیلئے صرف دو تین اقتباسات کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے میں نے اسے 'مولانا اسماعیل اور تقویت الایمان' سے نقل کیا ہے مولانا سلیمان محمد بن عبدالوہاب سے مخاطب ہیں:۔

ا...... بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ اسلام کی اساس پانچ چیزوں پر ہے، شہادت اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نماز قائم کرنی، زکات ادا کرنی، رمضان کے روزے رکھنے اور بیت اللہ کا حج اگر قدرت اور سبیل ہو۔

لیکن آپ ان لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں جو کلمہ شریف پڑھتے

ہیں نماز، روزہ، حج اور زکات کے پابند ہیں، ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ نے خلق خدا کو کافر بنانے کا قول کہاں سے لیا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ ہم شرک کرنے والوں کو کافر کہتے ہیں، اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ، 'شرک کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا' (شیخ سلیمان نے اس مفہوم کی اور آیتیں بھی لکھی ہیں اور پھر لکھا ہے) یہ مبارک آیتیں برحق ہیں اور اہل علم نے جو مطلب ان کا بیان کیا ہے وہی درست ہے۔ وہ کہتے ہیں: 'غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنانا شرک ہے، مشرکین کہتے ہیں' ھولاء شرکاؤنا' ہمارے شریک ہیں' اور جب مشرکوں سے کہا جاتا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو وہ اس کو برا سمجھتے ہیں جیسا کہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَسْتَکْبِرُوْنَ O

ترجمہ: اور ان سے جب کوئی کہتا، کسی کی بندگی نہیں سوا اللہ کے تو غرور کرتے۔

(سو) جو تفاصیل آپ نے بیان کی ہیں کہ اس کام کا کرنے والا مشرک، اس کام کا کرنے والا مشرک، آپ نے یہ تفاصیل کہاں سے لی ہیں؟ کیا ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے یہ بات کہی ہے، اس کا نام ہم کو بتائیں تاکہ ہم آپ کی پیروی کریں

۲...... ہر مذہب کے اہل علم نے ایسے اقوال اور افعال کا بیان کیا ہے جن کے کرنے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے لیکن کسی نے یہ نہیں لکھا کہ جو شخص غیر اللہ کی نیاز مانے وہ مشرک ہوا یا غیر اللہ سے

مانگنے والا مرتد ہوا، یا غیر اللہ کیلئے ذبیحہ کرنے والا کافر ہے یا قبر کا مسح کرنے والا یا قبر کی مٹی اٹھانے والا اسلام سے خارج ہوا۔ اگر کسی نے ان اعمال کے کرنے والے کو کافر یا مشرک یا مرتد قرار دیا ہے تو آپ ہم کو بتائیں، علم کو چھپانا جائز نہیں۔

۳..... آپ کے مذہب کا بطلان اس صحیح حدیث سے ثابت ہے جس کی روایت بخاری نے معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، جس سے اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اس کو دین میں سمجھ دیتا ہے، میں تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا اللہ ہی ہے، اس امت کی حالت سیدھی رہے گی جب تک قیامت برپا ہو یا جب تک اللہ کا حکم آئے۔

رسول اللہ ﷺ ہم کو خبر دیتے ہیں کہ اس امت کی حالت قیامت برپا ہونے تک ٹھیک رہے گی اور آپ ان امور کی وجہ سے جو کہ قدیم ایام سے ان میں رائج ہیں، ان سب کو کافر و مشرک قرار دے رہے ہیں۔

حضرت شیخ سلیمان نے نہایت اخلاص و دردمندی سے وہابی مذہب کے بطلان کی کئی دیگر وجوہ بھی اپنے بھائی کو سمجھانے کی کوشش کی مگر اس نے سنی ان سنی کر دی بلکہ الٹا سمجھانے والے کو جان کے لالے پڑ گئے اور وہ دشمن کی نظروں سے غائب ہو کر خدا اور رسول ﷺ کی پناہ میں چلا گیا۔

غور کیا آپ نے قرآن پاک اور سنت مبارکہ، سارے صحابہ و اہل بیت، سارے سلفِ صالحین بلکہ ساری امت ایک طرف اور 'جناب' ابن عبدالوہاب اور ان کے غلام دوسری طرف۔ حقیقت یہی ہے ''توحید'' تو وحدت ملی کی بنیاد تھی، اس سے دلوں کو قوت اور ولولہ،

تازہ ملتا تھا۔اس نے گورے کالے، شرقی وغربی سب اکٹھے کردیئے مگر افسوس محمد بن عبدالوہاب نے، جناب اسماعیل دہلوی نے اور اب حافظ سعید نے اسی کو انتشار کا ذریعہ بنایا موخر الذکر نے تو حد کردی (اور) چن چن کر ان بزرگان دین کو جنھوں نے ہر ظلمت آباد کفر وشرک کو جلوہ گاہِ توحید بنایا تھا، کافر ومشرک تک کہتے نہیں تھکتا۔کیا ان کی توحید کا ماخذ ومنبع واقعی قرآن پاک ہے؟اسے سمجھنے کیلئے اوپر کے اشارات کافی ہیں، تاہم ایک واقعہ ملاحظہ فرمایئے جسے پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے ارمغان حجاز کی شرح میں لکھا ہے۔حضرت علامہ اقبال نے جو رباعیات سلطان عبدالعزیز بن سعود کو خطاب کر کے لکھی ہیں، ان میں سے دوسری رباعی نمبر ۳۸ کا بنیادی تصور پیش کرتے ہوئے پروفیسر صاحب فرماتے ہیں۔

''چونکہ نجدی وہابی سرکار دو عالم ﷺ سے محبت نہیں کرتے اس لئے اقبال نے سچے عاشق رسول ﷺ کی حیثیت سے سلطان ابن سعود کو عشق رسول کا پیغام دیا ہے اور نجدیوں کے اس اعتراض کا، کہ اہل سنت حضور ﷺ کے روضہء مبارکہ کو سجدہ کرتے ہیں، جواب دیا ہے کہ اے عبدالعزیز! جسے تو اپنی کم فہمی کی بنا پر سجدہ سے تعبیر کرتا ہے یہ سجدہ تو نہیں ہے میں تو اپنے محبوب کے دروازہ پر پلکوں سے جھاڑو دے رہا ہوں۔

لیجئے حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ کی عاشقانہ رباعی بھی جس کا بنیادی تصور آپ نے دیکھ لیا، ملاحظہ فرمالیں۔

تو ہم آں مے بگیر از ساغر دوست
کہ باشی تا ابد اندر برِ دوست

بجو دے نیست اے عبد العزیز ایں
بروبم از مژہ خاکِ درِ دوست

پروفیسر صاحب اس بنیادی تصور کو تحریر فرما کر درج ذیل اضافہ کرتے ہیں

نوٹ: علامہ اقبال نے ایک دفعہ ایک وہابی سے فرمایا تھا کہ حضور ﷺ کے روضہ مبارکہ کی جالیوں کو بوسہ دینا شرک ہے تو تم اپنے بیٹے کا منہ کیوں چومتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ 'میں فرط محبت سے اپنے بیٹے کے رخسار کو بوسہ دیتا ہوں، اس کو اپنا معبود تو نہیں سمجھتا'۔ علامہ نے فرمایا 'ہم بھی حضور ﷺ کو معبود نہیں سمجھتے، صرف فرطِ محبت سے جالیوں کو چوم لیتے ہیں۔ اگر بیٹے کو چومنا شرک نہیں ہے تو جالیوں کو چومنا بھی شرک نہیں ہے۔ سارا دارومدار تو نیت پر ہے پس جب رسول اللہ ﷺ کو ہم اللہ نہیں سمجھتے تو ہم پر کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا۔ (یہ واقعات موقع کی مناسبت سے دوبارہ آ گئے ہیں)

دیکھئے وہی بات آ گئی جس سے مضمون کی ابتداء کی گئی تھی، یعنی نیت۔ بعض لوگوں نے جان بوجھ کر قوم کا شیرازہ بکھیرنے کی کوشش کی اس لئے کہ وہ غیروں کے ہاتھوں بک چکے تھے لہذا دیدہ ودانستہ اور بدنیتی کے ساتھ انہوں نے نیت کا معاملہ سامنے نہیں رکھا۔ اگر ان کی نیت میں اخلاص ہوتا تو نیتوں کے فرق کو ملحوظ رکھتے اور امت اسی طرح متحد رہتی جس طرح صدیوں سے چلی آ رہی تھی۔ کیا ان کا یہ طرز فکر قرآنی تھا، ہرگز نہیں۔ قرآن پاک نے اس سوءِ ظن کی کہیں اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا!

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط (الحجرات۔۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے اور

عیب نہ ڈھونڈ و اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

ایک اور مقام پر فرمایا!

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ط إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ط (یونس ۳۶)

ترجمہ: اور ان میں اکثر تو نہیں چلتے مگر گمان پر، بے شک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا۔ (کنزالایمان)

مسلمان جب اللہ کو خدائے واحد، معبود یکتا، وحدہ لا شریک لہ' مان رہا ہے، اس کے سوا کسی کو بھی خالق، مالک حقیقی، واجب الوجود نہیں جانتا اور کلمۂ توحید پڑھتا ہے، پھر بھی اسے مشرک کہنا بڑا ہی ظلم ہے۔ اسکا کلمہ پڑھنا حق واضح ہے اور اس کے مقابلے میں یونہی کسی وہم وگمان کا شکار ہونا محض ظن۔ قرآن پاک کی رو سے حق کے مقابلے میں ظن کی کیا حیثیت۔ مگر وہ کیا سمجھے جو نفاق کا بیمار ہے اور انتشار وافتراق کا دلدادہ ہے۔ پروفیسر صاحب موصوف نے مذکورہ رباعی کے بنیادی تصور میں لکھا

'چونکہ نجدی وہابی سرکار دو عالم ﷺ سے محبت نہیں کرتے......'

اس کے حاشیے پر لکھتے ہیں۔

''اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ۱۹۴۶ء میں راقم الحروف کو گنبد خضرا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو میں نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے اسماء مبارکہ میں سے رؤف اور رحیم یہ نام مٹے ہوئے ہیں، میں نے سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نجدیوں کو ان ناموں سے شرک کی بو آتی ہے اس پر میں نے کہا کہ بات تو جب ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ان لفظوں کو خارج کر دیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وبالمومنین رؤوف رحیم

دیکھا آپ نے یہ ہے نجدی ذہنیت اور یہ ہے نجدی توحید۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب پاک، سرور لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کو دو مقدس نام عطا فرما رہا ہے۔ مگر نجدیوں کو ان ناموں میں بھی شرک کی بو آتی ہے۔ اب فرمایئے کیا ان کی توحید قرآنی توحید ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ جب خدا کے کلام سے بھی انہیں توحید کی خوشبو کی بجائے شرک کی بو آتی ہے تو خدا کے کلام کو ماننے والے مشرک کیوں نہیں ہوں گے اور جب صدر اول سے اب تک ساری امت میں ایک 'سپوت' بھی ایسا نہیں گزرا جسے ان لفظوں سے شرک کی بو آتی ہو تو بتایئے ساری امت وہابی کی نظر میں مشرک کیوں نہیں ہوگی۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رحیم کہنا شرک کی بو سے خالی نہیں تو جہاں رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جمع کا صیغہ فرمایا ہے۔

رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ

ترجمہ: وہ آپس میں رحیم ہیں۔

نجانے ان 'رحیموں' کے ذکر سے وہابیت کی ناک کا کیا حال ہوا ہے، پھٹ گئی ہے کہ نہیں۔ نجانے قرآن پاک کے اس انداز نے انہیں کتنا افسردہ و پژمردہ کردیا ہوگا۔ رحیم ہونے سے شرک کی بو اسی لئے آتی ہے کہ رحیم کہنا ان کے نزدیک گویا خدا کہنا ہے، وہ آپس میں رحیم ہیں تو ان کی منطق کے مطابق وہ ایک دوسرے کے خدا ہیں۔ مگر وہابیت کے مرنے کا یہ ایک مقام ہی نہیں، قرآن پاک میں جابجا حضور ﷺ کی نعت اور دوسرے محبوبانِ بارگاہ کے کمالات کا ذکر ہے۔ جہاں جہاں یہ ذکر آئے گا وہابی کو شرک کی بو آئے گی، اور خدا کی کتاب کا یہ مارا کہیں پناہ نہ پائے گا۔

ذرا تصور کیجئے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہوگی خود سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات نے کیسا شکر خداوندی کیا ہوگا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا کیا عید نہ منائی ہوگی۔ سچ یہ ہے کہ اہل محبت تو اب بھی اس آیت کو پڑھ کر

سرور میں ڈوب جاتے ہیں۔ اہل طریقت وروحانیت میں ایسے بھی ہیں جو طالبان ہدایت کو درود شریف پڑھنے سے پہلے سورۂ توبہ کی ان دو آخری آیتوں کی تلاوت کی تلقین فرماتے ہیں نعت حبیب الرحمٰن ﷺ ہو اور کہنے والا خود رب ورحمٰن، تو سرور کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

نجدی ذوق محبت سے محروم ہیں انہوں نے قرآن پاک یا سنت پاک کا مطالعہ ہمیشہ کور ذوقی سے کیا ہے، لہذا حرف حرف سے ان کی ناآشنائی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جو لوگ رءُوف'' اور رحیم' جیسے لطیف نام بھی برداشت نہیں کر سکتے، انہیں شاھد، مبشر، نذیر، داعی، سِراجاً منیراً جیسے باطل سوز اسماء کیونکر گوارا ہو سکتے ہیں، پھر اس قسم کی تراکیب وآیات **یدُ اللہ فوق ایدیھم** (ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے) **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ** (اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی) تو ان کیلئے قیامت سے کیا کم ہوں گی آپ نے گذشتہ قسط میں سورۂ بقرہ کی ایک آیت پڑھی ہوگی جس کے آخر میں

وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ .....(البقرۃ-۲۶۳)

ترجمہ: اور اللہ بے پروا حلم والا ہے۔

اس مختصر سے حمدیہ جملے میں اللہ کے دو نام پاک آگئے ہیں غنی اور حلیم۔ ہم اپنی روزمرہ بول چال میں عام انسانوں کیلئے ان دونوں صفات کا اطلاق کرتے رہتے ہیں، غنی تو محتاج کا متضاد ہے۔ اوپر حضرت اقبالؔ کے ایک شعر میں محتاج وغنی کی ترکیب گزر گئی ہے، اب وہابیہ کے طور پر کسی کو بھی غنی کہنے سے شرک ہو جائے گا، یونہی حلیم اور حلیم الطبع جیسے الفاظ ہم بولتے رہتے ہیں مگر نجدی ضابطہ اخلاق کے مطابق اگر کوئی حلیم ہوگا تو شرک ہو جائے گا، لہٰذا توحید یونہی محفوظ رہ سکتی ہے کہ ایک دوسرے سے سر پھٹول جاری رہے اور کوئی کسی کی بات برداشت نہ کرے۔

غور کیجئے یہاں اللہ تعالیٰ نے خود کو ''غنی'' فرمایا اور سورۃ توبہ میں اپنے

آپ کو اور اپنے حبیب ﷺ کو مغنی (یعنی غنی کرنے والے) کے طور پر ذکر فرمایا، دیکھئے

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ج (التوبہ: ۷۴)

ترجمہ: اور انہیں کیا برا لگا یہی نا کہ اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اللہ بھی غنی اور مغنی ہے اور اس کے حبیب کریم ﷺ بھی غنی و مغنی ہیں۔ فرق وہی، اللہ خود غنی و مغنی ہے، حضور ﷺ اس کے فضل سے غنی و مغنی ہیں بلکہ ان دونوں کے فضل سے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی غنی ہیں۔

بڑی پرانی بات ہے۔ میں سال دوم کے طلبہ کو 'توحید' پر لیکچر دیتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اللہ کی ذات، صفات، اسماء، اوامر اور افعال میں کوئی شریک نہیں۔ ایک نوجوان جو مخصوص طبقے کا تربیت یافتہ تھا اور کالج میں اپنے مذہب کی تبلیغ کیلئے داخل ہوا تھا، کہنے لگا بالکل ٹھیک ہے، واقعی اللہ کی ذات میں کوئی شریک ہے، نہ صفات میں، بعض لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مشکل کشا کہتے ہیں، شرک ہی تو کرتے ہیں۔ میں نے کہا قرآن پاک کی کسی آیت میں یہ نہیں آیا اللہ مشکل کشا ہے یونہی کسی حدیث میں بھی اس کے مشکل کشا ہونے کا ذکر نہیں بلکہ عربی کی کسی کتاب میں یہ لفظ نہیں آ سکتا کیونکہ فارسی کا لفظ ہے۔ ہاں لفظ 'علی' جوان کا اصل نام ہے عربی کا لفظ ہے اور خداوند واحد و یکتا نے اسے اپنے لئے ذکر فرمایا ہے، مثلاً آیۃ الکرسی کا آخری جملہ ہے

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (البقرہ۔۲۵۵)

ترجمہ: اور وہی ہے علی (بلند) عظیم (بڑائی والا)

اب جب 'علی' رب کا نام ہے تو اعلان کرنا چاہئے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو 'علی' کہنا شرک ہے۔ پھر معاذ اللہ آپ کے طرز فکر کے مطابق سوچ لیجئے کس کس پر شرک کا فتویٰ عائد ہوگا۔ آپ کے خیال میں اس سے بڑا شرک کیا ہو سکتا ہے کہ رب کا نام ہی کسی اور کو دے دیا جائے گا۔ (اسی طرح 'عظیم' کا مسئلہ ہے، خود قرآن

پاک نے حضور ﷺ کے خُلق کو عظیم فرمایا ایک طرف یہ بات ہے کہ دور حاضر کے منہ پھٹ مفتیوں کے مطابق خدا کیلئے جو توصیفی الفاظ آئے ہیں کسی اور کیلئے بولے جائیں تو شرک ہو جائے، دوسری طرف یہ صورت حال ہے کہ خلیفہ سوم کا لقب غنی ہے اور چہارم کا نام علی ہے۔ خیر میں نے اس نوجوان سے کہا کہ تم سنتے ہو اور خدا سنتا ہے یعنی خدا سمیع ہے اور تم بھی سمیع، خدا بصیر (دیکھنے والا) اور تم بھی بصیر۔ کیا یہ شرک نہیں، شرک سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ کانوں میں کوئی سکہ وغیرہ ڈلوالو اور آنکھوں میں گرم سلائی پھرالو تا کہ شرک نہ رہے، پھر میں نے کہا خدا حیّ (زندہ) ہے اور تم بھی 'زندہ' کیا یہ شرک نہیں

خدا سمیع اور تم بھی سمیع یہ بھی شرک نہیں
خدا بصیر اور تم بھی بصیر یہ بھی شرک نہیں

اسی طرح خدا مشکلکشا حضرت علی بھی مشکلکشا یہ بھی شرک نہیں

شرک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی صفات اس کی ذات کی طرح ازلی، ابدی، باقی، مستقل، قدیم، واجب اور غیر محدود ہیں اور ہماری صفات ہماری ذات کی طرح عارضی، فانی، حادث، ممکن اور محدود ہیں۔ کسی میں خدا کی صفات مانیں اور خدا کی صفات کی طرح مانیں تو شرک ہے ورنہ نہیں۔ اللہ رؤف، رحیم، کریم، عظیم، علیم، علی، غنی، مغنی، محی ہے تو اپنی شان کے لائق ہے اور کوئی بندہ رؤف رحیم، کریم، عظیم، علیم، علی، غنی، مغنی، محی ہے تو محض صفات ربانی کا پرتو اور ان کے مقابلے میں نہایت عارضی اور محدود۔

مگر افسوس دشمن اپنی بدباطنی کی وجہ سے منکر ہیں۔ اور اکثر و بیشتر جانتے بوجھتے محض ہٹ دھرمی کی بنا پر حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے

☆......☆......☆
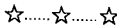
حضور مفکرِ اسلام کی دیگر تصانیف
○ میلاد شریف اور بعض روایات ○ ہمارا نبی (زیر طبع)
○ حضور کے والدین ○ سیرت حضور نقش لاثانی
○ شاہ ابرار زندہ و مختار ○ سورج الٹے پاؤں پلٹے
○ حضرت مجدد الف ثانی کی مجددیت و قیومیت
○ حضرت امام حسین کی حقانیت
○ مردان حق
○ موجودہ فرقہ واریت اور حضور نقش لاثانی کا مذہبی تعامل
○ تبرکات حرمین ○ انوار لاثانی
○ سیرت نبوی کا پیغام عصر حاضر کے نام